urdukutabkhanapk.blogspot
ہمارے باباجی
حضرت مولانا
خواجہ خان محمد
رحمۃ اللہ علیہ
تصنیف و تالیف
محمد حامد سراج
urdukutabkhanapk.blogspot

ہمارے باباجی

حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

تصنیف وتالیف

محمد حامد سراج

خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ
کندیاں، ضلع میانوالی

اشاعت اوّل ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء

اشاعت دوم ۱۴۳۶ھ/۲۰۱۵ء

س را سراج، محمد حامد

ہمارے باباجی: حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ/محمد حامد سراج۔

میانوالی: خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ، ۲۰۱۵ء

۴۱۳ ص

SIR Siraj, Muhammad Hamid

Hamare Baba Ji: Hazrat Maulana Khawaja Khan Muhammad (RA)/ by Muhammad Hamid Siraj.-

Mianwali: Khanqah Sirajia Naqshbandiyah Mujaddadiyah, 2015

413 pp.

ISBN 978-969-9951-05-3

ہدیہ: 400. روپے

سرورق: عجب خان

رابطہ: محمد حامد سراج

ڈاک خانہ چشمہ بیراج، ضلع میانوالی (پاکستان)

+ 92 333 6833852

hamidtaloker@gmail.com

خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجدّدیہ

کندیاں، ضلع میانوالی

0300 - 6091121

میں اپنی اس حقیر کاوش کو اپنے جدِ امجد

حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان رحمۃ اللہ علیہ

(بانیٔ خانقاہ سراجیہ)

کے حضور بصد احترام پیش کرتا ہوں

اگر کشادہ جبینم گلِ بہارِ تو ام
وگر سیاہ دِلم داغِ لالہ زارِ تو ام

نہ بہ نقشِ بستہ مشوشم، نہ بحرفِ ساختہ سرخوشم
نَفَسے بیادِ تو می زنم، چہ حرف و چہ معانیم

(مرزا بیدل)

ترجمہ: میں کسی بنی ہوئی تصویر کو دیکھ کر تشویش میں ہوں اور نہ کسی خود ساختہ بات سے سرمست ہوں، میں تو صرف آپ کی یاد میں جی رہا ہوں، میری عبارت کیا اور میرے معانی کیا؟

فہرست

خانوادہ امیرِ شریعتؒ اور خانقاہ سراجیہ

علمائے کرام اور مشائخِ عظام کے ساتھ وابستگی ۳۰۳

متعلقین

بستی باگڑ سرگانہ (خانقاہ سراجیہ ثانی)

دیگر متعلقین

خُدّام

معالجین

آخری ایام

تقریظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.

اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَخَاتَمُ الۡاَنۡبِیَآء. اَمَّابَعۡد:

حضرت قبلہ والد گرامی مولانا خواجہ خواجگان حضرت خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد بہت سارے حضرات نے آپؒ کی سوانح حیات پر خامہ فرسائی کی۔ متعدد کتب مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔کئی دینی جرائد نے بہت ہی عمدہ نمبرات بھی نکالے۔ الغرض حضرت قبلہ صاحبؒ پر بہت کچھ لکھا گیا اور بہت کچھ لکھا جائے گا۔ حال ہی میں حضرت قبلہ کی سوانح حیات پر کتاب، ''ہمارے بابا جی: خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ'' کے نام سے حضرت صاحبزادہ محمد حامد سراج نے مرتب فرمائی ہے۔

خانقاہ سراجیہ کے بانی قبلہ عالم خواجہ حضرت ابوالسعد احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔''ہمارے بابا جی رحمۃ اللہ علیہ'' کے مؤلف جناب صاحبزادہ محمد حامد سراج صاحب بانی خانقاہ سراجیہ کے پڑپوتے اور آپ کے خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔صحافیانہ ذوق قدرت نے آپ کو عطیہ کیا ہے۔حضرت مؤلف کی پیدائش سے لے کر جوانی تک کا ایک ایک لمحہ حضرت قبلہ خواجہ خواجگان خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی گود میں گزرا ہے۔اس حوالے سے ان کی یہ تصنیف انفرادیت کی حامل ہے کہ اس میں مؤلف نے بہت سارے ذاتی مشاہدات کا تذکرہ کیا ہے۔

''ہمارے بابا جی رحمۃ اللہ علیہ'' کو حضرت قبلہ صاحب کے مسترشد حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب خطیب نشتر میڈیکل کالج ملتان اور جناب ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب پروفیسر

نشتر میڈیکل کالج ملتان نے حرفاً حرفاً پڑھا ہے۔''ہمارے بابا جی رحمۃ اللہ علیہ'' کی یہ بھی انفرادیت ہے کہ اس میں حضرت قبلہ کی مصدقہ تاریخ پیدائش کا تعین کر دیا گیا ہے۔اس حوالے سے دیکھا جائے تو ''ہمارے بابا جی رحمۃ اللہ علیہ'' حضرت قبلہ کی سوانح حیات کی کتب میں ایک گرانقدر اضافہ ہے۔ یاد رہے کہ صاحبزادہ جناب محمد حامد سراج صاحب نے اپنے مشاہدات و جذبات کو اکٹھا کیا تو یہ کتاب تیار ہوگئی۔اس کو اسی جذبہ سے پڑھنا چاہیے۔

صاحبزادہ صاحب نے جس عقیدت و محبت سے بیماری کے عالم میں شب و روز ایک کر کے بڑی محنت سے یہ کتاب لکھی ہے،اس پر وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔حضرت قبلہ نور اللہ مرقدہٗ کے درجات کو بلند فرمائے اور ہم جملہ متعلقین کو آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی سعادت سے سرفراز فرمائے۔ آپ کے قائم کردہ ادارے اور خیر کے جملہ چشموں کو رواں دواں رکھے تاکہ دنیا ان سے کسب فیض کرتی رہے۔

آمین بحرمة نبی الکریم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم.

والسّلام

فقیر ابوالسعد خلیل احمد عفی عنہ

خانقاہ سراجیہ،میانوالی

۱۵ر شوال المکرّم ۱۴۳۳ھ

عرضِ مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اکابرؒ کی سوانح کے مطالعہ کے بعد برکۃ العصر، نمونۂ اسلاف خواجہ خواجگان حضرت مولانا خان محمدؒ کی سوانح پر قلم اٹھانا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ مجھے اپنی کم علمی اور کم فہمی کا مکمل اعتراف ہے۔ حضرتؒ جیسی عظیم شخصیت پر لکھنے کے لیے جس علم و آگہی، مطالعے اور مشاہدے کی ضرورت ہے اس سے یہ فقیر تہی دامن ہے۔ یہ کسرِ نفسی نہیں حقیقت ہے۔

اللہ رب العزت کے حضور سر بہ سجود ہو کر گریہ وزاری کی کہ میرے ذہن میں حضرت باباجیؒ (حضرت خواجہ خان محمدؒ) کی جو یادیں، باتیں محفوظ ہیں انہیں کسی نہ کسی طور سپردِ قلم کر کے محفوظ کر دوں تاکہ کسی آبلہ پا کو مینارۂ نور مل جائے۔ آپؒ کی سوانح کے کسی ایک جملہ یا آپ کے ایک زریں قول سے کسی انسان کی باطنی دنیا روشن ہو گئی تو میں سمجھوں گا میری محنت رائیگاں نہیں گئی۔ ذہن میں محفوظ یادوں کو قلم بند کرنا شروع کیا تو وہ قریباً چار سو صفحات پر پھیل گئیں۔ صاحبزادہ عزیز احمد اور بشارت احمد سے مشورہ کیا، ان کے مشورے کی روشنی میں ملتان ڈاکٹر محمد عنایت اللہ اور مولانا حبیب الرحمٰن ہاشمی سے ملاقات کی۔ کمالِ شفقت سے انہوں نے سوانح لکھنے کے انداز، اُسلوب اور طرزِ نگارش کے ساتھ عنوان قائم کرنے اور موضوعات کے دروبست کی جانب نہ صرف راہنمائی کی بلکہ مکمل تعاون کیا، اور وہ صاحبزادہ عزیز احمد اور بھائی نجیب احمد کے ساتھ رابطے میں رہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف اور مولانا حبیب الرحمٰن ہاشمی صاحب نے راتیں آنکھوں میں کاٹ کر کمپوزر کو پابند رکھا اور ایک سال کی شبانہ روز محنت کے بعد کتاب تکمیل کو پہنچی۔ فقیر کی ہر سانس اُن کی شکر گزار ہے۔ یہ کتاب ان کی محنتوں کا ثمر ہے۔

حاصلِ عمر نثار سرِ یارے کردم
شادم ز زندگانی خویش کہ کارے کردم

سوانح کا نام ''ہمارے بابا جی رحمۃ اللہ علیہ'' صاحبزادہ عزیز احمد کا تجویز فرمودہ ہے۔

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اوّل میں اکابرین موسیٰ زئی شریف و خانقاہ سراجیہ کا تذکرہ ہے جس کا ماخذ ''تحفہ سعدیہ'' ہے۔ حصہ دوم میں حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ کے حالاتِ زندگی ہیں جن کا ماخذ مؤلف کی ذاتی معلومات، خاندان اور متعلقین سے گفتگو اور مختلف لوگوں کے وہ مضامین ہیں جو حضرت کی وفات پر مختلف کتابوں میں چھپے ہیں۔ ان کا حوالہ متعلقہ عبارات کے ساتھ دے دیا گیا ہے۔ مقدور بھر کوشش رہی کہ کوئی جملہ حدِ ادب سے ساقط ہو، نہ واقعات کی صحت مجروح ہو۔ اپنے باتمکین قارئین سے درخواست ہے کہ مطالعے کے دوران بیانیہ میں کسی واقعہ، قول، تاریخی روایت میں کہیں جھول یا کمی محسوس ہو تو اس کا تمام تر ذمہ دار ناچیز ہے۔ مطلع فرما کر مشکور فرمائیے۔ آپ کے شکریہ کے ساتھ اگلے ایڈیشن میں اس کی درستی کر دی جائے گی۔ ان شاء اللہ۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، ''جس نے بندے کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا۔''

لہٰذا ناچیز، صاحبزادہ عزیز احمد، صاحبزادہ خلیل احمد، نجیب احمد، بشارت احمد (حضرت بابا جیؒ کے بھانجے)، مولانا اللہ وسایا، ڈاکٹر محمد عنایت اللہ، حبیب الرحمٰن ہاشمی، حاجی محمد یعقوب، صفدر ملک اور محمد صدیق منہاس (کمپیوٹر کمپوزر) کا تہہ دل سے شکر گزار ہے جن کی معاونت، محبت اور توجہ سے یہ کتاب ''ہمارے بابا جی رحمۃ اللہ علیہ'' پایۂ تکمیل تک پہنچی، الحمد للہ۔

قارئین! ''ہمارے بابا جی رحمۃ اللہ علیہ'' اور آپ کے درمیان میں زیادہ دیر حائل نہیں رہنا چاہتا۔ آپ مطالعہ کیجیے اور اس ناچیز، جملہ متعلقین، معاونین کے ساتھ ساتھ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ و دیگر تمام سلاسل اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری امت کو دعاؤں میں یاد رکھیے۔

۲۷ر جمادی الاخریٰ / ۸ر مئی ۲۰۱۳ء

محمد حامد سراج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اکابرینِ سلسلۂ نقشبندیہ موسیٰ زئی شریف

''خانقاہِ سراجیہ'' درحقیقت خانقاہِ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی شریف کی ایک شاخِ ثمردار ہے جس کے گلِ سرسبد ہیں ہمارے حضرتِ خواجہ خان محمد صاحب قدس سرہٗ۔

کفرستانِ ہند میں اس شجرِ طیبہ (سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ) کی جڑ سیّد الطائفہ حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ نے لگائی۔ سرمایۂ ملت کے نگہبان حضرت مجدد الفِ ثانیؒ نے اپنے خونِ جگر سے اس کی آبیاری کی اور ایسے رجالِ کار تیار کیے جن کی کوششوں اور کاہشوں سے ظلمت کدۂ ہند کے تاریک سناٹے انوار میں تبدیل ہو گئے۔ بدعات ومنکرات کی گرم بازاری ماند پڑ گئی۔ توحید وسنت کے چرچے عام ہوئے۔ پاکستان کے مغربی علاقوں میں اس سلسلے کا پھیلاؤ خواجہ دوست محمد قندھاریؒ موسیٰ زئی شریف کے توسط سے ہوا۔ حضرتؒ کے حالات لکھنے سے پہلے خواجہ دوست محمد قندھاریؒ اور ان کے نامور خلفاء، اکابرینِ سلسلۂ نقشبندیہ کے مختصر حالات درج کیے جاتے ہیں جو کہ ''تحفہ سعدیہ'' سے ماخوذ ہیں۔

حضرت خواجہ دوست محمد قندھاریؒ

قصبہ درابن ڈیرہ اسماعیل خان سے جنوب کی جانب چالیس کلومیٹر کی مسافت پر ہے اور درابن سے مشرقی سمت دس کلومیٹر کی دوری پر خانقاہ موسیٰ زئی شریف ہے۔ وہاں حضرت خواجہ دوست محمد قندھاریؒ، حضرت خواجہ عثمان دامانیؒ اور حضرت خواجہ سراج الدینؒ آسودۂ خاک ہیں۔ ڈیرہ اسماعیل خان سے درابن تک لق و دق ویران چٹیل زمین ہے لیکن جیسے ہی خانقاہ موسیٰ زئی شریف کے آثار نظر آتے ہیں، منظر ایک نخلستان میں بدل جاتا ہے۔

خانقاہ موسیٰ زئی شریف کی مسجد کے ساتھ بزرگوں کے مزارات ہیں۔ وہاں میٹھے پانی کا ایک قدرتی چشمہ ہے، جس سے پانی ایک نالے کی صورت میں کھجور کے باغ کو سیراب کر رہا ہے۔ یہ حضرت خواجہ دوست محمد قندھاریؒ کی سرزمین ہے۔

حضرت حاجی صاحب قبلہ قدس سرہٗ ۱۲۱۶ھ میں قندھار کے قریب اپنے آبائی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ جب ہوش سنبھالا تو تحصیل علم کا شوق دامن گیر ہوا۔ سب سے پہلے قرآن مجید پڑھا اور اس کے بعد عربی و فارسی میں دینی علوم کا آغاز کیا۔ ظاہری علوم کی فراغت سے قبل ہی عرفانِ الٰہی کا جذبہ پیدا ہوا جو فطرت نے روزِ اول ہی سے آپ کی سرشت میں ودیعت کر رکھا تھا۔ چنانچہ حضرت والا اپنی خودنوشت میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

> ''ابتدائے عمر ہی سے فقیر کو اہل اللہ اور عارفانِ حق سے ایک خاص قسم کا انس رہا ہے۔ اگرچہ شروع میں ظاہری علوم کی مشغولی فقراء کے زمرہ میں شامل ہونے سے مانع تھی لیکن پھر بھی جب کسی بزرگ اور عارف باللہ کا علم ہوتا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے حق میں دُعا کی درخواست کیا کرتا تھا۔

کابل میں قیام کے دوران عجیب وغریب کشمکش سے گزر رہا تھا کہ ایک طرف میلانِ طبع اہل اللہ کی جانب تھا اور دوسری طرف تحصیل علم کا شوق پابندِ مدرسہ رکھنا چاہتا تھا۔ فقیر نے ابھی صرف ونحو کی چند کتابیں اور منطق کے بعض رسالے پڑھے تھے کہ درسی علوم سے طبیعت اُچاٹ ہوگئی۔ اسی اثنا میں ایک روز رات کے وقت میرے سینہ میں ایسا درد اٹھا کہ جس کی شدت سے بے ہوش ہوگیا۔ بے ہوشی کی یہ کیفیت، جیسا کہ دیکھنے والوں نے بعد میں بتایا، مسلسل تیرہ دن تک طاری رہی۔ پھر خود بخود ہوش آ گیا۔ اس وقت زبان پر بے ساختہ ''اللہ ہو'' اور ''سبحان اللہ'' کا وِرد جاری تھا۔ یہ ذکر گاہے آہستہ اور گاہے بآ وازِ بلند جاری رہتا تھا۔ لبوں پر کبھی نالہ ہائے جاں گداز ہوتے اور کبھی پُر درد آہیں۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس کیفیت کا باعث کیا ہے اور اس کا انجام کیا ہوگا؟ اس زمانہ میں پشاور کے مضافات میں کسی بزرگ کے بارے میں علم ہوا۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کی صحبت سے وہ ذوق وشوق جو ذکر کے جاری ہونے کے باعث مجھے نصیب ہوا تھا، یکسر ختم ہوگیا اور اس کی بجائے باطنی اضطراب و ہیجان پیدا ہوگیا۔ آخر کار اس بے چینی کے ہاتھوں تنگ آ کر یہ ارادہ کرلیا کہ جس طرح ممکن ہو بغداد شریف جا کر شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کے دربارِ اقدس میں حاضری دوں شاید وہاں اپنے درد کا مداوا حاصل کرسکوں۔ چنانچہ رختِ سفر باندھا اور بغداد شریف پہنچ کر حضرت غوث اعظمؒ کے مزار مبارک پر حاضر ہوا۔ فاتحہ پڑھی، دعائیں مانگیں لیکن وہ بے چینی اور اضطراب بدستور باقی رہا۔

چند روز بغداد شریف قیام کرنے کے بعد جب اس جانگداز کیفیت نے چین سے نہ بیٹھنے دیا تو بامر مجبوری وہاں سے کردستان کے شہر سلیمانیہ پہنچا۔

وہاں قیام کے دوران کسی شخص نے مجھے شیخ عبداللہ ہروی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بتایا کہ خطۂ ہرات میں ان کی بزرگی وولایت کی بہت شہرت ہے اوران کا تذکرہ زبان زدِخاص وعام ہے۔ میں فوراً سلیمانیہ سے چل کر ہرات پہنچا اور دوتین ماہ شیخ موصوف کی خدمت میں گزارے مگر اضطرابِ باطن روز بروز افزوں ہوتا چلا گیا۔ بالآخر حضرت شیخ عبداللہ ہروی نے میری زبوں حالی دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ تم حضرت شاہ ابوسعیدؒ صاحب کی خدمت میں دہلی چلے جاؤ وہاں تمہیں سکون نصیب ہوگا۔لیکن سفر دہلی کے بارے میں کچھ فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ اسی تذبذب کے عالم میں بار دیگر بغداد کا رُخ کیا اور شیخ محمد جدیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں کچھ دن قیام کے بعد بصرہ چلا گیا اور حضرت حسنؒ بصری کی خدمت میں مسلسل سات مہینے مقیم رہا۔

وہاں سے براہِ خشکی متعدد شہروں میں گھومتا پھرتا رہا۔ ہر جگہ، ہر شہر بزرگوں کی زیارت کی اوران سے طالبِ دُعا ہوا۔ آخر کار شہرِ قلات نصیر خان پہنچا۔ یہاں اس اضطراب انگیز کیفیت نے پھر جوش مارا۔ بارگاہِ الٰہی میں عجز و نیاز کے ساتھ گریہ زاری کی اور خشوع وخضوع کے ساتھ استخارے کیے جن کے نتیجہ میں متعدد بشارت آمیز خواب دیکھے اوراب مصمم ارادہ کرلیا کہ حضرت شاہ ابوسعیدؒ دہلوی کی خدمت میں باریاب ہوا جائے۔ براہِ بمبئی دہلی کے قصد سے روانہ ہوا۔ بمبئی پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحبؒ سفرِ حج کی نیت سے یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں اور جہاز کے انتظار میں شہرِ بمبئی ہی میں قیام پذیر ہیں۔ یہ خبر سن کر بے حد مسرت ہوئی۔ فوراً حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیعت کی درخواست کی جو حضرت والا نے قبول فرمالی۔ ایک دن موقع پا کر حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمتِ اقدس

میں تمام کیفیت از اوّل تا آخر بیان کی، جسے سن کر آپ نے فرمایا، تمہاری باطنی کشائش کے لیے وقت درکار ہے۔ میں حج پر جارہا ہوں اور روح کی تمام لطافتیں سرزمینِ حجاز کی طرف مرکوز ہیں لہٰذا اس قلبی اضطراب کی تسکین کے لیے دہلی جاکر میرے فرزند احمد سعید کی صحبت اختیار کرو اور ان سے کسبِ فیض کرتے رہو یا پھر بمبئی ٹھہر جاؤ اور میری واپسی کا انتظار کرو۔

میں نے پہلی شق کو ترجیح دی کہ دہلی جاکر حضرت شاہ احمد سعیدؒ صاحب کی خدمت میں رہنا ہی مناسب ہوگا۔ بمبئی ویسے بھی ایک ایسا شہر تھا جہاں کسی سے میری شناسائی نہ تھی اور موسم گرما کی شدت بھی ناقابل برداشت تھی۔ چنانچہ بمبئی سے دہلی کے لیے روانہ ہوگیا۔ سفر کے دوران ایک رات خواب دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب قبلہ تشریف فرما ہیں اور مجھ سے یوں مخاطب ہیں، ''یعنی تم ہمارے خلیفہ ہو۔'' علی الصبح بیدار ہوا تو دل نے دہلی کی طرف شدید کشش محسوس کی۔ الغرض دہلی پہنچ گیا۔ خانقاہ مظہریہ میں داخل ہوتے ہی شیخ طریقت امامی و مرشدی حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے روئے انور پر نظر پڑی اور آپ کی زیارت و برکت سے سابقہ تردّد و انتشار لمحہ بھر میں کافور ہوگیا۔ دل میں ایک انقلاب آچکا تھا۔ اب اضطراب راحت میں اور بے قراری سکون میں بدل چکی تھی۔

حضرت والا کے دستِ مبارک پر تجدیدِ بیعت کی۔ ایک سال دو ماہ اور پانچ روز آپ کی خدمتِ اقدس میں رہا۔ حضرت ممدوح نے اس قلیل مدت میں فقیر کو طریقہ نقشبندیہ، قادریہ اور چشتیہ کی نسبتوں سے سرفراز فرمایا اور ہر سہ سلاسل میں خرقہ خلافت عطا کیا۔''

آپ کی سوانح حیات میں یہ واقعہ صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ آپ کو اپنے شیخ حضرت شاہ احمد سعید قدس سرہٗ سے اس قدر والہانہ عقیدت تھی کہ شیخ کی جوتیاں اٹھا کر اپنے

سر پر رکھتے، انہیں آنکھوں سے لگاتے اور فرطِ رقت سے دیر تک روتے رہتے تھے۔

خاک روبوں کی کمی کسی شہر میں نہیں ہوا کرتی۔ یہاں بھی حضرت کے ہاں بیت الخلاء کی صفائی کے لیے خاکروب مقرر تھا۔ مگر دہلی میں اپنے قیام کے دوران حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ شیخ کے ذاتی بیت الخلاء کی صفائی خود اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے اور اسے اپنے لیے موجب افتخار و شرف سمجھتے تھے۔ سبحان اللہ! نیازمندی وانکساری کا یہ مقام کسے میسر آ سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ رابطۂ محبت ایک ایسی چیز ہے کہ وہ محبّ کو محبوب کی ذات میں فنا کر دیتی ہے۔ اس بے پناہ عقیدت کے پیشِ نظر شاہ صاحب قبلہ بھی حضرت حاجی صاحب کے ساتھ اپنی محبت کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا کرتے تھے: ''حاجی صاحب نے جو کچھ پایا ہے وہ انہیں میری محبت کے طفیل ملا ہے اور مجھے جو محبت ان کے ساتھ ہے متوسلینِ سلسلہ میں سے کسی اور کے ساتھ نہیں۔'' نیز حضرت شاہ احمد سعید صاحب قدس سرہٗ حضرت حاجی صاحب کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں مولانا خالد رُومیؒ ممتاز حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے طفیل سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کا فیضان کثرت کے ساتھ خلقِ خدا کو پہنچا۔ اسی طرح حضرت حاجی صاحب ولایت میں ایک عظیم الشان مقام پر فائز ہوں گے اور لاکھوں افراد اُن کے رشد و ہدایت سے بہرہ مند ہوں گے۔

قبلہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے جو تحریری اجازت نامہ بوقتِ رخصت حضرت حاجی صاحبؒ کو مرحمت فرمایا اس میں آپ کی شان میں جو مدحیہ کلمات استعمال فرمائے ہیں وہ ایک عارفِ کامل ہی اپنے باکمال جانشین کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

> ''حاجی صاحب (بفضلہٖ تعالیٰ) انوارِ الٰہیہ کے جامع اور بحرِ معرفت کے منبع ہیں۔ لہٰذا میں نے انہیں طریقہ کی کامل اجازت دے دی ہے۔''

جائے قیام کی وصیت

جب حاجی صاحب قبلہ شادکام اور فائز المرام ہو کر اپنے شیخ سے رخصت ہوئے

تو حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ نے جائے قیام کے انتخاب کے لیے یہ وصیت فرمائی کہ آپ ایسی جگہ قیام کریں جو پشتو اور پنجابی دونوں زبانوں کے سنگم پر واقع ہو۔ مراد یہ کہ اس کے ایک جانب آباد علاقہ میں پشتو اور دوسری جانب پنجابی بولی جاتی ہو۔ گویا شاہ صاحب قبلہ کی دور بیں نگاہ نے دیکھ لیا تھا کہ مریدِ رشید صاحبِ کمالات اور جامعِ صفات ہے۔ نیز اس کے انوارِ فیض خطۂ کابل وقندھار کے علاوہ پشتو اور پنجابی بولنے والے خطوں میں بھی پھیلیں گے لہٰذا اس کا مرکزی مقام ایسی جگہ ہونا چاہیے جہاں مختلف تہذیب وثقافت رکھنے والے لوگ بآسانی پہنچ سکیں۔ مرشدِ کامل کی پیشگوئی درست ثابت ہوئی، چنانچہ ہزارہا گم گشتگانِ طریق نے حاجی صاحبؒ قبلہ کے توسل سے ایمان ومعرفت کی دولت پائی۔

یہ بستی واقعی پشتو اور پنجابی زبانوں کا سنگم ہے۔ اس کے مغرب کی طرف تمام علاقوں کی زبان پشتو ہے اور مشرقی سمت تمام علاقوں کی زبان ہندکو ہے۔ خود موسیٰ زئی شریف میں ہندکو اور پشتو دونوں زبانیں بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔ حضرت حاجی صاحب قبلہ نے اس جگہ کو اپنے قیام کے لیے پسند فرمالیا۔

حضرت خواجہ محمد عثمان دامانیؒ

موسیٰ زئی شریف میں حضرت خواجہ دوست محمد قندھاریؒ کی لحد کے ساتھ حضرت خواجہ محمد عثمان دامانیؒ کی لحد مبارک ہے۔ کئی سال پہلے میں اکابرینِ خانقاہ موسیٰ زئی شریف کے مزارات پر حاضری کے لیے گیا۔ جون کی تپتی دوپہر تھی۔ میں سلام کرنے اور فاتحہ پڑھنے کے لیے احاطے میں داخل ہوا۔ ادب کی وجہ سے جوتی پہننا نامناسب لگا۔ تپتی اینٹوں کے فرش پر قدم رکھا۔ خیال تھا کہ پاؤں جلیں گے، شاید آبلے بھی پڑ جائیں۔ لیکن حیرت ہوئی جیسے کسی نے پاؤں کے نیچے ٹھنڈی چادر بچھا دی ہو۔ وقت مجھے یاد نہیں، آدھ یا پون گھنٹہ، نفوسِ قدسیہ کے توسط سے، اللہ کے حضور اشکبار آنکھوں سے دعا کرتا رہا۔ جب احاطے سے نکلا تو زمین کی تپش موجود تھی۔

آپؒ اپنے آبائی وطن موضع لونی میں ۱۲۴۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد ماجد بڑے عابد، زاہد اور جلیل القدر فقیہ تھے جو اپنے علاقہ میں فقیہِ لونی کے لقب سے معروف تھے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی۔ جب سنِ تمیز کو پہنچے اور والد ماجد کی تجویز کے مطابق وطن سے باہر دیگر مدارس میں تعلیم کے لیے بھیجا گیا تو تھوڑے ہی عرصہ میں آپ نے مبادیاتِ صرف ونحو پر عبور حاصل کر لیا اور متوسطاتِ نصاب تک پہنچ گئے۔ لیکن ابھی تحصیل علم سے فارغ نہ ہونے پائے تھے کہ جذبۂ حق آپ کو مدرسہ سے خانقاہ لے آیا، جس کا محرک یہ واقعہ ہے:

آپ کے بڑے بھائی اخوند محمد سعید صاحب موضع کھوئی میں اپنے ماموں مولانا نظام

الدین صاحب کے پاس پڑھتے تھے اور مولانا نظام الدین حضرت حاجی دوست محمد قندھاری قدس سرہٗ کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ ایک دفعہ آپ اپنے بھائی محمد سعید صاحب کے پاس ان کے ملبوسات لے کر موضع کھوئی بہاراں تشریف لے گئے۔ آپ کے ماموں مولانا نظام الدین نے ان سے دریافت کیا کہ ہمارے پیرومرشد حضرت حاجی صاحب کا قافلہ چودھوان کے قریب فروکش ہے، ان کے بارے میں تمہیں کچھ معلوم ہے؟ مقصد خیریت معلوم کرنا تھا۔ آپ نے جواب دیا کہ میں ان سے متعارف نہیں اور مجھے ان کے بارے میں علم نہیں کہ وہ کون بزرگ ہیں اور کس جگہ قیام فرما ہیں۔

کھوئی بہاراں سے جب واپس گھر جانے لگے تو ماموں صاحب نے ہدایت کی کہ تمہارے راستے میں چودھوان آئے گا اور اسی کے قریب حاجی صاحبؒ کا قافلہ قیام پذیر ہے۔ تم ان کی خدمت میں حاضر ہو کر میرا سلام عرض کرنا اور یہ پیغام دینا کہ حضور کے خدام، جو یہاں کھوئی بہاراں تشریف لائے ہوئے ہیں، کل خدمتِ اقدس میں حاضر ہو جائیں گے۔

حضرت خواجہ محمد عثمان رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب میں گھر واپس جاتے ہوئے چودھوان سے گزرا تو میں نے حضرت حاجی صاحب قبلہ کے قافلے کے بارے میں اہلِ قریہ سے پوچھا۔ معلوم ہوا کہ حضرت والا یہیں قیام فرما ہیں۔ خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر ماموں صاحب کا سلام پہنچایا۔ پھر وہاں سے رخصت ہو کر اپنے تعلیمی مشاغل میں مصروف ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد طلبِ الٰہی کے ذوق وشوق نے دل میں ایک تلاطم برپا کر دیا۔ ان ایام میں فقہ کی مشہور اور اہم کتاب ہدایہ پڑھ رہا تھا۔ مگر جذبہ طلب بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گیا کہ ہر وقت استغراق کی کیفیت طاری رہنے لگی۔ مطالعہ کر سکتا، نہ سبق پڑھ سکتا تھا۔ آخر جذبۂ حق کے ہاتھوں مجبور ہو کر استاد محترم کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے لیے اب مزید تعلیم جاری رکھنا مشکل ہو گیا ہے۔ محبتِ الٰہی کا غلبہ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے اور اب یہ عزم صمیم کر لیا کہ فی الحال سلسلۂ تعلیم کو ملتوی کرتے ہوئے کسی اہل اللہ کی خدمت میں حاضر

ہو کر بیعت کا شرف حاصل کروں شاید اس طرح غلبۂ حال اور جوشِ دروں کا مداوا ہو سکے۔

استادِ محترم یہ سن کر حیران ہوئے اور مشورہ دیا کہ ہدایہ کا جو تھوڑا سا آخری حصہ باقی رہ گیا ہے اس کی تکمیل کر لو پھر میں بھی تمہارے ہمراہ چلوں گا اور استاد شاگرد باہم کسی اہل اللہ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! ہدایہ ختم ہونے میں کافی دن لگ جائیں گے، میری طبیعت میں بے حد اضطراب ہے۔ کل صبح ہوتے ہی حضرت حاجی صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی درخواست کرنے کا میں نے پختہ عزم کر لیا ہے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے مزید فرمایا کہ استادِ محترم نے ہر چند روکنا چاہا لیکن جذبِ دل نے مجھے رکنے کی مہلت نہ دی۔ میں اگلے دن صبح سویرے اپنے مدرسہ سے روانہ ہو گیا اور سیدھا چودھوان پہنچا۔ اس وقت چودھوان سے دو میل جنوب کی طرف حضرت حاجی صاحبؒ کا قافلہ فروکش تھا۔ چنانچہ بروز جمعہ ۹ر جمادی الاخریٰ ۱۲۶۶ھ حضرت حاجی صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بوقتِ عصر بیعت کی درخواست کی۔ حضرت نے یہ فرماتے ہوئے انکار کیا کہ فقیری اختیار کرنا بڑا دشوار کام ہے۔ لیکن میں نے اصرار کیا کہ حضرت! میں تو فقیری کے حصول کے لیے تیار ہو کر آیا ہوں۔

مزید عرض کیا کہ میں جذبۂ دل کے ہاتھوں بے بس ہو کر ہر چیز سے قطع تعلق کرنے کے بعد آپ کی خدمت میں پہنچا ہوں۔ اس پر حضرت نے فرمایا، ''اچھا مغرب کی نماز کے بعد دیکھا جائے گا۔'' الحمدللہ تعالیٰ کہ آپ نے بعد نمازِ مغرب درخواست منظور کر لی اور فقیر کو اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کر لیا۔ اس وقت عجیب و غریب کیفیات وارد ہوئیں۔ صرف نحو، علم عقائد، فقہ، اصول فقہ اور تفسیر و حدیث کی جو کتابیں میں نے پڑھی تھیں، اگرچہ یاد تھیں اور ان کے نقوش ذہن میں محفوظ تھے لیکن نگاہ ان کے ظواہر سے آگے نہ جا سکتی تھی۔ اس لیے حضرت حاجی صاحبؒ نے از راہ مرحمت فقیر کو دوبارہ تفسیر و حدیث اور کتبِ تصوف کا درس دینا شروع کر دیا۔ گویا یوں سلسلۂ تعلیم جو معرض التواء میں پڑ گیا تھا، اسے نہ صرف تازہ کر دیا بلکہ علم ظاہر کے ساتھ اس کے تمام باطنی حقائق و معارف بھی مجھ پر آشکارا فرما

دیے۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحب قبلہ سے مندرجہ ذیل کتابیں بڑی تحقیق و توجہ سے پڑھیں۔ مشکوٰۃ شریف، صحاح ستہ یعنی بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ، علم اخلاق احیاء العلوم کامل، علم تفسیر میں بغوی کامل اور علم تصوف میں مکتوبات مجددیہ ہر سہ دفتر اور مکتوبات معصومیہ ہر سہ دفتر۔ ان کے علاوہ حضرت نے تصوف کے متعدد رسائل اور کتب اپنی خاص توجہ سے فقیر کو پڑھائیں۔ بحمد اللہ! حضرت والا کی عنایت سے روح علمی استدلال سے گزر کر عرفان وایقان کے درجہ پر پہنچ گئی۔ درسِ مشکوٰۃ کی نوبت جب کتاب البیوع پر پہنچی تو حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ملا عثمان! کتاب البیوع بھی پڑھو گے؟ میں نے عرض کیا، حضرت! میرے پاس کوئی نقد مال یا جائیداد نہیں، بظاہر مجھے تو بیع وشریٰ (خرید وفروخت) کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ فرمایا خوب! نہ میرے پاس متاعِ دنیا، نہ تمہارے پاس کہ ہمیں لوگوں سے خرید وفروخت اور لین دین کی نوبت آئے۔ پھر یہ شعر پڑھا:

علم کثیر آمد و عمرت قصیر
آنچہ ضروری ست بداں شغل گیر

ترجمہ: علم تو بہت زیادہ ہے اور تمہاری عمر تھوڑی ہے۔ لہٰذا علمِ ضروری میں مشغول ہو جاؤ۔

چنانچہ کتاب البیوع چھوڑ کر کتاب الآداب شروع کرادی۔

حضرت خواجہ محمد عثمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک روز کچھ مدت کے بعد حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے دریافت فرمایا۔ کیوں ملا عثمان! تمہیں وہ دن یاد ہے جب تم اپنے ماموں مولانا نظام الدین کا سلام و پیام پہنچانے کے لیے میرے پاس آئے تھے۔ عرض کیا، حضور! خوب یاد ہے۔ یہ واقعہ یاد دلا کر حضرت حاجی صاحب قبلہ نے فرمایا کہ ہم نے اسی روز تمہاری پیشانی میں نسبتِ نقشبندیہ کا نور مشاہدہ کر لیا تھا اور ہمیں یقین تھا کہ تم ضرور اکابرِ نقشبندیہ رحمہ اللہ کی نسبتِ عالیہ سے بہرہ ور ہو گے۔ لیکن کافی دن گزر گئے اور تم نہ

آئے تو گمان ہونے لگا کہ شاید ہمارے کشف اور وجدان میں خطا واقع ہوگئی ہے۔ جب تم یہاں پہنچ گئے تو ہمارے اس کشف کی صداقت ظاہر ہوگئی۔

حضرت خواجہ محمد عثمانؒ بیعت کے بعد حضرت حاجی صاحب قبلہ سے ایسے وابستہ ہوئے کہ سفر و حضر میں ہمیشہ ساتھ رہے یہاں تک کہ جب ۱۲۸۴ھ میں حضرت حاجی صاحبؒ کا وصال ہوا تو جو مدت آپ نے شیخ کی خدمت میں گزاری وہ اٹھارہ سال، چار ماہ اور تیرہ روز تھی۔

وہ رابطۂ محبت جو شیخ و مرید کے درمیان استوار ہو چکا تھا اس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ایک دوسرے سے زندگی بھر جدا نہ ہوں۔ حضرت خواجہ محمد عثمانؒ نے جس خلوص اور وفا شعاری سے حضرت حاجی صاحب کی صحبت میں رہ کر ہر قسم کی خدمات سرانجام دیں اس میں آپ کا کوئی سہیم و شریک نظر نہیں آتا۔ دوسری طرف هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ کے بموجب حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کی جانب سے جو محبت، انس اور شفقت آپ کے شاملِ حال رہی اس نے آپ کو تمام ارادتمندوں میں ایک امتیازی مقام عطا کر دیا تھا۔ جب مرید شیخ کی ذات پر ہر چیز کو نثار کر دیتا ہے تو یہ جذبۂ ایثار ایک لافانی رابطے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ مرید شیخ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہونا احترام کے منافی سمجھتا ہے اور شیخ بھی یہ گوارا نہیں کرتا کہ مرید کا غیر کی طرف متوجہ ہونا اسے اخلاص عمل سے محروم کر دے۔

مستند روایات سے منقول ہے کہ جس زمانہ میں حضرت خواجہ محمد عثمانؒ درسی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مقامات سلوک کے حصول میں ہمہ تن مشغول تھے، ایک دن حضرت حاجی صاحب قبلہ، جو کبھی کبھی درویشوں کے حجروں کا معائنہ کیا کرتے تھے، خواجہ محمد عثمان کے حجرہ میں تشریف لائے۔ اس وقت آپ حجرہ میں موجود نہ تھے۔ مگر وہاں دو کتابیں رکھی تھیں۔ حضرت نے شریک حجرہ سے دریافت کیا کہ یہ کتابیں کس کی ہیں؟ اس نے بتایا کہ ملا محمد عثمان کی ہیں۔ یہ سن کر حاجی صاحب قبلہ نے فرمایا:

''اچھا ملا عثمان کا میں بھی ہوں اور کتابیں بھی۔''

سبحان اللہ! کسی نے کیا خوب کہا ہے:

من تو شدم، تو من شدی، من تن شدم، تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم، تو دیگری

ترجمہ: میں تُو ہو جاؤں، تُو میں ہو جائے۔ میں تن بن جاؤں تُو روح بن جائے تاکہ اس کے بعد پھر کوئی یہ نہ کہے کہ تُو کوئی اور ہے اور میں کوئی اور۔

حاجی صاحبؒ کے اس باطنی جوشِ غیرت کے نتیجہ میں آپ کی نسبت مستور ہو گئی اب جو خواجہ محمد عثمان اپنے باطن کی طرف دیکھتے ہیں تو خود کو نسبت سے خالی پاتے ہیں۔ اس کی وجہ معلوم ہو گئی مگر حضرت کے جلال و ہیبت کے سامنے یہ جرأت کہاں کہ عذر و معذرت کر سکیں۔ تسلیم و رضا کا طریق اختیار کرتے ہوئے تمام فرائض و خدمت کی بجا آوری میں حسبِ سابق آمادہ و مستعد رہے۔ اور اسی حالت میں ایک طویل مدت گزر گئی۔ معمولات کی پابندی برقرار، خدمات کی بجا آوری بدستور، مگر دل حسرت و یاس کا مرقع بنا ہوا تھا۔ بیم و امید کی یہ حالت جس پر گزرتی ہے، وہی جانتا ہے۔ تاہم آپ نے اس غم کو سینے میں پنہاں رکھتے ہوئے کسی سے اس کا اظہار نہ فرمایا۔

قضارا ایک روز نمازِ تہجد کے بعد بوقتِ سحر بے اختیار چیخ نکل گئی۔ شریکِ حجرہ درویش نے ہر چند اس راز سے پردہ اٹھانے کی درخواست کی مگر حضرت خواجہؒ نے اس کا اخفا ہی مناسب سمجھا۔ جب اس نے بے حد اصرار کیا تو بامرِ مجبوری کنایتہً اسے حقیقت حال سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت قبلہ نے جو نعمت مجھے عطا کی تھی، وہ مجھ سے چھن گئی ہے۔ مدت مدید تک ضبط کیا مگر آج حسرت و ندامت کا یہ احساس بے اختیار آہ بن کر لبوں پر آ گیا۔

یہ سن کر ساتھی کے دل کو بہت صدمہ پہنچا۔ اس کا خیال تھا کہ آپ تمام مقاماتِ سلوک طے کر چکے ہوں گے۔ خواجہ صاحبؒ کی آہِ دلسوز نے اس میں جذبہ غمگساری پیدا کر

دیا۔ آخر ایک دن اس نے مناسب موقع پا کر حضرت حاجی صاحب قبلہ سے اپنے ساتھی (ملا محمد عثمان) کی سفارش کر دی کہ حضرت! ان کے حال پر بھی نظرِ کرم ہو جائے۔ یہ سن کر حضرت حاجی صاحب کے چہرۂ مبارک پر جلال کے آثار نمودار ہو گئے۔ فرمایا کہ تم میرے اور ملا عثمان کے درمیان حائل ہونے والے کون ہو؟ میں جانوں اور ملا عثمان، تمہیں اس سے کیا سروکار؟

اسی بنا پر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ فنا فی الشیخ حقیقت میں فنا فی اللہ کا مقدمہ ہے۔ شیخ و مرید میں جب تک ایک عظیم اور مستحکم روحانی رابطہ نہ ہو، بارگاہِ قرب میں رسائی ناممکن ہے۔

حضرت خواجہ محمد عثمانؒ نے حضرت حاجی صاحب قبلہ کی خدمت میں رہتے ہوئے جہاں سلوک کے مراحل و منازل طے فرمائے وہاں عظمتِ شیخ کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ محیر العقول خدمات انجام دی ہیں کہ باید و شاید کوئی خوش قسمت ارادتمند ہی اس دشوار منزل کو طے کر سکتا ہے جس پر آپ بڑی استقامت سے گامزن رہے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے اس وادی کو حیرت انگیز مستعدی اور جاں نثاری کے ساتھ عبور کیا۔

ایک بار حاجی صاحبؒ قبلہ نے اہلیہ محترمہ کی علالت کے سلسلہ میں خواجہ محمد عثمانؒ سے فرمایا کہ ڈیرہ اسماعیل خان میں فلاں حکیم صاحب کو کیفیاتِ مرض بتا کر ان سے دوا لے آؤ۔ اگرچہ اس وقت دن بہت تھوڑا باقی تھا اور شب کی آمد قریب تھی، راستہ ناہموار اور دشوار گزار تھا، نیز پیدل سفر سے ڈیرہ تک کا فاصلہ ۳۲ میل تھا۔ بایں ہمہ آپ ارشادِ گرامی سنتے ہی فوراً سفر پر روانہ ہو گئے۔ تمام رات چلتے رہے، صبح کو ڈیرہ پہنچے۔ حکیم صاحب سے ملے اور دوا لے کر اسی وقت واپس چل پڑے۔ اُدھر آپ راستہ کی صعوبتوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے موسیٰ زئی شریف کی طرف جادہ پیما تھے، اِدھر حاجی صاحبؒ روحانی طور پر آپ کی طرف متوجہ تھے اور فرما رہے تھے، ہائے! میں نے ملا عثمان کو ہلاک کر دیا، نہ معلوم اس پر راستہ میں کیا کیا افتاد پڑی ہوگی۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ حضرت خواجہ محمد عثمان صاحبؒ

تشریف لے آئے۔

اس طرح چونسٹھ میل کی کٹھن منزلیں پیدل طے کرنے کے بعد بھی آپ تازہ دم نظر آتے تھے— تکان کا احساس تھا، نہ اضمحلال کا اثر۔

دوسری طرف ایک معمولی خدمت ملاحظہ فرمائیے کہ وہ کس طرح خدمات جلیلہ پر فوقیت لے جاتی ہے۔ حضرت حاجی صاحب قبلہ خانقاہ میں شب کو آرام فرماتے تھے اور خواجہ محمد عثمان آپ کے خادم خاص ایک گوشہ میں دیا سلائی کی ڈبیہ ہاتھ میں لیے ذکر و مراقبہ میں مشغول بیٹھے تھے۔ اس خیال سے لیٹے اور نہ سوئے کہ نہ معلوم کس وقت حضرت شیخ بیدار ہوں اور خدمت کے لیے آواز دیں۔ بوقتِ تہجد حاجی صاحبؒ بیدار ہوئے اور ملا عثمان کہہ کر پکارا۔ آپ نے جی حضور کہنے کے ساتھ ہی دیا سلائی جلا کر چراغ روشن کر دیا۔ حاجی صاحب قبلہ بہت مسرور ہوئے اور خدمت گزاری میں یہ سرگرمی و مستعدی دیکھ کر فرمایا:

''ملا عثمان! تم نے بڑی اہم اور صبر آزما خدمات انجام دی ہیں مگر تمہاری یہ خدمت سب پر فوقیت لے گئی۔''

حضرت حاجی صاحب کی طرف سے رضا و خوشنودی کے اس اظہار نے حضرت خواجہ محمد عثمان کو جو کیفِ روحانی اور سرورِ جاودانی عطا کیا ہوگا وہ کچھ انہی کا دل جانتا ہوگا۔ خوشنودی کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب قبلہ نے آج اپنے عطا و کرم کا معاملہ انتہا کو پہنچا دیا ہوگا۔

غرض خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ شیخ کے ساتھ اپنی والہانہ محبت، خدمت اور جذبہ ایثار و قربانی کی بدولت نہ صرف طریق نقشبندیہ بلکہ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، کبرویہ، قلندریہ، شطاریہ اور مداریہ میں بھی خلیفہ مجاز قرار دیے گئے اور شرفِ ضمنیت سے سرفراز ہوئے۔

چونکہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے خلفاء میں حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ خلیفہ اعظم تھے اور کمال و تکمیل کے منصب جلیل پر فائز تھے، اس لیے حاجی صاحبؒ قبلہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں آپ کو اپنا جانشین نامزد فرمایا اور اپنی زیر نگرانی متعدد

خانقاہوں کا انتظام وانصرام بھی آپ کے حوالے کر دیا، جن میں موسیٰ زئی شریف اور خراسان کی خانقاہوں کے علاوہ خانقاہ مظہریہ دہلی بھی شامل تھی جو شاہ احمد سعید صاحب قدس سرہٗ بوقت ہجرت آپ کے حوالے کر گئے تھے۔

۱۲۸۷ھ میں حضرت حاجی صاحب قبلہ کے وصال کے بعد آپ مستقل طور پر عالی ہمتی اور بلند حوصلگی کے ساتھ تمام خدماتِ مفوض انجام دینے لگے اور تقریباً تیس سال تک سلسلہ عالیہ کی اشاعت وتبلیغ میں مشغول رہے اور ایک عالم کو اپنے فیوض وبرکات سے مالا مال فرمایا۔

حضرت خواجہ سراج الدینؒ

خانقاہ موسیٰ زئی شریف کے ساتھ خانقاہ سراجیہ کی سانسیں بندھی ہوئی ہیں۔ جب ہم نے شعور کی آنکھ کھولی ہم نے اپنے گھرانے کو اکابرینِ موسیٰ شریف کی تکریم واحترام میں مشغول پایا۔ بابا جی قبلہؒ کو دیکھا کہ آپ خانقاہ موسیٰ زئی شریف سے آنے والے ہر فرد کی بے پناہ عزت کرتے تھے۔ موسیٰ زئی شریف سے ایک صاحب کئی سال باقاعدگی سے رمضان خانقاہ شریف میں گزارتے رہے۔ ہمارے بابا جیؒ ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ بابا جیؒ کی زندگی میں حضرت خواجہ سراج الدینؒ کے گھرانے کا کوئی فرد رمضان المبارک میں تشریف لاتا تو آپؒ انہیں افطاری میں اپنے ساتھ بٹھاتے۔ ان کے آرام اور کھانے کے بارے میں تاکید فرماتے۔

ایک بار موسیٰ زئی شریف سے صاحبزادہ حضرت نعمان صاحبؒ تشریف لائے۔ بابا جیؒ نے تکریم کی حد کردی۔ ان کے سامنے دوزانو بیٹھے رہے۔ مکمل حال احوال، خیریت دریافت کی۔ جب معلوم ہوا کہ ساتھ مستورات بھی تشریف لائی ہیں تو بابا جیؒ گھر تشریف لائے اور اپنے گھر کی خواتین کو بلا کر ہدایت کی کہ خدمت میں کسی قسم کی کمی نہ رہے۔ اور رخصت کے وقت ان کو باوقار طریقے سے رخصت کیا جائے۔ کپڑوں کے اعلیٰ اور نفیس جوڑوں کے ساتھ نقد رقم ان کی خدمت میں ہدیۃً پیش کرنے کی ہدایت کی۔

ہماری خانقاہ سراجیہ حضرت خواجہ سراج الدینؒ کے اسمِ گرامی سے موسوم ہے۔ حضرت خواجہ محمد سراج الدین رحمہ اللہ حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ کے فرزند گرامی، خلیفۂ اعظم اور جانشین ہیں۔ ولادتِ باسعادت بروز دوشنبہ بوقتِ اشراق ۱۵ محرم الحرام ۱۲۹۰ھ

میں ہوئی۔

تعلیم

قرآن مجید اخوند ملا شاہ محمد بابڑ ساکن چودھوان سے پڑھا۔ فارسی میں نظم و نثر کی متداول کتابیں، عربی میں صرف ونحو، منطق وعقائد اور علم تجوید وقرأت کے رسائل، فقہ میں کنزالدقائق، شرح وقایہ اوّلین اور ہدایہ اخیرین، اصولِ فقہ میں نورالانوار اور چند جزو حسامی، تفسیر میں جلالین، حدیث میں مشکوٰۃ شریف نصف اول، ابنِ ماجہ نصفِ اوّل حضرت مولانا محمود شیرازی رحمہ اللہ سے پڑھیں اور بقیہ کتب یعنی حسامی کامل، شرح وقایہ جلدین اخیرین، ہدایہ اوّلین، تفسیر مدارک، تنقیح اصول بزدوی اور معانی میں تلخیص المفتاح، ترجمہ قرآن مجید، مشکوٰۃ شریف نصف آخر اور صحاح ستہ مولانا حسین علی صاحبؒ ساکن واں بھچراں، ضلع میانوالی سے پڑھیں۔ تصوف میں مکتوبات امام ربانی ہرسہ دفتر و مکتوبات معصومیہ ہرسہ دفتر اپنے والد ماجد حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ سے پڑھے۔

جب حضرت خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ عربی وفارسی کی متداول کتب، علوم معقول ومنقول اور کسب مقامات طریقت سے ۱۳۱۱ھ میں فارغ ہوگئے تو حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ نے اپنے فرزند ارجمند کو چودہ سال کی عمر میں تمام سلاسل طریقت میں اجازت مطلقہ عطا فرمائی اور سند اجازت تحریر کرنے کے بعد آپ کو اپنا جانشین نامزد فرمادیا۔

۷؍ربیع الاوّل ۱۳۱۴ھ کو والد بزرگوار نے اپنی موجودگی میں صاحبزادہ والاشان کو امامتِ نماز، ختم خواجگان اور ذکر ومراقبہ کے سلسلہ میں اپنا نائب بنا کر حضرت خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ کی جانشینی کا اعلان واظہار فرمایا۔ آپ نے یہ فرائض منصبی احسن طریق پر انجام دینا شروع کیے اور آپ کے فیضانِ صحبت سے طالبانِ حق تاثیراتِ فائقہ اور مقاماتِ عالیہ سے بہرہ مند ہوئے۔

حضرتؒ والا نے خود بھی مقاماتِ عالیہ مجددیہ میں وہ عروج حاصل کیا کہ اس پر مشائخِ وقت رشک کرتے تھے۔ آپ نے اپنے متوسلین کو بھی ان مقاماتِ بلند پر پہنچایا کہ وہ خواب

وخیال میں بھی ان کا تصور نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ طلبگارانِ حق اور فدا کارانِ سنتِ مصطفوی (عَلٰی صَاحِبِهَا وَالتَّحِيَّةِ وَالتَّسْلِيم) قندھار، کابل، بخارا، ترکستان اور بلادِ اسلامیہ سے معرفتِ الٰہی کے حصول کے لیے حضرت کی خدمت میں آتے تھے اور سلسلہ عالیہ کی نسبت اور کمالات حاصل کرتے تھے۔ آپ نے بھی جس خلوص، ہمدردی اور جاں سوزی سے ان کی تربیت فرمائی اور انہیں اصلاح ظاہر و باطن سے نوازا اُس کی نظیر شاید ہی چشم فلک نے کہیں دیکھی ہو۔ حضرت کو عربی، فارسی اور دیگر علوم دینیہ پر کافی عبور تھا۔ نیز آپ کو اعلیٰ درجہ کی علمی و ادبی کتابوں کا بہت شوق تھا۔ لٰہذا بلادِ اسلامیہ سے آنے والے حضرات اکثر و بیشتر اپنے ہمراہ مختلف اسلامی مطبوعات اور نادر کتب لاتے تھے۔ چنانچہ بلا مبالغہ موسیٰ زئی شریف میں آپ کا کتب خانہ نوادرِ علمی کا ایک بیش بہا خزانہ تھا۔ آپ کے وصال کے بعد کتاب خانہ کی وہ ہیئت وعظمت نہ رہی تاہم اس میں اسلامی تہذیب وثقافت، علم وادب، تصوف اور دیگر موضوعات پر ہنوز کافی کتابیں موجود ہیں۔

حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ نے جب مسند ارشاد سنبھالی تو آپ کی عمر مبارک سترہ سال سے کچھ متجاوز تھی۔ اور پھر بعد ازاں آپ نے سینکڑوں متوسلین کو مقاماتِ سلوک بھی طے کرائے۔ عالم تصوف میں ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں کہ اس قدر نوعمری میں کسی شخص کو ولایت کی بلند منازل پر رسائی نصیب ہو جائے۔ لٰہذا معارفِ سلوک کا مطالعہ کرنے والے عام قاری کے ذہن میں یہ سوال ضرور اُبھرتا ہے کہ آیا عرفانِ الٰہی کے حصول میں ریاضت ومجاہدہ کی احتیاج ہے یا اس کے بغیر بھی تزکیۂ باطن میسر آ سکتا ہے؟ اس سلسلہ میں یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ ریاضت ومجاہدہ اس بنا پر ناگزیر ہے کہ اس سے تہذیبِ نفس ہوتی ہے، قلب ہوا وہوس کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور معرفت الٰہی کے حصول کے لیے راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ اولیاء اللہ ریاضت ومجاہدہ کرنے والی جماعت پر مشتمل ہیں۔ سالک کی فطرت میں پاکیزگی، اہلیت اور استعداد کا جوہر موجود ہو تو ریاضت اس جوہر کو کندن بنا دیتی ہے۔ جہاں فطرت میں لطافت اور استعداد کا فقدان ہوگا

وہاں ریاضت بالکل اثر انداز نہ ہو گی۔

دوسری صورت میں یہ ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بے پایاں الطاف اور اس کی لامحدود عنایات ریاضت سے وابستہ نہیں بلکہ اس کے فضل و کرم پر موقوف ہیں۔ اس کے انعام و اکرام کی راہیں جدا ہیں۔ وہ جب چاہے، جسے چاہے نواز دے۔ وقت اور فاصلہ کے اصول زمان و مکان میں بسنے والوں کے لیے ہیں۔ ذات لم یزل ان سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس پر نص قرآنی کی شہادت کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فعل کے بارے میں پرسش نہیں ہو سکتی۔ سوال لوگوں ہی سے کیا جائے گا۔

لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم بندے کے شاملِ حال ہو جاتا ہے اور تجلیٔ ربانی قلبِ انسانی پر اپنا پرتو ڈالتی ہے تو تمام رکاوٹیں اور حائل قوتیں اس کی منیاریزی سے پاش پاش ہو جاتی ہیں اور دل معرفتِ الٰہی کی جلوہ گاہ بن جاتا ہے۔

صورتِ مسئلہ کو مزید سلجھانے کے لیے ہمیں اس دور کا تجزیہ کرنا پڑے گا جو حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کی مسند نشینی سے پہلے کا ہے۔ اللہ رب العزت نے آپ کو فطرت پاکیزہ، اہلیت و استعداد اور اخلاقی عظمتوں سے نوازا تھا، پھر جس ماحول میں آپ نے سترہ برس گزارے وہ ماحول بھی قرآن و سنت کے اتباع کا ایک درخشندہ نمونہ تھا۔ اس کا ذرہ ذرہ اور گوشہ گوشہ ذکر الٰہی سے منور تھا اور یہ فضا نفسانی خواہشات اور تمام تکدرات سے منزہ تھی۔ ایسی پاکیزہ فضا نے حضرت خواجہؒ کے باطن کی نقش نگاری کی تھی۔ بلاشبہ آپ جس مقام پر فائز ہوئے وہ روزِ ازل سے آپ ہی کا مقدر تھا۔

اس سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد قولِ فیصل کا حکم رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ امروز حصول ایں دولتِ عظمیٰ وابستہ بتوجہ و اخلاص بایں طبقہ علیہ نقشبندیہ است بریاضتِ شاقہ و مجاہدات شدیدہ آں میسر نگردد کہ بیک صحبتِ ایشاں حصول یابد۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ فرمایا کرتے تھے کہ سلسلہ

عالیہ نقشبندیہ میں تین ہستیاں ایسی گزری ہیں جو عظمت و وقار اور شان و شوکت میں بے مثال تھیں۔ ان میں سب سے پہلے حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کا نام نامی آتا ہے کہ امرائے وقت اور وزرائے عہد سب کے سب آپ کے نیاز مند تھے اور اہلِ ثروت آپ کے جاہ و جلال سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ان کا ایک ملفوظ یوں نقل کیا ہے کہ اگر من شیخی کنم، ہیچ شیخے در عالم مرید نہ یابد، اما مرا کار دیگر فرمودہ اند و آں ترویجِ شریعت و تائید ملت است۔

ترجمہ: اگر میں پیری مریدی کرتا، کسی شیخ کو دنیا میں کوئی مرید نہ ملتا۔ مگر مجھے کسی اور کام کا حکم دیا گیا ہے، وہ ہے شریعت کو رواج دینا اور مذہبِ اسلام کی تائید کرنا۔

دوسرے حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ تھے جو قیوم زماں حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے صاحبزادے اور سجادہ نشین تھے۔ شاہ اورنگزیب عالمگیر آپ کے زیر تربیت رہے۔ خط و کتابت بھی اکثر جاری رہتی تھی۔ چنانچہ مکتوبات سیفیہ میں اورنگزیب کے نام آپ کے متعدد مکاتیب موجود ہیں۔ آپ کی کرم گستری اور فیض رسانی زباں زدِ خلائق تھی۔ آپ کے مریدوں اور خلفاء کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔

تیسری عظیم الشان ہستی خواجہ سراج الدینؒ سجادہ نشین موسیٰ زئی شریف کی تھی۔ آپ کے آستانۂ عالیہ پر تین سو سے چار سو تک متوسلین و ارادت مند اکثر موجود رہتے تھے۔ شاہانہ طور پر تقسیم لنگر، داد دِہش اور عطا و نوال کا بازار گرم رہتا تھا۔ تمام مہمانوں کو خورد و نوش کا سامان وافر مہیا کیا جاتا تھا۔ بایں ہمہ آپ بے غرض اور بے نفس تھے۔ عقیدت مندوں کی یہ تعداد سفر و حضر دونوں صورتوں میں یکساں رہتی تھی۔ قافلے کی شکل میں روانہ ہوتے جس میں اکثر و بیشتر شتر سوار بھی ہوتے تھے۔ کسی اہل دنیا کی دعوت قبول نہ فرماتے۔ دورانِ سفر تمام انتظام حضرت خواجہؒ کا ذاتی ہوتا تھا۔ ''اور جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرے پس وہ اس کے لیے کافی ہے۔''

چنانچہ آپ کے زمانہ میں ہر خاص و عام کی زبان پر یہ گفتگو رہتی تھی کہ اگر حضرت

خواجہؒ چند سال مزید زندہ رہے تو کوئی شیخِ طریقت ان کے عہد میں مسند آرائی نہ کر سکے گا۔

موسم گرما میں حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ قندھار تشریف لے جاتے تو حضرت خواجہ محمد عثمانؒ اور خواجہ سراج الدینؒ بھی آپ کے ساتھ شریکِ سفر ہوا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں پاسپورٹ وغیرہ کے پیچیدہ مسائل پیدا ہو گئے۔ دونوں حکومتوں نے حسبِ سابق داخلے پر پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ اس کے پیش نظر حضرت خواجہ سراج الدینؒ اکثر تین چار سو عقیدت مندوں کی معیت میں ایبٹ آباد تشریف لے جاتے۔ وہاں بڑے وقار و تمکنت کے ساتھ موسمِ گرما ایک ریسٹ ہاؤس میں گزارتے، جسے آپ کرایہ پر لے لیتے تھے۔ ایک مرتبہ جب آپ ایبٹ آباد تشریف لے گئے تو کسی شخص نے وہاں کے انگریز ڈی سی کے پاس مخبری کی کہ ریسٹ ہاؤس میں فقیروں کی ایک جماعت مدت مدید سے مقیم ہے۔ ان کے مصارف کلی طور پر ذاتی ہیں پھر وہ کسی کی دعوت بھی قبول نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں شہر کے افسر مجاز کو ان حضرات کے مصارف اور ذرائع آمدنی کے بارے میں تحقیق و تفتیش کرنی چاہیے۔ چنانچہ ڈی سی بذاتِ خود حضرتِ اقدسؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعوت کی پیشکش کی۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا، آپ کی دعوت اس شرط پر قبول کی جا سکتی ہے کہ جب تک ہم یہاں قیام کریں، ہر روز صبح و شام کا کھانا آپ ہماری طرف سے بھی قبول کریں گے۔ یہ کھانا حسب منشا آپ کی رہائش گاہ پر ہماری طرف سے پہنچ جایا کرے گا۔ یہ سننے کے بعد انگریز افسر بھونچکا سا رہ گیا اور ندامت و خجالت کے ساتھ اٹھ کر چلا آیا۔

جن ایام میں آپ ایبٹ آباد قیام پذیر تھے ایک فوجی افسر نے ہدیہ کے طور پر پھلوں کی ایک ٹوکری خدمتِ اقدس میں پیش کی۔ آپ نے اسے قبول فرمایا۔ پھر اس کے بعد یہ التزام کیا کہ ہر روز عمدہ پھلوں کی ایک ٹوکری اس فوجی افسر کے گھر بھیج دیا کرتے تھے۔ چند روز کے بعد فوجی افسر نے عجز و نیاز کے ساتھ یہ عرض کی کہ حضور! آپ میرے لیے یہ زحمت نہ فرمایا کریں۔

حضرت خواجہ سراج الدینؒ فرمایا کرتے تھے کہ فقیر اپنے والد صاحب سے کچھ حاصل

نہیں کر سکا البتہ ان کے فیضانِ صحبت سے میرا دل دینوی امور کے بارے میں کبھی مشوش نہیں ہوا اور ساتھ ہی قلب سے محبتِ دنیا کلی طور پر نکل گئی ہے۔ اس خیال سے کبھی تردّد نہیں ہوا کہ اس قدر سیکڑوں کی تعداد میں آنے والے عقیدت مندوں کا انتظام اور ان کے اسبابِ خورد و نوش کہاں سے میسر آئیں گے۔ بس ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کے بعد وہ طمانیتِ قلب نصیب ہوئی جسے حادثاتِ روزگار کبھی زائل نہیں کر سکتے۔

کار سازِ ما، بفکرِ کارِ ما فکر ما درکارِ ما، آزارِ ما

ترجمہ: ہمارا کارساز ہمارے کاموں کی فکر میں ہے۔ اپنے کاموں کی خود فکر کرنا ہمارے لیے باعثِ تکلیف ہے۔

بانی خانقاہ سراجیہ
حضرت سیّدنا و مولانا ابوالسعد احمد خان صاحب قدس سرہٗ

احوالِ خاندان

حضرت والا کا اسم احمد خان اور کنیت ابوالسعد ہے۔

سلسلۂ نسب یوں ہے: احمد خان بن ملک مستی خان بن ملک غلام محمد بن ملک فتح محمد۔ قوم راجپوت تلوکر، پیشہ زمین داری۔ والد ماجد ملک مستی خان تین بھائی تھے: ملک مستی خانؒ، ملک ہستی خانؒ، ملک مرزا خانؒ۔

تینوں بھائیوں کی اولاد اور نسل تین خیلوں کے نام سے مشہور ہوئی؛ مستی خیل، ہستی خیل اور مرزا خیل۔ مستی خیل کے اوّلین سردار وارثِ علومِ نبوی ﷺ حضرت اعلیٰ ابوالسعد احمد خان قدس سرہٗ ہیں، جو سرخیلِ اولیائے وقت ہوئے۔ اور مرزا خیل کی اولاد میں عہدِ حاضر کے سجادہ نشین حضرتِ اعلیٰ کے فرزندِ نسبتی سیّدنا و مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحبؒ ہیں۔ گویا زمرۂ اولیاء کی تاجداری کے لیے مشیتِ الٰہی نے حضرت مستی خیل خان صاحب کے فرزند اور مرزا خان مرحوم کے نبیرہ کو منتخب فرما رکھا تھا۔

بشارتِ ظہور قبل از ولادت

موضع بکھڑا ملک مستی خان صاحب کا مسکن تھا۔ اس زمانے کے ایک بزرگ مولانا غلام محمد صاحب قریب ہی رہتے تھے، جو اسرار و معرفت و لایت میں مہارتِ کاملہ اور بصیرتِ تامہ رکھتے تھے۔ خاصے معمر ہو چکے تھے۔ وہ ملک مستی خان صاحب کا بڑا احترام کرتے تھے۔ خدام کو ہدایت تھی جب بھی ملک مستی خان صاحب ہمارے ڈیرے کے پاس سے

گزریں تو ہمیں چارپائی پر بٹھا کر ان کے استقبال کے لیے لے جایا کرو۔ چنانچہ جب ملک صاحب موصوف گھوڑے پر سوار اُن کے ڈیرے کے پاس سے گزرتے تو مولانا کے خدام دور سے دیکھ کر ان کو چارپائی پر بٹھا کر گزرگاہ پر لے آیا کرتے تھے۔ کچھ دیر ملاقات ہوتی، پھر ملک صاحب اپنے کام کاج کے لیے روانہ ہوجاتے اور مولانا واپس اپنے مکان تشریف لے آتے۔ مولانا کے خدام حیران ہوتے کہ مولانا ایک دنیادار زمین دار کا اتنا احترام کیوں کرتے ہیں کہ باوجود پیرانہ سالی اور انتہائی ضعف کے خود ان کے استقبال کے لیے تکلیف برداشت کرتے ہیں؟ چنانچہ انہوں نے ایک دن جسارت کرکے پوچھ ہی لیا کہ ایک دنیادار زمین دار کے اس قدر احترام میں کیا راز ہے؟ مولانا نے فرمایا، "تمہیں خبر نہیں درحقیقت میں اس ولی کا احترام کرتا ہوں جو ملک مستی خان صاحب کی پشت سے ہوں گے۔ جب ملک صاحب یہاں سے گزرتے ہیں تو میں اس ولی کا نور اور اس کی خوشبو محسوس کرتا ہوں اور عالمِ امکان میں عن قریب ظاہر ہونے والی اس عظیم ہستی کے احترام پر مجبور ہوجاتا ہوں۔

ع قلندر آنچہ گوید دیدہ گوید

ولادتِ باسعادت

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اب وہ ساعتِ سعید آ پہنچی کہ ہمارے حضرتِ اعلیٰ موضع بکھڑا، تحصیل میانوالی، ضلع بنوں (اُس وقت میانوالی، ضلع بنوں کی تحصیل تھی) میں ملک مستی خان کے گھر ۱۲۹۷ھ میں تولد ہوئے۔ چونکہ ملک مستی خان مرحوم مولانا غلام محمد صاحبؒ سے عقیدت مندانہ ربط ضبط رکھتے تھے، اس لیے صغرسنی ہی میں حضرتِ اعلیٰؒ کو ان کے دوسرے بھائی ملک محمد خان صاحب کے ساتھ حضرت مولانا غلام محمد صاحب کی خدمت میں لے گئے اور دونوں کے لیے دعا کی درخواست کی۔ حضرت مولانا نے احمد خان صاحب کے لیے علومِ ربانیہ کے حصول کی دعا کی اور ملک صاحب سے فرمایا، اس بچے کو علمِ دین پڑھانا، یہ دین کے قابل ہے۔ اور دوسرے فرزند ملک محمد خان کے متعلق فرمایا، یہ بچہ بڑا ہوکر عز و وقار کا مالک ہوگا۔ آغاز شان و شوکت سے معلوم ہوتا ہے لیکن یہ وقار و تمکنت ایک دن

زوال پذیر ہوگا۔

پیش گوئی کا ظہور

چنانچہ صاحبزادہ احمد خان صاحبؒ نے شریعت وطریقت دونوں سے آراستہ ہوکر ''حضرت قیومِ زمان محبوبِ ربِ العالمین مولانا ابوالسعد احمد خانؒ'' کا نام پایا۔ دوسرے بھائی ملک محمد خان صاحب نے دنیوی تعلیم حاصل کر کے اولاً فوج کی ملازمت اختیار کی اور بعدازاں کوئٹہ میں تحصیلدار متعین ہوئے۔ کچھ عرصہ بڑی شان وشوکت اور دبدبے سے گزرا۔ لیکن پھر مولانا غلام احمد بکھڑویؒ کی پیش گوئی کے مطابق ستارۂ عروج زوال میں آ گیا۔ حساباتِ مال میں تین روپیہ اور ایک روایت کے مطابق صرف ایک پیسے کی غلطی پائی گئی، جس کی پاداش میں معزول ہو کے گھر آ بیٹھے۔

تعلیم

آپ کا خاندان، جیسا کہ پہلے مذکور ہوا، زمین داروں اور ملکوں کا خاندان تھا، لیکن دنیا داری کے ساتھ ساتھ دین داری کا بھی چرچا تھا۔ مولانا غلام محمد صاحبؒ بکھڑوی نے حضرت اعلیٰؒ کے والدِ ماجد کو آپ کے علومِ دینیہ کی تعلیم کی طرف متوجہ کیا تھا۔ اس لیے سنِ شعور کو پہنچنے کے بعد تعلیمِ قرآن کا آغاز بکھڑا کی مسجد میں ہی ہوا جہاں ایک امام مسجد صاحب تعلیم دیا کرتے تھے۔ قرآن مجید انہیں سے پڑھا۔ تعلیم قرآن سے فارغ ہونے کے بعد آپ کو عربی علوم کی تحصیل کا شوق دامن گیر ہوا۔ بکھڑے میں درسِ عربی کا انتظام نہ تھا، اس لیے کسی کو اطلاع دیے بغیر آپ موضع سیل وان میں حضرت مولانا عطا محمد قریشیؒ کی خدمت میں چلے گئے۔ ان اطراف میں مولانا موصوفؒ کے درس کی شہرت تھی۔ استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے صاحبزادے کی ملکانہ ہیئت دیکھ کر خیال کیا کہ یہ بچہ ملکوں کا ہے جو زمین دار اور سردار لوگ ہیں، انہیں اپنے بچوں کو عربی پڑھانے کا خیال کہاں آ سکتا ہے؟ پوچھا، کیا نام ہے اور کس کے لڑکے ہو؟ عرض کیا، احمد خان نام ہے اور ملک مستی خان کا لڑکا ہوں۔ استاد نے حضرتؒ کے والدِ ماجد کا نام سنا تو یقین ہو گیا کہ یہ بچہ گھر سے بھاگ کر

آیا ہے اور محض ٹھہرنے کے لیے مدرسہ میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ملکوں کے ہاں سر پر پٹھے رکھنے کا رواج تھا، اور یہ حضرات سر منڈانا عیب تصور کرتے تھے۔اس لیے استاد نے امتحان کے طور پر فرمایا، ''اچھا! اگر تم یہاں رہ کر پڑھنا چاہتے ہو تو سر منڈا کر آؤ، یہاں پڑھنے کے لیے یہ اوّلین شرط ہے۔'' استاد کا خیال تھا کہ ملکوں کے رسم و رواج کے مطابق یہ بچہ بھی سر نہیں منڈائے گا اور یوں بلا سر سے ٹل جائے گی۔لیکن آپ استاد کا یہ ارشاد سن کر فوراً باہر چلے گئے اور ایک حجام سے سر منڈوا کر تھوڑی ہی دیر میں حاضر ہو گئے۔اب تو استاد بھی قائل ہو گئے اور سمجھ گئے کہ واقعی یہ عزیز علم کی خاطر ہی آیا ہے۔داخل کر لیا اور جو کھانا (نانِ جویں) طلبہ کو دیا جاتا تھا وہ آپ کو بھی ملنے لگا۔اور آپ ذوق وشوق سے پڑھنے لگے۔گھر والوں کو کسی قسم کی اطلاع بہم نہ پہنچائی۔خیال تھا کہ اگر انہیں میری اقامت کا پتا چل گیا تو یہاں سے گھر واپس لے جائیں گے اور سلسلۂ تعلیم منقطع ہو جائے گا۔

غرض آپ نے عربی صرف ونحو کی ابتدائی کتب مولانا عطا محمد قریشی کے درس میں پڑھیں۔پھر بندھیال ضلع میانوالی چلے گئے۔یہاں ایک مدرسے میں داخل ہوئے جہاں حضرت مولانا نامیؒ درس دیا کرتے تھے۔آپ بھی ان کے حلقۂ درس میں شریک ہو گئے۔اب بھی گھر والوں کو اطلاع نہ دی، اور نہ ان سے خرچ مانگا۔مولانا کے لنگر سے جو کچھ کھانے کو مل جاتا، صبر وقناعت سے اسی پر اکتفا کرتے ہوئے بڑے انہماک سے درس ومطالعۂ کتب میں مشغول رہتے۔خود حضرتِ اعلیٰ بیان فرمایا کرتے تھے کہ بندھیال میں تعلیم کے دوران کھانا اکثر وبیشتر ایک دن ناغے کے بعد ملتا تھا اور وہ بھی جَو کی ایک روٹی۔

فقر خیبر گیر با نانِ شعیر
بستۂ فتراکِ او سلطان و میر

ترجمہ: خیبر کو فتح کرنے والے فقر کا تعلق جَو کی روٹی سے تھا۔اس کے شکار بند (تھیلے) میں میر وسلطان بندھے ہوئے تھے۔

لیکن تشنگیِ علم ایسی چیز ہے کہ ظاہری اسباب اور دنیوی ساز وسامان کا فقدان اس

کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ صبر و شکر سے اس تیسرے دن ملنے والی جَو کی روٹی پر گزارا کرتے۔ دینی علوم کے مطالعے میں شب و روز ایسے منہمک رہتے کہ اشتہائے شکم کا دھیان تک نہ آتا۔ حضرتِ اعلیٰؒ فرماتے تھے کہ اس درجہ انہماک رہتا تھا کہ مجھے گرد و پیش کی چیزوں تک کا احساس نہ ہوتا تھا۔

انہماکِ مطالعہ کی ایک مثال

حضرتِ اعلیٰ نے فرمایا کہ جب والد صاحب کو میرے بندھیال میں تعلیم حاصل کرنے کا علم ہو گیا تو والد صاحب نے بھائی ملک محمد خان صاحب کو خیریتِ احوال معلوم کرنے کے لیے وہاں بھیجا۔ وہ گھوڑے پر سوار بکھڑ ے سے بندھیال پہنچے۔ مدرسہ پہنچ کر استادِ گرامی سے دریافت کیا کہ احمد خاں کہاں ہے؟ استادِ محترم نے فرمایا کہ باہر جنگل میں کسی درخت کے نیچے بیٹھا ہوا مطالعہ کر رہا ہو گا۔ چنانچہ بھائی صاحب گھوڑے پر سوار میرے قریب آ کر دیر تک کھڑے رہے، اور مجھے مطالعہ میں محو ہونے کی وجہ سے کچھ خبر نہ ہوئی۔ بعد میں جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ آدھے گھنٹے سے تمہارے پاس کھڑا انتظار کرتا رہا کہ تمہیں اپنی طرف متوجہ پاؤں تو گفتگو کروں۔

تحصیلِ علم کے لیے ہندوستان کا سفر

بندھیال میں آپ عربی کی متوسطات پڑھنے کے بعد تکمیلِ علم کے لیے ہندوستان چلے گئے۔ پہلے مراد آباد پہنچے، وہاں کچھ عرصہ مدرسۂ شاہی میں پڑھا۔ پھر وہاں سے کانپور تشریف لے گئے۔ یہاں مولانا احمد حسین صاحبؒ کانپوری اور مولانا عبیداللہ صاحب بکھڑوی تعلیمِ فقہ و حدیث دیتے تھے۔ ان حضرات سے آپ نے تکمیلِ دورۂ حدیث فرمائی۔ صرف و نحو، منطق و فلسفہ، ادب و معانی اور فقہ و تفسیر کی کتابیں بیحد ذوق و شوق اور محویت و انہماک سے پڑھیں، جس کا کچھ اندازہ سطورِ بالا میں ہو چکا۔ ظاہر ہے کہ دورۂ حدیث اور تفسیرِ قرآن حکیم میں آپ کا انہماک اور ذوق و شوق اس سے بدرجہا زیادہ ہو گا۔ اس کا تصور کچھ وہی حضرات کر سکتے ہیں جو دینی علوم کا ''ذوقِ خداداد'' رکھتے ہیں۔

تکمیلِ سلوک

غرض حضرتِ والا عربی اور فارسی کے جامع اور قرآن وحدیث کے انوار سے مستنیر اپنے وطنِ مالوف بکھڑ اشریف مراجعت فرما ہوئے۔ معقول ومنقول کی تکمیل کے بعد قلب و روح کا طائرِ بلند نظر عالمِ قدس کی فضا میں سیر کے لیے آمادۂ پرواز ہوا۔ گویا بقولِ حافظ شیرازی صورتِ حال اس طرح تھی کہ:

اے بلند نظر شاہبازِ سدرہ نشیں
نشیمنِ تو نہ ایں کنجِ محنت آباد است

ترجمہ: اے بلند نظر شاہباز! تیرا مقام سدرۃ المنتہیٰ ہے، آزمائش سے بھری دنیا تیرا ٹھکانہ نہیں ہے۔

آپ بندھیال کے زمانۂ طالب علمی میں ہی حضرت سیّد پیر لعل شاہ قدس سرہٗ خلیفہ مجاز حضرت خواجہ محمد عثمان نوراللہ مرقدہٗ کے دستِ حق پرست پر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہو کر ذکر وشغلِ قلبی سے بہرہ یاب ہو چکے تھے۔ چنانچہ تھوڑے عرصے بعد جب حضرت پیر لعل شاہ صاحبؒ رحلت فرما گئے تو آپ نے حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ کی خدمت میں تجدیدِ بیعت کی درخواست کی۔ حضرت خواجہؒ نے تسلی وتشفی کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ سیّد لعل شاہؒ کے سب مرید اُن کے شیخ ہی کے مرید ہیں۔ اور آپ کو مشورہ دیا کہ فی الحال اسمِ ذات کے اسی ذکر وشغل پر عمل پیرا رہیں جس کی تلقین حضرت شاہ صاحب سے حاصل کر چکے ہیں، اور کامل توجہ تحصیلِ علم کی طرف مبذول کریں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اگر تحصیلِ سلوک کا جذبہ پختہ محسوس کریں تو اس وقت تجدیدِ بیعت کی ضرورت پیش آئے گی۔
حقیقت یہ ہے کہ حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ کی غائبانہ توجہ اور فیض رسانی ہی کا ثمرہ تھا کہ آپ والہانہ ذوق وشوق کے ساتھ علومِ ظاہری کی تحصیل میں مصروف رہے اور ان میں کمال پیدا کیا اور جب حضرت خواجہ کے ارشادِ سابق کی تعمیل فرما چکے تو تحصیلِ سلوک کے لیے صدقِ دل سے تیار ہو کر حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ کی خدمت میں موسیٰ زئی شریف حاضر

ہوئے اور نہایت یک سوئی کے ساتھ روحانی کمالات حاصل کیے۔ لیکن مشیتِ الٰہی میں آپ کی تکمیل حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ سے استفادہ پر مقدر تھی۔ چنانچہ ولایتِ صغریٰ کی نہایت تک پہنچ سکے تھے کہ حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ نے اس خاکدانِ عالمِ فانی سے پردہ اختیار فرمالیا۔

حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ سے تجدیدِ بیعت

شیخ کا وصال مریدانِ باصفا کے لیے سانحۂ عظیم ہوا کرتا ہے۔ اس صورت میں مقامِ ارادت واستقامت پر گامزن رہنا سالکانِ بلند نظر کے لیے بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت تھی کہ آپ نے بغیر کسی تذبذب اور تردّد کے اپنے ہم عمر شیخ حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ سے تجدیدِ بیعت فرمائی۔ اپنی سیر وسلوک کو جاری رکھا اور مدارجِ روحانیت طے فرماتے رہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ترجمہ: یہ سعادت بازو کی قوت سے حاصل نہیں ہوتی، جب تک عطا کرنے والا اللہ عطا نہ فرمائے۔

رابطۂ شیخ

حضرتِ اعلیٰؒ کو حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ کی خدمت میں آنے کے بعد اپنے شیخ کی محبت کا جو قوی رابطہ نصیب ہوا تھا وہ اب اسی شان سے حضرت خواجہ سراج الدین نور اللہ مرقدہٗ سے استوار تھا کہ:

خدا ار بہ حکم بہ بندد درے
کشاید ز فضل و کرم دیگرے

ترجمہ: اللہ پاک اگر کسی حکمت ومصلحت سے ایک دروازہ بند کرتے ہیں تو اپنے فضل وکرم سے دوسرا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

غرض آپ نہایت گرم جوشی کے ساتھ صحبتِ شیخ میں مقاماتِ عالیہ طے کر رہے تھے۔ حضرت خواجہؒ بھی بیحد دلنوازی و جانفشانی کے ساتھ کرم گستری اور فیض رسانی میں پیش پیش تھے۔ رابطۂ روحانی بلکہ اتحادِ جانی کا یہ عالم تھا کہ آپ کا بار بار بکھڑے سے موسیٰ زئی شریف پا پیادہ سفر کرنا حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کو شاق گزرتا تھا، لہٰذا ایک روز فرمایا، ''مولانا! آپ پیدل سفر نہ کیا کریں کیونکہ بکھڑے سے یہاں تک جو قدم آپ زمین پر رکھتے ہیں، مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ میرے قلب پر پڑتا ہے۔'' اسی فرمان کے پیشِ نظر آپ ڈیرہ اسمٰعیل خان تک سواری پر جانے لگے لیکن وہاں سے موسیٰ زئی شریف کا سفر پھر بھی پا پیادہ ہی طے کرنا پڑتا تھا اور اس زمانے میں وہاں اونٹ کے سوا اور کوئی دوسری سواری دستیاب بھی نہیں تھی۔

شیخ کی خصوصی توجہ

حضرت خواجہ سراج الدینؒ آپ کو سرگرمِ طلب دیکھ کر ہمیشہ کرم نوازی فرماتے اور آپ پر دامانِ رافت و رحمت کشادہ رکھتے تھے۔ جس قدر آپ کی طلب روز افزوں ہوتی جاتی تھی اسی قدر حضرت خواجہ کی طبیعت میں گرمی اور جوش بڑھتا تھا۔ چنانچہ اس خاص کیفیت کا اظہار حضرت خواجہؒ نے برملا اِن الفاظ میں فرمایا، ''اس زمانہ میں طالبانِ صادق کے ناپید ہو جانے کی وجہ سے طبیعت سرد پڑ گئی تھی، بسا اوقات خیال آتا تھا کہ کاروبارِ مشیخت ترک کر دیا جائے لیکن اب مولوی احمد خان کے آ جانے سے طبیعت میں گرمی آ گئی ہے۔'' اس کے بعد آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، ''من پیری و مریدی برائے تو می کنم۔'' یعنی یہ سلسلۂ مشیخت تمہارے لیے جاری کر رکھا ہے۔

سبحان اللہ! کیا صداقتِ طلب تھی اور کیا بارشِ کرم۔

ع قسمتِ بادہ باندازۂ جام است اینجا

ترجمہ: دیتے ہیں بادہ، ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

ذکر وشغل میں سرگرمی

حضرت اعلیٰ مولانا ابوالسعد احمد خان قدس سرہٗ اپنے عالمِ درویشی میں حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کے الطاف وعنایات کے زیرِ اثر ذکر وشغل میں اس درجہ منہمک اور مشتغل رہتے تھے کہ ذکرِ الٰہی سے اندرونی حرارت بے حد بڑھ گئی تھی اور اس کے آثار جسمِ مبارک پر اس قدر نمودار تھے کہ موسمِ سرما میں اگر جمے ہوئے گھی کا پیالہ آپ کے سینۂ مبارک پر رکھ دیا جاتا تو گھی پگھل جاتا تھا۔ ذکر کی کثرت سے تسبیح کا مضبوط سے مضبوط دھاگہ دو چار روز میں ہی بوسیدہ ہو کر ٹوٹ جاتا تھا اور پھر نیا دھاگہ ڈالنا پڑتا تھا۔

خدمتِ شیخ کا بے مثال ذوق

خدمت شیخ کی بجا آوری میں سرشاری وہمت کا یہ عالم تھا کہ سردی کے موسم میں تمام رات ایک ململ کا کُرتا پہنے ہوئے شیخ کے دروازے کے باہر کھڑے ذکر وشغل میں مصروف رہتے تھے اور اسی آرزو میں ایستادہ رہتے کہ شیخ جب حویلی سے باہر تشریف لائیں تو پہلی نگاہ مجھ پر پڑے اور اس دن کی پہلی خدمت بجا لانے کا شرف بھی مجھ کو حاصل ہو:

از کرم شاید درے بر روئے مسکیں وا کنند
بیشتر شبہا دریں درگہ نظیری سائل است

ترجمہ: نظیری نے سائل بن کر بیش تر راتیں اس درگاہ میں گزار دیں کہ شاید وہ کبھی از راہ مہربانی اس مسکین کے لیے بھی دروازہ کھول دیں۔

حیرت انگیز جسمانی قوت اور روحانی توانائی

حضرت خواجہ سراج الدینؒ نے سون سکیسر کے پہاڑی علاقے میں بھی اپنی ایک اقامت گاہ (خانقاہ) تعمیر کی تھی۔ موسمِ گرما میں اکثر وہاں تشریف لے جاتے۔ درویشوں کا ایک بڑا قافلہ بھی ساتھ ہوتا تھا۔ حضرت خواجہ اس طویل راستے کو دیپ یا خوشاب سے گھوڑے پر سوار ہو کر طے کرتے اور حضرت اعلیٰؒ پا پیادہ ہوتے تھے۔ مٹی کے چند ڈھیلے اور پانی کا ایک کوزہ ہاتھ میں لیے ہوئے حضرت خواجہؒ کے گھوڑے کے آگے آگے دوڑا کرتے

تھے کہ نا معلوم کس وقت حضرت کو حاجت پیش آجائے اور مٹی کے ڈھیلوں اور پانی کی ضرورت پڑ جائے۔ درویشوں کا باقی قافلہ جو بار بردار اونٹوں اور پیادوں پر مشتمل ہوتا تھا، بہت پیچھے رہ جاتا۔ یہ فاصلہ بھی کوئی دو چار میل کا نہ تھا بلکہ ۳۵ یا ۴۰ میل کی مسافت تھی جسے آپ دوڑتے ہوئے قطع کرتے تھے۔

خدای را مددے اے دلیلِ راہِ حرم
پیادہ می روم و ہمراہاں سوار انند

ترجمہ: راہِ حرم کے رہنما! اللہ کے لیے مدد کیجیے، میں پیدل چل رہا ہوں اور میرے ہمراہی سوار ہیں۔

خدمتِ آب کشی

فرماتے تھے کہ ان دنوں میری جسمانی قوت کا یہ عالم تھا کہ بھرا ہوا پانی کا گھڑا چٹکی سے پکڑ کر اُٹھا لیتا اور اسے منہ سے لگا کر پانی پی لیا کرتا تھا۔ سون سکیسر میں قیام کے دوران پانی پہاڑی چشمے سے لانا پڑتا تھا اور چشمہ اقامت گاہ سے دور اور کافی نیچے تھا۔ دو مشکیزے، جن میں سے ہر ایک میں سات گھڑے پانی آتا تھا، نیچے چشمے سے بھر کر اپنے کندھوں پر اٹھاتا اور ننگے پاؤں دوڑتا ہوا اوپر خانقاہ میں لے آتا تھا اور یوں پورے لنگر کے لیے پانی ذخیرہ کر لیا کرتا تھا۔ دوسرے درویش دو مشکیزے تو درکنار ایک بھی اٹھانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔

دریا خان میں قیام

حضرت خواجہ سراج الدینؒ دریا خان والے بنگلے پر بھی اقامت اختیار کرتے تھے۔ بعض اوقات حضرتِ اعلیٰ مع اہل و عیال حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔ بڑی بی بی صاحبہؒ فرماتی تھیں، اس وقت میں پانچ چھے سال کی تھی اور مجھے والدِ محترم حضرتِ اعلیٰؒ کے ساتھ وہاں آنا جانا یاد ہے۔

اسباقِ کتبِ تصوف

حضرت خواجہ سراج الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں ہمارے حضرتِ اعلیٰؒ نے جس ذوق وشوق، ولولہ وجوش اور والہانہ انداز کے ساتھ مقاماتِ مجددیہ بہ سرعت طے فرمائے، اس دور میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ نے تفصیل کے ساتھ سلوکِ نقشبندیہ مجددیہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور ساتھ ہی تصوف کے متعدد رسالے اور کتابیں بھی حضرتِ شیخؒ سے سبقاً سبقاً پڑھیں۔

مکتوباتِ امامِ ربانیؒ کا درسِ خصوصی

ایک بار حضرت خواجہؒ نے آپ سے خصوصی شفقت وعنایت کے پیشِ نظر یہ ارشاد فرمایا، ''مولوی صاحب! ایک وعدہ میں آپ کے ساتھ کرتا ہوں اور ایک وعدہ آپ میرے ساتھ کریں۔'' آپ نے اس خیال سے قطعِ نظر کہ حضرت خواجہ کیا وعدہ فرمانا چاہتے ہیں اور مجھ سے کیا عہد لینا چاہتے ہیں، فوراً جواب دیا، ''حضرت! میری طرف سے وعدہ ہے جو آپ ارشاد فرمائیں گے مجھے منظور ہے۔''

حضرت خواجہؒ نے فرمایا، ''آپ مجھ سے یہ وعدہ کریں کہ جب تک مکتوباتِ امامِ ربانی کا درس پورا نہ ہو جائے آپ گھر نہیں جائیں گے، اور میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ ہر مکتوب کے سبق پر توجہ دوں گا۔'' حضرتِ اعلیٰ یہ بشارت سن کر بیحد مسرور وشاداں ہوئے۔ چنانچہ حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کے مکتوبات کا درس اسی پاکیزہ التزام کے ساتھ شروع ہو گیا۔ آپ پڑھتے رہے اور حضرت خواجہ ہر سبق پر خصوصی توجہات مبذول فرماتے رہے۔ حضرتِ اعلیٰ فرمایا کرتے ہیں کہ شروع شروع میں اسباق وتوجہات کے دوران کوئی خاص عرفانی و وجدانی کیفیات ومقاماتِ عالیہ کا ادراک وشعور نمایاں طور پر معلوم نہ ہوتا تھا۔ ایک روز حضرت خواجہ نے دریافت فرمایا، ''کیوں مولوی صاحب! کچھ فائدہ معلوم ہو رہا ہے؟'' آپ نے اس خیال سے کہ عدمِ ادراک کا اظہار کرنے پر کہیں حضرت کی طبیعت سرد نہ ہو جائے، عرض کیا، ''حضرت! بہت بہت فائدہ محسوس ہو رہا ہے۔'' مزید فرمایا کہ اس وقت

حسبِ وعدہ مسلسل قیام کر کے درس مکمل کر لیا لیکن اس کے بعد سے اب تک (تقریباً تیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے) ان توجہات کے اثرات برابر منکشف ہو رہے ہیں اور بحمدہٖ تعالیٰ تمام مقاماتِ مجددیہ اور معارفِ خاصۂ امامِ ربانی کا ادراک بدیہی طور پر ہوتا جا رہا ہے۔

عطائے خلافت

جب آپ کا سلوک ہر لحاظ سے مکمل ہو گیا تو حضرت خواجہ نے آپ کو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ اور دیگر تمام سلاسلِ ولایت میں مجازِ مطلق قرار دے دیا۔ ابھی تک آپ کا قیام اپنے آبائی مسکن موضع بکھڑ ے ہی میں تھا کہ رجوعِ خلقِ عام ہو گیا اور اہلِ طلب آپ سے بیعت ہو کر فیوضاتِ طریقۂ پاک سے بہرہ ور ہونے لگے۔

اخلاصِ عقیدت کا ایک واقعہ

ایک دفعہ حضرت خواجہ سراج الدینؒ وابستگانِ سلسلہ کے ساتھ ایک کمرے میں تشریف فرما تھے۔ حضرت اعلیٰ مولانا ابو السعد احمد خان صاحب قدس سرہٗ ایک خادم کی حیثیت سے باورچی خانے میں حضرت خواجہؒ کے لیے چائے تیار کر رہے تھے اور دیگر عقیدت مند حضرت خواجہؒ کی صحبت سے مستفیض ہو رہے تھے، اتنے میں ایک عورت جو حضرتِ اعلیٰ سے بیعت تھی، آپ کی زیارت کے لیے آئی۔ دیکھا کہ ایک مجمع لگا ہوا ہے اور بڑے پیر صاحب بصد عز و شان تشریف فرما ہیں۔ اس کی نگاہیں اپنے شیخ کی تلاش میں تھیں۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ میرے پیر صاحب بھی اندر بیٹھے ہوئے ہوں گے، باہر کھڑے چادر کی اوٹ میں اندر جھانکتی اور پیچھے ہٹ جاتی۔ جب کئی بار ایسا ہوا تو حضرت خواجہؒ نے دریافت کیا کہ یہ عورت یہاں کس لیے آئی ہے؟ کسی خادم نے جواب دیا کہ وہ اپنے پیر حضرت احمد خان صاحب کی زیارت کرنا چاہتی ہے۔ حضرت خواجہؒ نے بآوازِ بلند فرمایا کہ ''جا تیرا پیر وہ بیٹھا چائے پکا رہا ہے۔'' وہ عورت حضرتِ اعلیٰ کو ایک نظر دیکھ کر واپس چلی گئی۔ اس پر حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے فرمایا، سچی عقیدت اور ارادت اس عورت سے سیکھنی چاہیے کہ اپنے پیر کے سوا کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی۔

دل آرمیکہ داری دل دروبند
دگر چشم از ہمہ عالم فروبند

ترجمہ: تمام جہان سے اپنی آنکھیں بند کر کے، بس اپنے محبوب سے ہی جی لگاؤ۔

طالبانِ حق کو حضرت خواجہؒ کا مشورہ

حضرت خواجہ قدس سرہؒ نے جب آپ کے کمالات اور، رسوخِ نسبت اور شانِ افاضہ کو ملاحظہ فرمایا تو آپ نے ارادت مندانِ سلسلہ کو مشورہ دیا کہ دور دراز علاقوں میں رہائش پذیر لوگ جو مشکلاتِ سفر برداشت نہ کر سکتے ہوں وہ موسیٰ زئی شریف آنے کے بجائے حضرت مولاناؒ سے رجوع کریں اور ان سے کسبِ فیض کریں۔ انشاء اللہ! انہیں وہاں مجھ سے بھی زیادہ فائدہ پہنچے گا۔

بکھڑے سے کھولہ شریف نقلِ مکانی اور خانقاہِ سراجیہ کی بنیاد

حضرتِ اعلیٰ کا آبائی گاؤں موضع بکھڑا دریائے سندھ کے سیلابی علاقے یعنی کھادر میں واقع تھا۔ جب ایک بار طغیانی کی وجہ سے پورا موضع تباہ ہو گیا تو سب نے قریبی گاؤں موضع کھولہ میں اقامت اختیار کر لی۔ یہ بھی سیلابی علاقہ میں تھا اور کچھ عرصہ بعد دریا برد ہو گیا۔ آپ میاں غلام محمد صاحب قادری چشتیؒ کی خانقاہ منتقل ہو گئے اور ساتھ ہی اپنے آبائی رقبہ پر موجودہ خانقاہ سراجیہ کی تعمیر کا آغاز فرمایا۔ سب سے پہلے کنواں کھودا گیا، پھر مسجد، حویلی اور خانقاہ کے کمروں کی تعمیر ہوئی۔ مسجد کی تعمیر پختہ ہوئی جس پر مستری ظہیر الدین اور اس کے ساتھیوں نے خوبصورت نقش و نگار کے وہ جوہر دکھائے کہ مسجد فنِ تعمیر کا اعلیٰ نمونہ بن گئی۔ تعمیرِ چاہ و خانقاہ ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء سے شروع ہو کر ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۲ء میں مکمل ہو گئی۔

اتباعِ کتاب و سنت

آپ کا ہر فعل و عمل سنت کے سانچہ میں ڈھلا ہوا تھا۔ لباس و پوشش، خورد و نوش، نشست و برخواست، سلام و کلام وغیرہ ہر امر میں شرعی آداب اس طرح ملحوظ رہتے جو ایک فقیہ و محدث کی شان کے لائق ہے اور متوسلین و معتقدین کو بھی اتباعِ سنت کی تاکید فرماتے۔

خوشاب میں ایک تعلیم یافتہ آدمی زیارت کے لیے حاضر ہوا اور کہا، حضرت سلامت! آپ نے ارشاد فرمایا، یہ سلام کا مسنون طریقہ نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے، السّلام علیکم!

مولانا حکیم عبدالرسول صاحب (۱) نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت سلمہٗ سرہند شریف میں تھے۔ حضرت مجدد صاحب کے روضہ پر نعت خوانی ہو رہی تھی۔ آپ نے چند بے ریش لڑکوں کو تغنی و ترنم کے ساتھ نعتیں پڑھتے دیکھا تو اس پر اعتراض فرمایا۔ سجادہ نشین نے کہا کہ پڑھنے والے مرد ہیں اور مردوں کے ساتھ ان کا تکلم و اختلاط روا ہے، پھر ان کی نعت خوانی میں کون سی وجہ کراہت (۲) یا حرمت ہوگی؟ آپ نے اس کی کراہت کا ثبوت خود مکتوباتِ مجددیہ (۳) سے پیش فرمایا۔ سجادہ نشین نے حضرت مجدد صاحب کے قول پر سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اس وقت سے اس نوعیت کی نعت خوانی روضہ شریف پر بند ہوگئی۔

طاعات و عبادات میں توسط و اعتدال (۴) پورے اہتمام کے ساتھ پسند ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے نمازِ فجر میں سورۂ طٰہٰ شروع کی اور دوسری رکعت میں ختم کی۔ مسجد کے کواڑ بند اور شمع روشن تھی۔ سلام کے بعد ایک مقتدی کواڑ کھول کر باہر نکلا اور پھر فوراً بند کر دیا۔ اس وقفہ میں میری نظر جو باہر کی طرف گئی تو مجھے گمان ہوا کہ شاید سورج کا کسی قدر کنارہ افق سے نمودار ہو چکا ہے۔ نماز کے متعلق مجھے کچھ خلجان محسوس تو ہوا مگر پھر یہ سوچ کر اپنے دل کو مطمئن کر لیا کہ ''مرشد بے خبر نبوز راہ و رسم منزلہا۔'' اللہ کی شان تیسرے روز حضرت ذکر فرما رہے تھے کہ میں زیادہ دیر تک کھڑا نہیں ہوسکتا اور جلدی تھکان محسوس ہونے لگتی ہے لیکن نماز میں جب لمبی قرأت چھڑ جائے تو پھر میں نہیں تھکتا۔ میں نے موقع پا کر عرض کیا کہ حضرت! پرسوں نماز میں قرأت اس قدر لمبی ہوگئی کہ شاید آفتاب بھی طلوع ہو گیا تھا۔ یہ سن کر آپ نے نہایت گھبراہٹ کے ساتھ فرمایا ''ہیں آفتاب طلوع ہو گیا تھا؟'' پھر خود ہی اطمینان کے لہجے میں کہا کہ نہیں ایسا نہیں ہوسکتا، میں گھڑی دیکھ کر کھڑا ہوتا ہوں اور سلام کے بعد گھڑی دیکھ کر اطمینان کر لیتا ہوں اور میری گھڑی بالکل صحیح ہے۔ حضرت کے اس ارشاد پر میں نے پھر اپنے دل کو تنبیہ کی کہ تُو ہی جھوٹا ہے۔ صدق اللہ و کذب بطن اخیک. (۵)

چو بشنوی سخنِ اہلِ دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نۂ دلبرا خطا ایں جاست

سجدے کی حالت میں ایڑیوں کا جوڑنا

مولانا غلام محی الدین صاحب ساکن مجوکہ مضافاتِ سرگودھا مشہور اہلِ حدیث عالم تھے۔ ان کا ایک کتب خانہ بھی تھا۔ ہمیشہ تقویٰ اور اعتدال کی راہ پر گامزن رہتے۔ حضرتِ اعلیٰ کی خدمت میں خانقاہ سراجیہ تشریف لائے اور چار پانچ دن قیام کے دوران اپنا تعارف تک نہ کرایا۔ رخصت ہوتے وقت اتنا کہا کہ آپ کا باطنی معاملہ جو اللہ کے ساتھ ہے اسے تو آپ ہی بہتر جانتے ہوں گے، میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ نماز اور اس کے واجبات کی ادائیگی میں آپ کا عمل کامل طور پر سنتِ مطہرہ کے مطابق ہے اور اس سلسلہ میں آپ کی ذات مجدد کی حیثیت رکھتی ہے البتہ سجدے کی حالت میں آپ کا ایڑیوں کا جوڑنا کتبِ احادیث سے ثابت نہیں۔ حضرتِ اعلیٰ نے فوراً بیہقی منگوا کر درج ذیل حدیث پیش کی جس سے وہ مطمئن ہو گئے۔

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ يَقُوْلُ قَالَتْ عَائِشَةُ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَدْتُّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَكَانَ مَعِيَ عَلٰى فِرَاشِيْ فَوَجَدْتُّهٗ سَاجِدًا رَّآصًّا عَقِبَيْهِ مُسْتَقْبِلاً بِاَطْرَافِ اَصَابِعِهِ الْقِبْلَةَ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِعَفْوِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَ بِكَ مِنْكَ اُثْنِيْ عَلَيْكَ لَا اَبْلُغُ كُلَّ مَا فِيْكَ اِلٰى آخِرِ الْحَدِيْثِ.[۱]

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے (ایک رات) رسول اللہ ﷺ کو بستر پر نہ پایا حالانکہ آپ ﷺ پاس ہی لیٹے ہوئے تھے۔ پس میں نے آپ ﷺ کو اس حالت میں پایا کہ سجدے میں تھے

۱۔ السنن الکبریٰ مع الجوہر النقی الامام البیہقیؒ مطبوعہ حیدر آباد دکن کتاب الصلوٰۃ جلد نمبر ۲ صفحہ ۱۱۶ باب ماجاء فی ضم العقبین فی السجود

اور آپ ﷺ کے دونوں پاؤں کی ایڑیاں ایک دوسری کے ساتھ مضبوطی سے ملی ہوئی تھیں اور پاؤں کی انگلیوں کا رُخ قبلہ کی جانب تھا۔ پس میں نے سنا کہ آپ ﷺ یہ فرما رہے تھے، (اے اللہ!) میں تیری ناراضی سے تیری رضا کی، تیرے عذاب سے تیرے عفو کی اور تجھ سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں۔ تیری حمد وثنا کرتا ہوں اور تیرے اوصاف کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ تا آخر حدیث۔

خطبۂ جمعہ میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا ذکر

حضرتِ اعلیٰ باگڑ میں قیام فرما تھے۔ وہاں جامع مسجد میں مولانا انوار الحق خطیب تھے۔ اس روز جمعۃ المبارک تھا۔ حضرتِ اعلیٰ نے مولانا انوار الحق صاحب کو خطبۂ جمعہ کے اختصار کے لیے فرمایا مگر مولانا موصوف نے اسمائے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو بھی حذف کر دیا۔ حضرتِ اعلیٰ نے اسے بہت ناپسند کیا اور اس سے آپ کے مزاج مبارک میں جلال آ گیا۔ فرمایا، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین (۶) کا ذکر شعائرِ اہلِ سنت والجماعت میں سے ہے اور اسے خطبۂ جمعہ کے دوران کسی صورت بھی چھوڑنا نہیں چاہیے۔

محبتِ علم

چونکہ علم کی محبت بدرجۂ کمال ہے اس لیے کتابوں کا شوق بھی فرطِ شغف تک پہنچا ہوا تھا۔ پچیس تیس ہزار روپے کا عظیم الشان کتب خانہ خاص اپنی سعی اور اپنے صرف سے فراہم کیا اور روز بروز اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر متعدد جلدوں کی کتاب کو ایک کتاب سمجھا جائے تو آپ کے کتب خانہ میں اس طرح ایک ہزار کتابوں کا گرانبار علمی سرمایہ موجود ہے۔ فنِ تفسیر میں تفسیر ابنِ جریر، تفسیر ابنِ کثیر، تفسیر روح المعانی، تفسیر کبیر، تفسیر درمنثور اور خازن، معالم، نیشاپوری، بیضاوی، جمل اور دیگر بہت سی تفاسیر موجود ہیں۔ تفسیرِ حسینی منزل اوّل قلمی نہایت خوشخط، جو نوادرات میں سے ہے، کتب خانہ میں موجود ہے۔

حدیث میں صحیح بخاری کے مختلف مطابع کے چھپے ہوئے اور مختلف تحشیوں کے ساتھ عمدہ سے عمدہ نسخوں کے علاوہ اس کی تمام متداول ومشہور شروح مثلاً عینی (۱۱ جلد)، عسقلانی

(۱۳ جلد)، قسطلانی (۱۲ جلد) وغیرہ مہیا ہیں۔ ابو داؤد کی چار مبسوط شروح اور موطا امام مالک کی بھی چار پانچ شروح ہیں۔ اسی طرح باقی صحاح کی شروح وحواشی کا بھی بہترین سرمایہ زینتِ کتب خانہ ہے۔ صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب احادیث مثلاً مستدرک حاکم، سنن کبریٰ بیہقی، مسند دار قطنی، مسند دارمی، مسند طیالسی، مسند امام احمد بن حنبلؒ، شرح معانی آثارِ طحاوی نیل الاوطار شوکانی وغیرہ بھی موجود ہیں۔ مسند حمیدی حدیث کی ایک مشہور کتاب ہے مگر اب تک طبع نہیں ہوئی۔ اس کا بھی ایک قلمی نسخہ مہیا کیا گیا ہے۔

کتب اسماء الرجال کا بھی نہایت شاندار ذخیرہ موجود ہے۔ مثلاً الاصابہ ابن حجر (۸ جلد)، طبقات کبیر (۸ جلد)، تہذیب التہذیب (۱۲ جلد)، وغیرہ۔ فقہ حنفی کی تمام مروجہ کتابوں مثلاً شرح وقایہ، ہدایہ، عالمگیری، شامی، البحر الرائق اور فتح القدیر کا کیا ذکر یہ تو ہونی ہی چاہئیں۔ بہت سی ایسی کتابیں بھی موجود ہیں جن کے دیدار کی علماء کو تو تمنا ہی رہتی ہے مثلاً شرح سیر کبیر سرخسی (۴ جلد) اور کتاب المبسوط امام محمد (۳۰ جلد) وغیرہ۔ اس کے علاوہ فقہ شافعی، فقہ مالکی اور فقہ حنبلی کی بڑی بڑی اور کافی تعداد میں کتابیں موجود ہیں۔ مثلاً کتاب الام (فقہ شافعی، ۷ جلد)، شرح المہذب (فقہ شافعی، ۹ جلد)، المحلی (فقہ ظاہری)، کشاف القناع، مغنی ابن قدامہ (فقہ حنبلی) کئی کئی جلدوں میں اسی طرح باقی علوم وفنون مثلاً اصول حدیث وفقہ، عقائد وکلام سیر ومغازی، تصوف وسلوک، طب وحکمت، لغت وادب، صرف و نحو اور معانی وبیان وغیرہ میں کتابوں کا مکمل اور نہایت وسیع سامان مہیا ہے جس کی مثال یہ ہے کہ صرف الفیہ ابن مالک کی آٹھ مختلف شروح موجود ہیں۔ لغت کے فن میں قاموس چوٹی کی کتاب مانی گئی ہے، یہاں اس کی شرح تاج العروس، دس جلدوں میں موجود ہے۔ تصوف واخلاق میں احیاء العلوم ایک بحرِ ذخار ہے مگر یہاں اس کی بھی شرح بنام اتحاف السادۃ المتقین، شرح احیاء علوم الدین دس جلدوں میں رکھی ہے۔

بعض کتابیں ایسی بھی ہیں جن کی بدولت یہ کتب خانہ شاید دنیا بھر کے کتب خانوں میں امتیازِ خاص رکھتا ہو مثلاً ملا حسین واعظ کاشفی جواہر التفاسیر جس کا صرف نام ہی نام سنتے

آئے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اس کا حجم ایک بارِ شتر کے برابر ہے اور جس کی پہلی منزل کا ایک نسخہ پونے چار سو برس پہلے کا خوشخط لکھا ہوا ہے، یہاں موجود ہے اور تحفۂ روزگار ہے۔ یہ نسخہ مؤلف کی وفات (۹۱۰ھ) سے صرف ساٹھ سال بعد یعنی ۹۷۰ھ میں لکھا گیا ہے۔

سنا ہے ایک مرتبہ حضرت مولانا سیّد انور شاہ صاحب محدث دیو بندؒ، میانوالی کے کسی اسلامی جلسے میں تشریف لائے اور واپسی پر خانقاہ میں بھی مہمان ہوئے۔ کتب خانہ کی عظمت دیکھ کر ان کا دل باغ باغ ہو گیا۔ گھنٹوں الماریوں کی سیر میں محو رہے۔

اس اثناء میں ایک کتاب پر نظر پڑی جو نوادر الاصول حکیم ترمذی تھی۔ فرمایا، مجھے اس کتاب کو دیکھنے کی مدت سے آرزو تھی مگر کہیں دستیاب نہ ہوتی تھی۔ پھر اس کے مطالعہ کے لیے ساتھ لے گئے۔ دیو بند پہنچ کر تحریر فرمایا، افسوس کہ میں زیادہ عرصہ خانقاہ میں نہ ٹھہر سکا کیونکہ ماہِ مبارک صیام سر پر تھا، ورنہ چندے قیام کرتا۔ تاہم جتنا وقت وہاں گزارا اُس کو میں مغتنماتِ زندگی سے شمار کرتا ہوں۔ (۷)

ایک روز حضرتؒ نے فرمایا، میں اوائلِ عمر میں ایک مرتبہ سخت بیمار ہوا کہ امیدِ زیست منقطع ہو گئی۔ ایک بزرگ (۸) عیادت کے لیے تشریف لائے، میں ان کو دیکھ کر رو دیا اور کہا کہ مجھے مرنے کا غم نہیں، البتہ اس بات کا قلق ہے کہ صحاح ستہ کو خرید کر اپنے پاس رکھنے کا موقع نہ پا سکا۔

ایک مرتبہ فرمایا، شرح رسالہ قشیریہ شیخ الاسلام زکریاؒ مطبوعہ مصر (چار جلدوں میں مجموعی صفحات ۸۰۰، قیمت دس بارہ روپے) مجھے اس کے خریدنے کا شوق ہوا۔ بمبئی کے ایک تاجر کتب کے ہاں تھی جس کی گرانفروشی ضرب المثل ہے۔ فرمائش بھیجی تو جواب آیا کہ کتاب نایاب ہو گئی، صرف ایک نسخہ باقی ہے جو چالیس روپے سے کم میں نہیں دیا جا سکتا۔ اتفاق سے میرے پاس صرف پانچ روپے تھے، وہی پیشگی بھیج کر لکھا کہ یہ نسخہ ہمارے سوا کسی اور کو نہ دیا جائے اور باقی قیمت بھیجنے پر فوراً ارسال کر دیا جائے۔

ایک موقع پر فرمایا کہ قاضی عیاض کی کتاب مشارق الانوار کی مجھے تلاش تھی۔ مولوی

عبدالتواب تاجر کتب ملتان کے پاس فرمائش بھیجی تو جواب آیا کہ کتاب کا موجودہ نسخہ آپ کو نہایت گراں پڑے گا، اگلے مال کے آنے تک انتظار کیجیے۔ میں نے لکھا، انتظار مشکل ہے، قیمت کی گرانی کی پروا نہیں، سو دو سو جو بھی قیمت ہو اُس کے عوض کتاب بھیج دو۔

مالیر کوٹلہ میں میرے سامنے کا واقعہ ہے۔ ایک ولایتی (کابلی) کچھ نادر اشیاء بغرض فروخت دکھانے کے لیے لایا۔ اس کے پاس ایک چھوٹا سا جیبی تقطیع عربی رسالہ لامیۃ الافعال ابن مالک تھا۔ آپ نے اس کی قیمت پوچھی، کہا چار روپے۔ فوراً چار روپے ادا فرما کر لے لیا۔

انہی ایام میں ایک شب آپ فرما رہے تھے کہ موطا امام مالک کی فلاں فلاں شرح تو ہمارے پاس ہے، صرف مصفّٰی اور مسوی شروح موطا مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ کی کسر ہے جو تلاش کے باوجود نہیں ملی۔ میں نے عرض کیا، یہ دونوں شرحیں خادم کے پاس موجود ہیں۔ گھر جاتے ہی ڈاک سے ارسالِ خدمت کر دوں گا۔ فرمایا، اس قدر انتظار کی تاب کس کو ہے، ابھی کسی آدمی کو دھنولہ بھیجا جائے جو کل تک لے آئے۔ چنانچہ اسی وقت راتوں رات مستری ظہورالدین کو دھنولہ روانہ کر دیا گیا۔

شوقِ مطالعہ

بعض علماء کو صرف کتابیں جمع کرنے کی دُھن ہوتی ہے مگر پڑھنے پڑھانے کا خیال کم ہوتا ہے۔ بعض پڑھتے ہیں تو صرف اس قدر کہ جب کوئی نئی کتاب آئی تو دو چار دن زیرِ نظر رہی۔ کچھ اوّل سے، کچھ آخر سے اور کچھ اِدھر اُدھر سے دیکھی اور دل سیر ہو گیا، پھر وہ کتاب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زینتِ صندوق ہو گئی اور بس۔

ہمارے حضرتؒ ہر نئی کتاب کو اوّل سے آخر تک مطالعہ کر کے چھوڑتے۔ ایک دن فرمایا، تفسیر ابنِ جریر طبری جب آئی تو اس کی دسوں جلدیں چند ماہ میں پڑھ کر دم لیا۔ شیخ الاسلام زکریا کی شرح قشیریہ کا مطالعہ اوّل سے آخر تک چند ہفتوں میں کیا۔ اسی طرح تفسیرِ حدیث، فقہ اور تصوف وغیرہ کی کوئی کتاب بالاستیعاب مطالعہ کیے بغیر نہیں چھوڑی۔

اثنائے مطالعہ میں جہاں کہیں کوئی اہم بحث نظر پڑی یا کوئی معرکۃ الآراء مسئلہ سامنے آ گیا تو فوراً اس کا نمبر صفحہ اور پتا، نشان جلد کے سادہ ورق پر درج کر دیا۔ (۹) میں نے دیکھا کہ اس قسم کی یادداشتوں سے ہر کتاب کے سادہ ورق سیاہ کیے پڑے ہیں۔ حتیٰ کہ ان حوالجات کے ذریعہ بعض خاص مسائل پر ہر پہلو سے اس قدر کافی مسالہ مل سکتا ہے کہ ایک ایک موضوع پر مستقل رسالہ یا کتاب تصنیف ہو سکتی ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ میں ماہ ذوالحجہ ۱۳۱۳ھ میں فارغ التحصیل (۱۰) ہو کر وطن لوٹا، اس وقت سے لے کر آج تک برابر مطالعہ کتب جاری ہے اور آج تک اس کے لطف سے آنکھیں سیر نہیں ہوئیں۔

اس وسعتِ مطالعہ سے آپ کے علمی تبحر کی بے پایانی ظاہر ہے۔ چنانچہ میں دیکھتا رہا ہوں کہ جب کوئی مسئلہ اتفاقاً چھڑ گیا تو آپ نے اس پر اپنی معلومات کے دریا بہا دیے۔ صبح وشام کی مجلسوں میں اسی قسم کے علمی مسائل پر گفتگو رہتی ہے۔ افسوس کہ میں ان مقالات کو قلم بند نہیں کر سکا، صرف ایک واقعہ یاد ہے:

ایک دن کتب خانہ کی فہرست لکھتے وقت طبقات ابنِ سعد کی جلدیں میرے سامنے تھیں۔ کتاب کا نام، مؤلف کا نام اور اس کا سنِ وفات لکھ رہا تھا۔ حضرت نے فرمایا، یہ بڑی اہم اور شاندار کتاب ہے۔ میں نے عرض کیا، بے شک حضرت! اور علامہ شبلی نعمانیؒ بھی اس کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ فرمایا، ابنِ سعد واقدی کا شاگرد ہے۔ میں نے عرض کیا، مگر وہ تو بہت بدنام ہے۔ فرمایا، نہیں وہ ثقہ ہے۔ دیکھو ابن تیمیہؒ کا سا متشدد اور سخت گیر محدث اپنی کتاب الصارم المسلول میں اس کے بارے میں لکھتا ہے:

هو اعلم بتفاصيل المغازى.

وہ غزوات کے تفصیلی احوال کا سب سے بڑا عالم ہے۔

اور ذہبیؒ کا سا وسیع النظر محدث اس کے متعلق دراوردی سے قول نقل کرتا ہے:

هو اميرالمؤمنين فى الحديث.

وہ فنِ حدیث کا بادشاہ ہے۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ بہت سے محدثین نے واقدی کو ضعیف بلکہ کذاب تک کہا ہے۔ مگر ان کے بارے میں یہ جرح حدیث کے متعلق ہے اور روایتِ حدیث میں ان کا مجروح ہونا فنِ سیر و مغازی کے امام ہونے کے لیے مضر نہیں کیونکہ ان کی یہ مجروحیت اس بنا پر نہیں کہ فی الواقع وہ کوئی کذاب یا باطل گو تھے۔ بلکہ جرح و تعدیل کے قواعد کی رو سے راوی کا روایت حدیث کے علاوہ کسی دوسرے فن میں مشغول ہونا بھی اس کو ہدفِ جرح بنا دیتا ہے۔[۱۱] چنانچہ بے چارے واقدی کو محض اتنے سے قصور نے مجروح و بدنام کر دیا کہ وہ راوی حدیث ہو کر سیر و مغازی کے فن میں مشغول ہو گئے اور بہت غرائب نقل کرتے ہیں۔ پس وہ اس شغل کی وجہ سے فنِ حدیث میں مجروح ہیں مگر سیر و مغازی کے فن میں ان کا پایۂ امتیاز اسی طرح بلند ہے۔

پھر فرمایا، حقیقت یہ ہے کہ اسماء الرجال میں جرح و تعدیل کا معیار بھی بڑا نازک اور بڑا بے ڈھب واقع ہوا ہے۔ بعض محدثین نے اپنی ذاتی ناراضی سے دوسروں پر جرح کر ڈالی ہے۔ بعض نے محض کسی ناواجب شبہ کی بنا پر بلا تحقیق جرح کر دی۔ ایک محدث کسی شیخ کی طرف سماعتِ حدیث کے لیے گئے۔ دیکھا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہے اور اسے کُودا رہا ہے، بس اتنی سی بات پر اس کو مجروح قرار دے کر واپس چلے آئے کہ محدث کو شہسواری اور اسپ دوانی سے کیا سروکار۔ ایک اور محدث کسی شیخ الحدیث کے شہر میں پہنچے، ان کے محلے سے سرود (گانے) کی آواز سنائی دی تو بلا تحقیق و تجسس یہ سمجھ کر کہ یہ آواز انہی کے گھر سے آ رہی ہوگی، واپس چلے آئے اور ان پر جرح شروع کر دی۔ امام مالکؒ کے موطا کا جب چرچا ہوا تو ان کے استاد بھائی محمد ابنِ اسحاق[۱۲] نے لوگوں سے کہا:

ھاتو اعلم مالک فانا بیطارہ.

مالک کی کتاب مجھے تو دکھاؤ، میں اس کا نباض ہوں۔

امام کو یہ بات پہنچی تو ناراض ہوئے اور کہا:

ذالک دجال الدجاجلة ونحن اخرجناه من المدینة.

وہ تو بڑا دجال ہے اس لیے ہم نے اس کو مدینے سے نکال دیا۔

باقی رہی یہ بات کہ واقدی غزوات کے واقعات کو اس تفصیل سے بیان کرتا ہے کہ جس کا ذہن و حافظہ میں محفوظ و مربوط رہنا عموماً ممکن نظر نہیں آتا ہے اور اس لیے لوگوں کو اس پر دروغ بافی کا شبہ ہوتا ہے۔ تو یہ محض سوءِ ظن ہے۔ اس زمانے کے لوگوں کی قوتِ حافظہ کے کارناموں پر غور کرو تو واقدی کا کام ان کے مقابلے میں کچھ بڑھ کر نہیں۔ حدیث کا حافظ وہ کہلاتا ہے جس کو کم از کم ایک لاکھ مع اسناد یاد ہوں اور حافظ ابن حجر، حافظ سیوطی، حافظ ابن جوزیؒ، حافظ ابن قیمؒ اور حافظ مغلطائیؒ وغیرہ اس لیے حافظ کہلاتے ہیں کہ وہ لاکھ لاکھ حدیث کے حافظ تھے اور اس قسم کے حافظِ حدیث قرونِ سابقہ میں بے شمار گذر چکے ہیں۔ آج ہے ایسا کوئی عالم؟ جس کو لاکھ یا ہزار تو رہی الگ، سو دو سو حدیث بھی مع اسناد یاد ہوں۔ پھر یہ کیا اندھیر ہے کہ واقدی کے حافظے کی تنقید آج کل کے حافظہ کو بطور معیار سامنے رکھ کر کی جاتی ہے۔

اس کے بعد آپ نے دیوان متنبی کی شرح عکبری (جو پاس ہی پڑی تھی) اٹھا کر اس میں سے ابو العلا معرّی کا حال پڑھ کر حاضرین کو سنایا، جس کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے:

ابو العلا نابینا تھا اور ابھی بچہ ہی تھا کہ اس کی قوتِ حافظہ کے چرچے ہر طرف پھیل گئے۔ انطاکیہ کے ایک کتب خانہ کے مہتمم نے اس کا امتحان لیا۔ کسی غیر معروف اور مشکل کتاب کے ایک دو ورق پڑھ کر اس کو سنا دیے۔ پھر ابو العلا نے سنی ہوئی عبارت فر فر سنا دی۔

ابو العلا کے پڑوس میں ایک ایرانی آ بسا۔ مدت کے بعد ایک اور ایرانی اسے ملنے آیا۔ وہ گھر پر موجود نہ تھا۔ ابو العلا فارسی زبان نہیں جانتے تھے۔ اشارے سے ایرانی کو کہا کہ تم اپنا پیغام دے جاؤ۔ اس نے جو کچھ کہنا تھا فارسی میں کہا اور چلا گیا۔ ایرانی واپس آیا تو ابو العلا نے وہ پیغام اسی عبارت میں من وعن اس کو سنا دیا۔ ایرانی سن کر رونے لگا۔ ابو العلا

نے پوچھا، کیا بات ہے؟ ایرانی نے عربی میں بتایا کہ مجھ کو میرے کئی عزیزوں اور پڑوسیوں کی وفات کی خبر دی گئی ہے۔

ایک مرتبہ ابوالعلا بالا خانے کی کھڑکی میں بیٹھے تھے۔ ایک دکاندار اُن کے پڑوسی سے اپنے قرض کا مطالبہ کرنے آیا، ہاتھ میں فردِ حساب تھی۔ سب پڑھ کر سنائی۔ کچھ دنوں کے بعد ابولعلا نے اس قرض خواہ کو پریشان اور مضطرب پایا۔ پوچھا، کیا ہوا؟ وہ بولا، میری فردِ حساب گم ہوگئی ہے۔ کہا کہ خاطر جمع رکھو، ہم تمہاری فردِ حساب سن چکے ہیں، سب یاد ہے۔ اور پھر اس کو حساب کا حبّہ حبّہ لکھوا دیا۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا، جب صدرِ اسلام میں ایسے ایسے قوی الحافظہ لوگ ہو گزرے ہیں تو پھر واقدی پر لوگوں کو اس قدر تعجب کیوں آتا ہے کہ خواہ مخواہ ان کو کذب گوئی سے منسوب کرنا پڑا۔

حضرتؒ کی اصنافِ علوم پر جو محققانہ نظر ہے اور مطولاتِ کتب پر جو گہرا عبور ہے وہ ایک بیّن امر ہے مگر ان سب میں ایک خاص کتاب ایسی ہے جس کے ساتھ آپ کی دل بستگی سب سے زیادہ ہے۔ وہ مکتوباتِ امامِ ربانیؒ ہے۔ اس کتاب کے تمام مضامین تقریباً حفظ اور اس کے تمام مندرجہ معارف پر آپ پوری طرح حاوی ہیں۔ اکثر مسائلِ طریقت کے ذکر میں بطور استناد مکتوبات کا حوالہ ارشاد فرمایا کرتے ہیں اور کتاب میں سے بلا تامل وہ مقام نکال کر سنا دیتے ہیں۔

اس خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے مکتوبات شریف کو اپنے شیخِ طریقت قدس سرہٗ سے بتمام وکمال سبقاً سبقاً کئی بار (چار چار بار) پڑھا ہے جس کے لیے خاص وقت مقرر اور خلوت متعین تھی اور اس کی تعلیم دیگر کتب کی طرح صرف قال اور تلفظ پر منحصر نہیں تھی بلکہ اس میں حال اور ہمتِ باطن کا دخل تھا اور حضرتِ شیخ ہر سبق پر توجہ [۱۳] دیتے تھے۔ یہی وجہ کہ آپ مکتوبات کے صرف حافظ ہی نہیں بلکہ قدرت نے اس کتاب کے ادق اور زہرہ گداز مقامات کے اسرار بھی خاص آپ کے سینہ مبارک میں ودیعت کر دیے تھے۔ کیوں نہ

ہو، یہ دفترِ عظیم جس مشرب کا قانون اعظم ہے آج آپ اس کے تاجدار اور اس اقلیم کے شہریار ہیں۔

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے ایک خلیفہ مولانا محمد باقرؒ لاہوری نے مکاتیبِ ستہ (یعنی مکتوباتِ امام ربانی قدس سرہٗ کی تین جلدیں اور تین ہی جلدیں مکتوباتِ خواجہ محمد معصوم کی) کا خلاصہ خاص جامعیت کے ساتھ مرتب کیا تھا جس کا نام کنزالہدایات ہے۔ یہ کتاب نقشبندیہ سلسلہ میں بطور نصابِ تعلیم رائج ہے اور وہ ہمارے حضرتؒ کے تحریر کردہ حواشی کے ساتھ امرتسر باہتمام مولوی نور احمد صاحب پسروریؒ چھپ چکی ہے۔ آپ نے اس کے ہر فقرہ اور ہر مسئلے کا حوالہ حواشی پر دے دیا ہے کہ وہ مکتوب کی کونسی جلد اور کس مکتوب سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس سے آپ کے حافظِ مکتوبات ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور حافظ بھی صاحبِ استحضار، ورنہ ہر حافظِ قرآن بھی قرآنی آیات کا پتا بتانے پر پوری طرح قادر نہیں ہوتا۔

درسِ حدیث

خاکسار راقم اگلے سال خانقاہ شریف حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرتِ اعلیٰ نے ترمذی شریف کا درس شروع کر رکھا ہے۔ کئی مستند و تحصیل یافتہ علماء حلقہ درس میں شامل ہوتے ہیں۔ تنقید روایات، تعدیل رواۃ، بیانِ مذاہب اور استنباطِ مسائل وغیرہ پر آپ اس قدر تحقیق و تدقیق فرماتے ہیں کہ صلِ علیٰ وسبحان اللہ۔ مولوی غلام رسول (لوٹھری ضلع ملتان) جو خود بارہا صحاح ستہ پڑھا چکے ہیں ان کا بیان ہے کہ ایسا محققانہ درس ہندوستان کی کسی درسگاہ میں شاید ہی ہوتا ہو۔ ایک روز کسی صاحب نے عرض کیا کہ کیا بخاری کے راویوں میں شیعہ خارجی وغیرہ بھی شامل ہیں؟ فرمایا، بے شک ہیں مگر اس سے صحیح بخاری میں کوئی نقص لازم نہیں آتا کیونکہ وہ شیعہ آج کل کے شیعوں کے سے نہیں تھے۔ (میزان الاعتدال، امام ذہبی، جلد ا، آغاز) وہ غالی نہ تھے، متعصب نہ تھے بلکہ اُن میں اور اِن میں محض اشتراکِ اسمی ہے۔ پھر فرمایا، جب حدود میں روافض وخوارج کی شہادت مقبول ہے، جو حدیث سے زیادہ

اہم ہے تو پھر روایتِ حدیث میں ان کی شہادت کیوں مقبول نہ ہو۔ پھر فرمایا، آج کل تکفیر کی عام گرم بازاری ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر ایک مسلمان کو کافر قرار دے دیا جاتا ہے۔ اُس زمانے کے شیعہ و خارجی ایسے متعصب غالی نہ تھے اور اس عہد مبارک کے مسلمان بھی کسی مسلمان کی تکفیر میں جلدی نہیں کرتے تھے۔ پھر ہنس کر فرمایا، آج کل شاید اس لیے بلا تامل ہر مسلمان کو کافر بنا دیا جاتا ہے کہ اب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی ہے۔ پہلے زمانے میں مسلمان کم تھے اس لیے قلتِ تعداد کے خوف سے کسی کو کافر نہیں ٹھہراتے تھے، بخلاف اس کے کہ آج کل خفیف سے خفیف قصور سے بھی چشم پوشی نہیں کی جاتی اور فوراً کفر کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل تکفیر کی اہمیت نہیں رہی یعنی اگر کسی کو کافر کہہ دیا جائے تو اس کو کچھ بھی ملال نہیں ہوتا بخلاف اس کے وہابی کے لقب میں زیادہ اہمیت ہے چنانچہ اگر کسی کو وہابی کہہ دیا جائے تو وہ کٹ مرتا ہے۔

ایک دن اثنائے سبق میں خادم نے عرض کیا کہ امام صاحب نے جو فرمایا ہے کہ جب کوئی صحیح حدیث میرے قول کے خلاف ملے تو حدیث پر عمل کرو اور میرے قول کو ترک کر دو۔ اس پر عمل کوئی نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا، عمل کرنا چاہیے اور ضرور کرنا چاہیے مگر اس کے لیے فہمِ حدیث اور تفقہ فی الدین لازم ہے۔ اور جو شخص ان اوصاف سے متصف ہے اس کو چاہیے کہ حدیث کو فقہ سے مقدم سمجھے۔ (۱۴)

ردِّ مذاہبِ باطلہ و تحقیق مسائل خلافیہ

مرزائے قادیانی کی دجّالیت

ایک مرتبہ فرمایا، مرزائے قادیانی کے لیے صرف ایک دلیل ہی کافی و شافی ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ہے کہ آئندہ زمانے میں بہت سے دجّال پیدا ہوں گے اور ہر ایک کا یہ دعویٰ ہوگا کہ میں نبی ہوں۔ پس دجّال کی شناخت کا یہ معیار کس قدر آسان اور عام فہم ہے جس کو ایک غبی سے غبی انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ وہ انا نبی کا دعویٰ کرے گا۔ اب جس شخص کو انا نبی دعویٰ کرتے ہوئے دیکھو، فوراً سمجھ لو کہ دجّال ہے۔ کیونکہ نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کے لیے ختم ہو چکی ہے۔ جس کے بعد ان نبی کے قول میں کسی قسم کا اختلاط صدق و دیانت کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا۔ یعنی اگر کوئی شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کے متعلق یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ شاید وہ نبی ہو اور سچ کہتا ہو بلکہ فوراً اس کے کذاب و دجّال ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ دجل کے معنی ہیں حق و باطل کو اِس قدر مختلط کرنے کی کوشش کرنا کہ عوام الناس اس کی تمیز نہ کر سکیں۔ پس جو مدّعی کاذب خواہ مخواہ نبی بن بیٹھے وہ دجّال ہے۔ اس کا علاج یہ حدیث ہے۔ [۱۵]

حضرت شاہ اسمٰعیل دہلویؒ

ایک مرتبہ خاکسار سے فرمایا، حضرت شاہ اسمٰعیل دہلوی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ میں متامل ہوا اور دل میں سوچا کہ کیا عرض کروں؟ ان کے متعلق لوگوں کے مختلف خیال ہیں۔ معلوم نہیں حضرت کی کیا مراد ہو اور میں کیا عرض کر بیٹھوں۔ ناچار یہ گول مول جواب عرض کیا کہ لوگ ان کو غیر مقلد کہتے ہیں اور ان کی ایک کتاب تقویۃ الایمان میں کچھ کلمات ایسے بتاتے ہیں جن پر لوگوں کو سخت اعتراض ہیں۔ آپ نے فرمایا، اگر ان کی ایک معتبر کتاب سے یہ ثابت ہو کہ وہ ایک کامل صوفی اور پورے متادب بآدابِ طریقت تھے تو پھر ان کے نام سے تقویۃ الایمان کی نسبت [۱۶] غلط قرار پائے گی یا نہیں۔ پھر آپ نے

مولانا شاہ اسمٰعیل دہلویؒ کی ایک کتاب بنام ''عبقات'' کھول کر اس کی یہ ابتدائی سطور پڑھ کر سنائیں:

ان معرفة الله اجمالا بذر اشجار الطاعات دماء مردج الحسنات تفصيلا ثمرة جنان العبادات وذروة رياض الخيرات قد خص لها احرار الفئام و تسابق اليها فرسان الاقوام كيف لا والمورد العذب كثير الزحام وللصوفية الصافية من بينهم يدٌ طولٰى وكعبُ عليا لم يبلغ احد من فرسان القوم الٰى هٰذا لامد.[1]

ترجمہ: اللہ کی معرفت اجمالی طور پر طاعت کے درختوں کا بیج اور نیکیوں کی چرا گاہوں کا پانی ہے اور تفصیلی طور پر عبادات کے باغوں کا میوہ اور نیکیوں کے گلزاروں کا بلند مقام ہے۔ جس کے لیے احرارِ امم مخصوص ہیں اور اس کی طرف شہسوارانِ اقوام پیش قدمی کرتے ہیں۔ کیوں نہ ہو میٹھے پانی کے گھاٹ پر ہجوم ہوا ہی کرتا ہے اور صوفیہؒ باصفا کو اس میں ان سب سے زیادہ دخل اور بلند درجہ حاصل ہے۔ اس انتہا کو شہسوارانِ قوم میں سے اور کوئی نہیں پہنچا۔

پھر حضرت شیخ اکبرؒ اور حضرت مجدد صاحبؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کی تعلیمات طریقت سے اپنے استفادہ کا ذکر درج تھا اور باقی کتاب کی ورق گردانی کی گئی تو اس میں تصوف و طریقت کے وہ بلند پایہ اسرار و معارف مندرج پائے جن کے تصور سے بھی ایک وہابی پر لرزہ طاری ہونے لگے۔ چہ جائیکہ ایک وہابی ان کا قائل ہو یا ان کے قائل کو وہابیت سے منسوب کیا جائے۔ (۱۷)

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی نظر میں حضرتِ اعلیٰ کی قدر و منزلت

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے حضرت شیخ الہند کے ترجمے پر قرآنِ عزیز کی تفسیر لکھی

۱۔ طبع جدید، علمی، کراچی، ص ۲

تھی جو مدینہ پریس بجنور سے طبع ہوئی۔ البتہ اس میں سورۃ بقرہ کی تفسیر حضرت شیخ الہند کی تحریر کردہ ہے۔ حضرتِ اعلیٰ نے اس تفسیر کے مطالعہ کے بعد علامہ عثمانیؒ کی خدمت میں ایک گرامی نامہ ارسال فرمایا جس میں تحریر کیا کہ آپ نے یہ تفسیر لکھ کر اہلِ اسلام پر ایک احسانِ عظیم فرمایا ہے اور میں روزانہ تہجد کی نماز پڑھ کر آپ کی درازئ عمر کی دعا کرتا ہوں کہ یہ علمی فیضان آپ کی ذات سے برابر جاری رہے۔

حضرتِ اعلیٰ کے وصال کے بعد حضرت ثانیؒ، حضرت خواجہ خان محمد صاحبؒ، حضرت جان محمد صاحب باگڑ والے اور ڈاکٹر محمد شریف صاحب ایک مرتبہ دیوبند تشریف لے گئے۔ ان ایام میں علامہ عثمانیؒ ریاحی امراض کے باعث صاحبِ فراش تھے، نیز حضرت ثانیؒ کو علامہ موصوف سے شرفِ تلمذ بھی حاصل تھا لہٰذا ان کی زیارت کو باعثِ برکت سمجھتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علامہ عثمانیؒ نے ان نفوسِ قدسیہ کو گھر کے اندر بلوا لیا اور گفتگو کا آغاز اس طریق پر فرمایا کہ میرے خصوصی معالج مجھے زیادہ گفتگو سے منع کرتے ہیں لیکن میری لطافت اور فکری صلاحیتیں حالتِ مرض میں عام لوگوں کے برعکس زیادہ ابھرتی اور جِلا پاتی ہیں۔ آپ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا، بعض لوگ ظاہری علوم پڑھتے ہیں اور کسی شیخِ طریقت کی صحبت سے مستفید نہیں ہوتے جس کے باعث وہ خشک ملّا رہ جاتے ہیں۔ امورِ شرعیہ میں ایسے لوگوں کی تائید و توثیق کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ کچھ لوگ علم سے بے بہرہ ہوتے ہیں مگر کسی شیخ کی صحبت میں رہ کر ذکر و شغل کی کیفیات حاصل کر لیتے ہیں، ان کی تائید و تصدیق بھی درخورِ اعتنا نہیں۔ پھر آپ نے حضرت مولانا محمد عبداللہؒ ثانی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، آپ کے شیخ راسخ فی العلم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علومِ شرعیہ سے کماحقہٗ نوازا تھا اور انہوں نے شیخِ کامل کی صحبت میں تمام منازلِ عرفان کو بھی طے کیا تھا۔ میری تفسیر کے مطالعے کے بعد جو گرامی نامہ انہوں نے مجھے لکھا ہے اسے میں نے حرزِ جاں سمجھ کر محفوظ رکھا ہے اور اپنے اعزہ و اقارب کو نصیحت کی ہے کہ میری وفات کے بعد اسے میری قبر میں رکھ دیا جائے تاکہ میرے لیے نجاتِ اُخروی کا وسیلہ بن سکے۔ اہلِ طریقت کی

ایمان افروزی کے لیے ہم علامہ عثمانی کا جواب، جوانہوں نے حضرتِ اعلیٰ کی خدمت میں بھیجا تھا، زیبِ قرطاس کرتے ہیں:

از بندہ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

بخدمت گرامی مکرم و معظم جناب مولانا صاحب دامت برکاتہم!

بعد سلام مسنون آنکہ، مدت ہوئی والا نامہ پہنچا تھا۔ میں مشغول بہت رہا، پھر علیل ہو گیا، آنکھوں میں تکلیف تھی جس سے نوشت و خواند کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا، اب الحمد للہ افاقہ ہے۔ آپ جیسے بزرگوں کی نظرِ عنایت اور دعواتِ صالحہ کا امیدوار ہوں۔ اگر میری کتاب اور فوائدِ قرآن سے جناب کو دلچسپی ہوئی اور آپ کی نگاہ میں پسندیدہ ٹھہری تو میں اس کو اپنے لیے اور کتاب کے حق میں فالِ نیک سمجھتا ہوں، شاید وہاں بھی حق تعالیٰ توشہ آخرت بنا دیں۔ حسنِ خاتمہ کے لیے دعا فرما کر بندے کو ممنون فرمائیں۔

از ڈابھیل ضلع سورت

یومِ عاشورا ۱۳۵۶ھ، بمطابق دسمبر ۱۹۳۸ء

حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کی خانقاہ سراجیہ میں تشریف آوری

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری مولانا حسین علی صاحبؒ کی دعوت پر میانوالی تشریف لائے۔ تشریف آوری کا مقصد بعض فروعی مسائلِ شرعیہ پر تصفیہ و تحقیق تھا۔ اس اجتماع میں مولانا سیّد بدر عالم صاحبؒ، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ، مولانا مرتضیٰ حسنؒ، سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ اور دیگر اکابر علماء شریک تھے۔ حضرتِ اعلیٰؒ، مولانا انور شاہ صاحبؒ سے ملاقات کے لیے میانوالی تشریف لے گئے اور انہیں خانقاہ سراجیہ آنے کی دعوت دی جسے انہوں نے قبول فرمایا۔ علامہ کشمیریؒ کی موجودگی میں مولانا حسین علی صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت احمد خان صاحب میرے پیر بھائی اور ہم مسلک ہیں مگر بدعات کی تردید میں شدت اختیار نہیں کرتے حالانکہ قرآن عزیز میں وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کی نصِ قطعی موجود ہے۔ حضرتِ اعلیٰ نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ جہاد سے متعلق ہے اور اس

کا مصداق کفار ہیں جن پر شدت کا حکم دیا گیا ہے مگر دین کی تبلیغ واشاعت کے سلسلہ میں فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّناً کا ارشاد ہے۔ علامہ کشمیری نے حضرتِ اعلیٰ کی رائے مبارکہ سے اتفاق فرمایا۔

حضرتِ اعلیٰ نے خضاب بالسواد (سیاہ خضاب) کے جواز میں بہت تحقیق کی تھی۔ علامہ کشمیری کی خانقاہ سراجیہ تشریف آوری کے بعد آپ نے اپنے تحقیقی مآخذ اور تفصیلات کو ان کی خدمت میں پیش کیا جس پر حضرت انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں ہر چند علمائے دیوبند کا اختلاف ہے تاہم اتنی گراں بہا تحقیق کے پیشِ نظر آپ کے لیے گنجائش کی صورت نکل سکتی ہے۔ حضرتِ اعلیٰ کی تحقیق کا ماحاصل یہ ہے: مسلم شریف کتاب اللباس والزینته میں حدیث جابر رضی اللہ عنہ غَيِّرُوْا هٰذَا بِشَیْءٍ وَّاجْتَنِبُوا السَّوَادَ (بالوں کی اس سفیدی کو کسی چیز سے بدل دو اور سیاہی سے پرہیز کرو) میں وَّاجْتَنِبُوا السَّوَادَ کی زیادتی تنقیدِ رجال کے بعد ثابت نہیں۔ خلاصۂ بحث یہ ہے کہ اس حدیث کے چار راوی ہیں، جن میں دو ثقہ اور دو مدلّس ہیں۔ مدلّس راویوں کی روایت میں وَّاجْتَنِبُوا السَّوَادَ مروی ہے۔ جب دو ثقہ راویوں سے پوچھا گیا کہ هل روىٰ جابر رضی اللہ عنہ وَّاجْتَنِبُوا السَّوَادَ تو انہوں نے کہا، لا. یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے وَّاجْتَنِبُوا السَّوَادَ کا جملہ روایت نہیں کیا۔ پس غَيِّرُوْا هٰذَا بِشَیْءٍ کی روایت صحیحہ کہ سفید بالوں کا رنگ بدل لیا کرو ایک حکمِ عام ہے۔ خواہ سفیدی پر سیاہ رنگ کا خضاب کیا جائے یا اسے مہندی یا سمہ وغیرہ سے بدل دیا جائے۔

آپ امامِ نقشبندیہ ہیں

حضرتِ اعلیٰ کے علامہ سیّد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کشمیری سے بہت قریبی مراسم تھے (مفتی محمد شفیع صاحب بانی سراج العلوم سرگودھا نے یہ واقعہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہٗ شیخ التفسیر جامعہ بہاولپور سے بیان کیا اور مولانا موصوف سے حضرت خان محمد صاحب قبلہ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ نے سنا)۔ آپ ایک مرتبہ ان سے ملاقات کے لیے دیوبند تشریف لے گئے۔ وہاں قیام کے دوران ایک روز حضرت علامہ نے اثنائے گفتگو حضرتِ اعلیٰ سے فرمایا کہ

مولانا! حدیث شریف کا درس دیتے ہوئے کبھی کبھی مجھے حلقہ درس میں عفونت کا احساس ہوتا ہے جبکہ پیشتر درس کی فضا لطافت و پاکیزگی سے معمور ہوا کرتی تھی۔ حضرتِ اعلیٰ نے اگلے دن شاہ صاحب سے فرمایا کہ آپ کے درس میں بعض طلبہ کا بے وضو اور ناپاک حالت میں شریک ہونا آپ کے اس احساس اور ناگواری کا باعث ہے۔ تحقیق کرنے پر حضرتِ اعلیٰ کا ارشاد درست نکلا۔ چنانچہ حضرت علامہ نے حضرتِ اعلیٰ کے اس ارشاد کو اپنے ہم عصر علماء کے سامنے پیش کر کے بے حد تعریف کی اور فرمایا کہ حضرت مولانا احمد خان صاحب اس وقت سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے امام اور عارفِ کامل ہیں۔

حضرت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے لیے دُعا

حضرت خان محمد صاحب قبلہ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ نے بیان فرمایا کہ حضرت سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ راولپنڈی جیل میں اسیر تھے۔ وہاں مولانا ظہور احمد صاحب بگوی بھیروی نے ان سے ملاقات کی۔ شاہ جی نے مولانا کے ہاتھ حضرتِ اعلیٰ کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ آپ زندہ ہوں اور میں جیل کی کال کوٹھڑی میں بند رہوں، یہ بات مناسب نظر نہیں آتی۔ مقصود رہائی کے لیے دعا کی درخواست تھی۔ حضرت سجادہ نشین (بابا جیؒ) نے فرمایا، اُن دنوں میں بھیرہ میں درسیاتِ عربیہ کا طالبِ علم تھا۔ مولانا موصوف نے یہ پیغام مجھے پہنچایا۔ میں حضرتِ اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شاہ جی کا پیغام دیا۔ حضرتِ اعلیٰ نے فرمایا، اگر علالتِ طبعی حائل نہ ہوتی تو میں شاہ جی کو ایک دن بھی جیل میں نہ رہنے دیتا۔ اس کے بعد لدھا رام والے مشہور کیس کی سماعت شروع ہوئی۔ یہ حضرتِ اعلیٰ کی توجہ اور دعا کی تاثیر تھی کہ شاہ صاحب نے اس اسیری اور بھیانک سازشوں پر مبنی مقدمہ سے نجات پائی۔

آخری علاج اور رحلت

نابینا حکیم عبدالوہاب صاحب کے علاج سے بھی مرض کا ازالہ نہ ہوسکا۔ چنانچہ اس کے بعد متعدد ڈاکٹروں اور اطباء کا علاج جاری رہا۔ بالآخر کانپور کے احباب کی استدعا پر ۲۲ر

مارچ ۱۹۴۱ء کو حضرتِ اعلیٰ علاج کے لیے کانپور تشریف لے گئے۔ وہاں ڈاکٹر عبدالصمد صاحب مشہور و معروف تھے اور حضرتِ اعلیٰ سے عقیدت و محبت کا رابطہ بھی رکھتے تھے۔ ان کے علاج سے مرض میں افاقہ ہوا، حضرتِ اعلیٰ کافی حد تک صحت یاب ہو گئے اور کلکتہ جانے کا پروگرام بنایا۔ آپ کے خلیفۂ مجاز سیّد عبدالسّلام شاہ صاحب کلکتہ میں آپ کے قیام کے انتظامات مکمل کرنے کے لیے آپ سے پہلے تشریف لے گئے۔ حضرتِ اعلیٰ روانگی سے ایک روز قبل سحری کے وقت بیدار ہوئے، اہلیہ محترمہ وضو کے لیے پانی لینے گئیں، آپ نے بحالتِ مراقبہ تکیہ پر سر رکھا اور تھوڑی دیر بعد اسی حالت میں رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔

افسوس صد افسوس کہ ۱۲ / صفر ۱۳۶۰ھ / ۱۴ / مارچ ۱۹۴۱ء کو یہ آفتابِ علم و عرفان، جس نے فلکِ رشد و ہدایت پر طلوع ہو کر تقریباً تیس سال تک عالمِ ہست و بود کو اپنی ضیا پاش شعاعوں سے منور کیا تھا، وہ آفتاب جس کی بدولت صحرا کے ذرے جگمگائے، دلوں کی مردہ زمیں لہلہا اٹھی، جبینیں خاکِ حرم سے آشنا ہو گئیں، عمر کی تریسٹھ منزلیں طے کر کے کانپور کے افق میں غروب ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ.

حضرتِ اعلیٰ کے خادمِ خاص اور نامزد جانشین مولانا محمد عبداللہ صاحب آپؒ کی وفات سے قبل کانپور پہنچ چکے تھے۔ جب تقدیرِ الٰہی سے یہ سانحہ پیش آیا تو فوراً آپ کا جنازہ تیار کیا گیا اور ریل گاڑی میں آپ کے جسدِ مبارک کو کندیاں لایا گیا۔ حضرتِ اعلیٰ کی وفات کی خبر مختلف ذرائع سے پھیل چکی تھی۔ راستہ میں متعدد اسٹیشنوں پر وابستگانِ سلسلہ گاڑی میں سوار ہوتے رہے۔ غرض ۱۴ / صفر ۱۳۶۰ھ کو آپ کا جنازہ خانقاہ شریف پہنچا۔ ہر طرف سے لوگ جوق در جوق نمازِ جنازہ میں شرکت کے لیے آ رہے تھے اور بہت سے پہنچ چکے تھے۔ نامزد جانشین مولانا محمد عبداللہ صاحب کی امامت میں ایک کثیر جماعت نے نمازِ جنازہ ادا کی اور خدام نے بصد حسرت و یاس اپنے ہادیٔ محبوب اور پیشوائے کامل کو، جس پر ہر خادم سو جان سے فدا تھا، مشیتِ الٰہی پر راضی رہتے ہوئے آغوشِ لحد میں رکھ دیا۔

ہر چشم اشک بار تھی

ہر دل فگار تھا

آپؒ نے رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے مطابق ۶۳ سال عمر پائی۔ اس لحاظ سے فطرتِ الٰہی نے حضرتِ اعلیٰ کے اتباعِ سرورِ کائنات ﷺ پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔

عطر اللہ مضجعه و نور اللہ مرقدہٗ و امطر علیه

شآبیب الرضوان بفضله العمیم والاحسان.

حضرتِ اعلیٰؒ کی اولاد

آپؒ کی اولاد کی تفصیل شجرۂ نسب میں درج ہے:

شجرۂ نسب مجددِ عصر قیومِ دوراں مولانا ابوالسعد احمد خانؒ
(پیدائش ۱۸۸۰ء، وفات ۱۲ر صفر المظفر ۱۳۶۰ھ/ ۱۱ر مارچ ۱۹۴۱ء)
محمد معصوم
محمد باقی
حیات بی بی
محمد صادق (اوّل)
محمد سعید
سعیدہ بی بی
عائشہ بی بی
محمد ابوسعید
محمد سراج الدین
محمد صادق (ثانی)
حمیدہ بیگم
امّ کلثوم
خدیجہ بی بی
ملک احمد سعید
زینب بی بی
امّ کلثوم
ملک عبدالرحمٰن
ملک محمد شفیق
ملک محمد وکیل
زیب النساء
حاجرہ بی بی
آمنہ بی بی
ملک محمد باقی
محمد عارف
محمد زاہد
حمیدہ بی بی
محمد سہیل ملک
جمیلہ ملک
عقیلہ ملک
شکیلہ ملک
محمد قیصر سہیل
محمد نعمان
فرخندہ
نیلوفر
تابندہ
عروج
بینا
کومل
محمد آصف
مریم
ماریہ گل
احمد معصوم
محمد عادل معصوم
محمد حامد سراج
اسماء بی بی
میمونہ بی بی
محمد راشد
شانزا سہیل
اسفند سعید
ہمایوں سعید
فہیلہ سہیل
شائل قیصر
بشائر قیصر
نورہ قیصر
انعام الرحمٰن
ایمان بتول
محمد حشام
ہادیہ
امامہ ملک
حفصہ ملک
اسامہ احمد خان
قدامہ احمد خان
نوّیر راشد
حذیفہ احمد خان
محمد احمد خان

شجرۂ اولاد و احفاد حضرت اعلیٰ مولانا ابوالسعد احمد خان قدس سرہٗ

حضرتِ اعلیٰ نے اپنے قلم سے ''دلائل الخیرات'' کے صفحات پر مندرجہ ذیل فرزندان (فرزند: ۷، دختر: ۶) کی تاریخ ہائے پیدائش و وفات درج فرمائیں:

حضرتِ اعلیٰ کے خلفاء

خلفاء کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ جانشینِ حضرتِ اعلیٰ، نائبِ قیومِ زماں حضرت محمد عبداللہ صاحبؒ لدھیانوی
۲۔ حضرت مولانا سیّد عبداللہ شاہ صاحبؒ
۳۔ حضرت مولانا قاضی صدرالدین صاحبؒ
۴۔ حضرت حاجی میاں جان محمد صاحب قدس سرہٗ
۵۔ مولانا سیّد عبدالسّلام شاہ صاحبؒ
۶۔ حضرت مولانا مفتی عبدالغنی صاحبؒ
۷۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ
۸۔ حکیم مولانا عبدالرسول صاحبؒ
۹۔ حضرت مولانا سیّد مغیث الدین شاہ صاحبؒ
۱۰۔ مولانا محمد زمان صاحبؒ
۱۱۔ حضرت شیخ محمد مکرانی قدس سرہٗ
۱۲۔ مولانا نذیر احمد عرشیؒ دھنولوی
۱۳۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ
۱۴۔ حضرت سیّد مختار احمد شاہ صاحبؒ
۱۵۔ حضرت مولانا سیّد جمیل الدین احمد صاحبؒ
۱۶۔ حضرت مولانا پیر سیّد لعل شاہ صاحبؒ
۱۷۔ مولانا احمد دین صاحبؒ کیلوی، ضلع سرگودھا
۱۸۔ حکیم حافظ چن پیر صاحبؒ
۱۹۔ حضرت مولانا عبدالستار صاحبؒ

۲۰۔ مولانا سراج الدین صاحبؒ رانجھا

۲۱۔ حضرت مولانا نصیر الدین صاحب بگویؒ

۲۲۔ حضرت میاں اللہ دتہ صاحبؒ سرگانہ

۲۳۔ حضرت فقیر سلطان صاحبؒ سرگانہ

۲۴۔ حضرت مولانا مفتی عمیم الاحسان صاحبؒ

۲۵۔ حضرت مولانا مہر دین احمد صاحبؒ

۲۶۔ حضرت علی بہادر صاحبؒ

۲۷۔ عالی جناب ڈاکٹر محمد شریف صاحب قدس سرہٗ

۲۸۔ جناب مستری ظہور الدین صاحبؒ

۲۹۔ حضرت مولانا نور احمد صاحبؒ

۳۰۔ جناب حاجی عبدالوہاب صاحبؒ (تاجرِ چرم کان پور و کلکتہ)

۳۱۔ جناب میاں محمد قریشی صاحب لائل پوریؒ

۳۲۔ ملک اللہ یار صاحبؒ

۳۳۔ جناب مستری نیاز احمد صاحبؒ

حواشی

۱۔ حکیم صاحب حضرتؒ کے ایک خلیفہ مجاز، علومِ دین کے فاضل اجل صاحبِ تصانیف اور نامی طبیب ہیں۔ مقام بھکر بار، ضلع شاہ پور ہے۔

۲۔ وجہ کراہت وہی ہے جس پر نماز با جماعت میں لڑکوں کی صف کو بڑی عمر کے مردوں کی صف سے مؤخر رکھنے کا حکم مبنی ہے یعنی ان کی صورت کا جاذبِ طبع اور موجبِ فتنہ ہونا۔ پھر جب حسنِ صورت کے ساتھ حسنِ صوت بھی جمع ہو وہ بھی ترنم اور غنا کے ساتھ تو اس کے فتنے کا کیا ٹھکانہ۔

خوبی روی و خوبی آواز   مے برد ہر یکے بہ تنہا دل
چوں شود جمع ہر دو در یک جا   کارِ صاحبدلاں شود مشکل

۳۔ ملاحظہ ہو مکتوب نمبر ۲۶۶ دفتر اوّل بنام صاحبزادگان خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ دربارہ حرمت نغمہ و سرود و قصیدہ خوانی۔

۴۔ عبادات میں فرائض اور آدابِ فرائض کا اہتمام باطبع وجوہ اور نوافل طاعات کا التزام بتوسط و اعتدال ۱۲۔ مفتی عطا محمد سلمہٗ

۵۔ یعنی "اللہ نے تو سچ فرمایا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹ بولتا ہے۔" یہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے، پوری حدیث یوں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! میرے بھائی کو دَست لگ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، شہد پلاؤ۔ اس نے شہد پلایا تو دَست زیادہ ہو گئے۔ اسی طرح تین مرتبہ حکم ہوا کہ شہد پلاؤ۔ چوتھی مرتبہ اس نے پھر آ کر حال بیان کیا تو حکم ہوا، شہد پلاؤ۔ اس نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! ہر مرتبہ شہد پلانے سے دست زیادہ ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ نے سچ فرمایا کہ شہد میں شفا ہے مگر تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ چوتھی مرتبہ پھر شہد پلایا تو شفا ہو گئی۔ (مشکوٰۃ)

۶۔ دفتر دوم مکتوباتِ امامِ ربانی کے پندرہویں مکتوب میں وارد ہے کہ بلدۂ سامانہ کے خطیب نے عیدِ قربان کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا ذکر عمداً ترک کر دیا اور جب ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو اس نے دریدہ ذہنی سے جواب دیا کہ اگر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا ذکر نہیں ہوا تو اس میں کیا حرج ہے؟ اس پر حضرت امام ربانیؒ نے سادات سامانہ کے نام اس گستاخ خطیب کی فہمائش کے لیے یہ الفاظ تحریر فرمائے، "ذکرِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

اجمعین گرچہ از شرائطِ خطبہ نیست ولیکن از شعائرِ اہلِ سنت است۔شَکَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی سَعْیَھُمْ.
ترک نکند آں را بہ عمد ونمر دمگر کسیکہ دلش مریض است و باطنش خبیث۔''

ترجمہ: خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کا ذکر اگرچہ خطبہ کی شرائط میں سے نہیں لیکن اہلِ سنت والجماعت (اللہ تعالیٰ ان کی مساعی قبول فرمائے) کا امتیازی نشان ہے۔اسے ارادے اور سرکشی سے وہی ترک کرتا ہے جس کا دل مریض ہے اور اس کا باطن خبیث۔

۷۔ حضرت مولانا سیّد انور شاہ صاحب صفر ۱۳۵۲ھ میں انتقال فرما گئے۔رحمۃ اللہ علیہ۔مکرمی مولوی عبدالغنی ساکن مالیر کوٹلہ فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب کے ایک شاگرد و مرید بیان کرتے ہیں کہ آپ کی وفات سے چند روز قبل میں نے عرض کیا، حضرت! اس زمانے میں سب سے بڑا شیخِ طریقت کون ہے؟ تو فرمایا، آج سب سے بڑے عارفِ کامل مولانا ابوالسعد احمد خان کندیاں والے ہیں۔

۸۔ غالباً یہ بزرگ حضرت کے اساتذہ میں سے ہیں جن کا نام مولانا غلام محمد صاحب قریشی ساکن موضع سیل گھنڈی، ضلع میانوالی ہے۔

۹۔ حضرتِ اعلیٰ اہم مسائل کے متعلق نوٹ دینے کا خاص سلیقہ سے اہتمام فرماتے تھے۔کسی اور مطالعہ کرنے والے کو نوٹ لکھنے کی اجازت نہ تھی۔البتہ مولانا احمد دین کیلوی اور حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب نامزد جانشین مستثنیٰ تھے۔پھر حضرت ثانیؒ کے عہد مبارک میں قاضی شمس الدین صاحبؒ اور مفتی عطا محمدؒ اس کے مجاز تھے۔(محبوب الٰہی عفی عنہ)

۱۰۔ آپ نے تحصیلِ حدیث سے فراغت مدرسہ عربیہ کانپور سے فرمائی جہاں مولانا عبیداللہ صاحب بکھڑویؒ استادِ حدیث تھے۔

۱۱۔ مراد یہ ہے کہ ایسے فنون جو کتاب وسنت سے مستنبط نہ ہوں ان میں انہماک واشتغال بھی محدثین کے نزدیک پسندیدہ نہیں اور روایت حدیث کے بارے میں ایسا راوی مجروح قرار دیا جا سکتا ہے بشرطیکہ یہ انہماک روایت حدیث کے سلسلہ میں طبیعت میں ملکہ تسامح پیدا ہو جانے کا سبب بن گیا ہو پھر چونکہ جرح میں ناقد کے وجدان یا اس کے ظنون واوہام کا دخل بھی ہو سکتا ہے اس لیے وجوہِ جرح کی تحقیق ضروری ہے۔خصوصاً اس وقت جبکہ ایک معاصر اپنے ہم عصر پر جرح کر رہا ہو کیونکہ ہوسکتا ہے وہ المعاصر ۃ اصل المنافرۃ کے تحت ضابطۂ عدل میں تسامح سے کام لے رہا ہو۔(مفتی عطا محمد سلمہٗ)

۱۲۔ امام مالک اور محمد ابنِ اسحاق دونوں زہری کے شاگرد ہیں۔

۱۳۔ حضرتِ ثانی مولانا وسیّدنا محمد عبداللہ قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ حضرتِ اعلیٰ نے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مولوی صاحب! ''ایک وعدہ تم کرو ایک وعدہ میں کرتا ہوں۔'' میں نے عرض کیا، حضرت! جو کچھ ارشاد فرمائیں خادم بغیر پوچھے وعدہ کرتا ہے کہ پابندی کرے گا۔ یہ سن کر حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ تم یہ وعدہ کرو کہ جب تک مکتوباتِ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ختم نہ ہوگا گھر نہیں جاؤں گا اور میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ ہر مکتوب پر توجہ دوں گا۔ درس شروع ہوگیا، کچھ دنوں کے بعد حضرت خواجہ نے دریافت فرمایا، کچھ فائدہ محسوس ہورہا ہے؟ باوجودیکہ اس وقت تک مجھے فائدہ کا کوئی احساس نہ ہوا تھا محض اس خیال سے کہ حضرت کی طبیعت سرد نہ ہو عرض کیا، حضرت! بہت فائدہ ہورہا ہے۔ اور اب تقریباً تیس سال گزرنے پر ان توجہات سے حقائقِ طریقہ مجددیہ منکشف ہو رہے ہیں۔ نیز حضرتِ اعلیٰ نے اس سلسلہ میں کہ ''بعض دفعہ توجہاتِ شیخ کے اثر کا احساس کافی زمانہ گزرنے کے بعد ہوتا ہے'' یہ واقعہ نقل فرمایا ہے کہ حضرت خواجہ محمد عثمان قدس سرہٗ کو حضرت حاجی دوست محمد قندھاری قدس سرہ العزیز نے قرآن مجید سبقاً سبقاً پڑھایا تھا اور توجہاتِ خاصہ مبذول فرمائی تھیں۔ اس وقت تو حضرت خواجہ محمد عثمان کو نمایاں فوائد محسوس نہ ہوئے مگر جب حج کے لیے تشریف لے گئے اور عدن سے جہاز گزر رہا تھا تو یک لخت اسرار آیات متشابہات منکشف ہونے لگے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ یہ ان توجہات کا ثمر ہے جو بوقت درس حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے فرمائی تھیں۔ (مفتی عطا محمد سلمہٗ وفقیر محمد محبوب الٰہی عفی عنہ)

۱۴۔ ملاحظہ ہو: **عقدالجید شاہ ولی اللہ مقدمہ شامی فصل المتبحر فی العلم.** (مفتی عطا محمد)

۱۵۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے عہد میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ کچھ لوگوں نے اس سے معجزہ طلب کرلیا۔ امام ابوحنیفہؒ نے فتویٰ دیا کہ معجزہ طلب کرنے والے طلبِ معجزہ کی وجہ سے کافر ہو گئے کیونکہ جس چیز کا عقیدہ رکھنا کفر ہے اس کو بطور احتمال تسلیم کر لینا بھی موجبِ کفر ہے۔ پس جس طرح ازروئے شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی وفات (موت) کا قائل ہوجانا کفر ہے، اسی طرح احتمالِ موت کا قائل ہونا بھی کفر ہوگا۔ اور جو جاہل بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کے تحت اپنی تفسیر میں یہ لکھے کہ یہ آیت زندہ اٹھا لینے یا موت دے کر روح کو اٹھا لینے دونوں باتوں کا احتمال رکھتی ہے تو اس کا یہ سمجھنا، لکھنا اور کہنا اشد کفر ہوگا۔ (مفتی عطا محمد سلمہٗ)

۱۶۔ حضرت کے اس قیاس کی تائید بعض محققین کے خیال سے بھی ہوتی ہے چنانچہ حال میں مولانا

حکیم عبدالشکور صاحب نے ایک رسالہ بنام **التحقیق الجدید علٰی تصنیف الشهید** تالیف کیا ہے کہ تقویۃ الایمان شاہ اسمٰعیل کی تصنیف نہیں منہٗ، یہ رسالہ کتب خانہ خانقاہ سراجیہ میں موجود ہے۔ التحقیق الجدید کی تائید مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ ''تقویۃ الایمان کی نسبت حضرت مولانا اسمٰعیل شہید کی طرف کی جاتی ہے جس کی نسبت میں بھی لوگوں کو کلام ہے۔'' (مکتوباتِ شیخ الاسلام، جلد دوم، ص ۵۵) اس عبارت پر جامع مکتوبات مولانا نجم الدین اصلاحی نے حاشیہ لکھا اور بدلائل ثابت کیا ہے کہ شاہ شہیدؒ کی طرف یہ نسبت درست نہیں، نیز مکتوب نمبر۷ بنام مولانا محمد انوریؒ لائل پوری جلد سوم، ص ۵۶ میں مولانا مدنی قدس سرہٗ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی طرف منسوب ایک دوسری کتاب ایضاح الحق الصریح کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ ''حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے وہ اقوال جو خلاف فقہ حنفی ہوں گے ہمارے نزدیک کس طرح قابل عمل ہوں گے پس اگر کتاب مذکور حسب ارشاد آنجناب حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تصنیف نہ ہو، جبکہ غیر مقلدوں کے تصرفات کو دوسری کتابوں کے متعلق نواب قطب الدین مرحوم سے حضرت شیخ الہندؒ نے نقل فرمایا تھا، تو کچھ تعجب نہیں۔'' یہ دونوں کتابیں مُحرّف ہیں۔ (محشی) (مکتوب نمبر۷، جلد سوم، ص ۵۶، مکتوباتِ شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ) مفتی عطا محمد سلمہٗ

۱۷۔ نیز عبقات (ص۱۷۲، طبع جدید، مجلس علمی، کراچی) میں ہے کہ **ليس الاجتهاد منحصراً عندنا في الفقه المصطلح بل له عمومٌ في كل فن الخ الى ان قال فجميعها علوم شرعيه وائمتها مؤيدون من الغيب ومقلد وهم متبعون للحق.** شاہ صاحب اس عبارت میں تمام علوم شرعیہ کے مجتہدوں کو مویّد من اللہ اور مقلدوں کو متبع حق قرار دے رہے ہیں اور بلاشبہ علوم و معارف صوفیہ صافیہ کے بھی علوم شرعیہ میں داخل ہیں اس لیے عارفینِ صوفیہ جو درجہ اجتہاد رکھتے ہیں ان کے معارف بشرط مطابق قرآن وسنت سالکین کے لیے اتباع ہیں۔ ہاں صوفیہ مجتہدین کی رائے مسائلِ فقیہ میں معتبر نہیں۔ روزہ، نماز، اذان، اقامت وغیرہ کے مسائل اور مباح، مکروہ، حلال اور حرام وغیرہ کے احکام میں ائمہ فقہ واجب الاتباع ہیں۔ (مفتی عطا محمد سلمہٗ وفقیر محبوب الٰہی عفی عنہ)

مولانا محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

(حضرتِ ثانیؒ)

حضرت مولانا ابو السعد احمد خانؒ کے آسودہ خاک ہونے کے بعد مولانا عبداللہ صاحبؒ نے اپنے شیخؒ کی مسند کو سنبھالا اور خوب سنبھالا۔ ان کو حضرتِ اعلیٰؒ نے اپنی زندگی میں ہی اپنا جانشین مقرر فرما دیا تھا۔ چنانچہ آپؒ نے اپنے شیخؒ کی امانت کی حفاظت اور آبیاری میں اپنا ہر سانس وقف کر دیا اور انہیں کی نہج اور طریق پر سلسلے کو لے کر چلے۔

آپ کے والدِ ماجد حضرت میاں نور محمد صاحبؒ اپنے گاؤں کے متوسط درجہ کے زمیندار تھے۔ نہایت دیندار، پاک طینت، سادہ مزاج اور صاحبِ دل انسان تھے۔ بعض امراض کا مؤثر دم بھی جانتے تھے۔ اہلِ خانہ کو ہدایت تھی کہ جب بھی کوئی ضرورت مند آئے، مجھے جگا دیا جائے۔ اِس قدر ہمدرد خلائق تھے کہ اگر کوئی شخص رات گئے بھی دم کرانے آجاتا تو کسی قسم کا بار محسوس نہ فرماتے۔ خلقِ خدا کی یہ خدمت آپ لوجہ اللہ انجام دیتے۔ مروّت و مودت کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی ایسے قصبے میں تشریف لے جاتے، جہاں اپنے گاؤں کی لڑکیاں بیاہی ہوتیں، تو انہیں اپنی اولاد سمجھتے ہوئے، ہمیشہ ان کی خیر عافیت دریافت کرتے۔ آپ کا یہ معمول عمر بھر رہا۔ اپنے گاؤں اور برادری میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے پرائے سب آپ کا ادب واحترام کرتے تھے۔

آپ کی زندگی سادہ اور بے تکلف تھی۔ مسلم گھرانوں میں عموماً اور آپ کے گھرانے میں خصوصاً دینداری کا چرچا تھا۔ سب فجر سے پہلے اُٹھتے۔ تہجد کی نماز ادا کرتے اور یادِ الٰہی سے فراغت کے بعد اپنے روزمرہ کے کام کاج میں مشغول ہو جاتے۔ مساجد ذکرِ الٰہی سے آباد اور فضا انوار سے معمور تھی۔ فضا شہری تکلّفات سے بالکل پاک تھی۔ انگریزی طرزِ تمدن

اور معاشرت کے اثرات یکسر ناپید تھے۔ اسلامی تعلیم، قرآن مجید اور نماز روزہ وغیرہ کے مسائل تک محدود تھی۔ خط و کتابت کی ضرورت کے لیے پرائمری یا مڈل تک بچوں کو اُردو کی تعلیم دی جاتی تھی۔ انگریزی تعلیم کا نام و نشان نہ تھا بلکہ مغربی تہذیب اور اس کے طرز و انداز سے یکسر نفرت تھی۔

رمضان شریف کا احترام اور زکوٰۃ و خیرات کا اہتمام بہت زیادہ کیا جاتا تھا۔ ہر گھر میں ایک بار کم از کم سو ڈیڑھ سو آدمیوں کے لیے کھانا پکتا اور لوگوں کو دعوت دی جاتی۔ یہ دعوت بھی بے حد سادہ ہوتی جس میں تمام مدعوین بے تکلف شریک ہوتے، برضا و رغبت کھاتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے۔

غرض اس صاف ستھرے، سادہ، پرانوار اور پاکیزہ ماحول میں حضرت مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ پروان چڑھے۔

پانچ سال کی عمر تک والدین کی آغوش میں لاڈ پیار کے ساتھ پرورش پاتے رہے۔ آپ میاں صاحب موصوف کے پہلے بیٹے تھے۔ چھٹے سال کے آغاز میں قریبی مسجد میں تعلیم کے لیے بٹھا دیے گئے۔ امامِ مسجد ہی معلمِ مکتب تھے۔ تھوڑے ہی دنوں میں قاعدہ اور پارۂ عم کی ناظرہ تعلیم کے ساتھ شش کلمے، نماز کی ترکیب اور نماز میں پڑھی جانے والی سورتیں اور دعائیں سب حفظ کرلیں اور نماز پابندی کے ساتھ ادا کرنے لگے۔

۱۹۱۱ء میں، قرآنِ مجید کی تعلیم ختم ہونے سے قبل ہی آپ کو پرائمری سکول سلیم پور میں داخل کرا دیا گیا۔ ۱۹۱۶ء تک اسی سکول میں تعلیم حاصل کی۔ حضرت اقدس اپنے سکول میں داخلے کا یہ واقعہ خود ذکر فرمایا کرتے تھے کہ:

''ماسٹر صاحب نے سکول میں میرا نام درج کرنے کے بعد جماعت میں بیٹھنے کے لیے مجھے یوں مخاطب کیا، ''تشریف کا ٹوکرا رکھیے۔'' میں سکول کے صحن میں اِدھر اُدھر ٹوکرا تلاش کرنے لگا مگر وہاں ٹوکرا مجھے کہاں ملتا؟ بعد میں اس محاورہ کے معنی معلوم ہوئے تو اپنی لاعلمی پر بڑی ہنسی آئی۔''

آپ کی مبارک عادت تھی کہ عالمِ طفولیت میں بھی ہر شخص سے خوش خلقی کے ساتھ پیش آتے اور بزرگوں کا ادب واحترام ملحوظ رکھتے۔ سکول آتے جاتے اگر راستے میں گاؤں کا کوئی بڑا یا بزرگ مل جاتا اور وہ گنتی سنانے کے لیے کہتا تو آپ فوراً کھڑے ہو جاتے اور اچھا جی کہہ کر سنانا شروع کر دیتے۔

قدرت نے دین سے رغبت آپ کی سرشت میں ودیعت کر رکھی تھی۔ جب سے ہوش سنبھالا کبھی نماز ترک نہ کی۔ علم کے شائق، ذہن کے تیز اور حافظہ کے قوی تھے۔ ہر جماعت میں امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کرتے رہے۔ ۱۹۱۶ء کے اوائل میں پرائمری سکول کی تعلیم سے فارغ ہوئے اور سالانہ امتحان میں شاندار کامیابی پر وظیفہ کے مستحق قرار پائے۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ تعالیٰ کی زبانی اس زمانے کا یہ واقعہ سنیے:

ہمارے گاؤں میں ایک بزرگ صورت عالمِ دین (مولانا قمر الدینؒ) کبھی کبھی آیا کرتے تھے اور ان کا قیام ہماری مسجد ہی میں ہوا کرتا تھا۔ جن دنوں میں پرائمری سکول سے وظیفہ یاب ہو کر فارغ ہوا، وہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ مسجد میں گیا تو انہوں نے مجھے محبت اور پیار سے اپنے پاس بلایا اور مجھ سے مسائلِ نماز پوچھنے لگے۔ میں اپنی یادداشت سے جواب دیتا رہا اور صحیح بتاتا رہا۔ ایک مسئلہ انہوں نے ایسا پوچھا جو مجھے نہ آتا تھا مگر تھوڑا سا تامل کر کے اس کا جواب دینے میں کامیاب ہو گیا۔ جواب گو صحیح تھا مگر اپنے اندازے اور قیاس سے دیا تھا۔ مولانا نے یہ بات بھانپ لی اور فرمایا کہ تم نے جواب تو صحیح دیا ہے لیکن یہ بتاؤ کہ تمہیں یہ جواب معلوم تھا یا اپنے اندازے سے بتایا ہے؟

میں نے کہا کہ اندازے سے ہی جواب دیا ہے۔ اس پر مولانا نے مجھے آفرین کہی اور ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کر دی کہ دیکھو دین کا مسئلہ جب تک اچھی طرح معلوم نہ ہو بتانا نہیں چاہیے۔ اگر اندازے سے جواب صحیح بھی دیا جائے تو آدمی پھر بھی گنہگار ہو جاتا ہے۔ آئندہ اس کا خیال رکھنا۔ پھر انہوں نے مجھے علمِ دین حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے کہا کہ سکول کی تعلیم ختم کرنے کے بعد کسی عربی مدرسہ میں داخل ہو کر علمِ دین پڑھنا۔ ان سے یہ

گفتگو جاری تھی کہ اتنے میں میرے والدِ ماجد آ گئے۔ مولانا موصوف نے والدِ محترم سے فرمایا، ماشاءاللہ! آپ کا بچہ بڑا ہونہار اور ذہین ہے۔ یہ سن کر والد صاحب بول اُٹھے کہ جی ہاں، ماشاءاللہ سکول میں نمایاں کامیابی پر اس کا وظیفہ بھی مقرر ہو گیا ہے۔ یہ سنتے ہی مولانا کی حالت متغیر ہو گئی اور سرد آہ بھر کر فرمایا:

میاں صاحب! آپ نے یہ بہت بری خبر سنائی۔ اسے ابھی سے اگر فرنگی کا پیسہ کھانے کا چسکا پڑ گیا تو پھر یہ دین کہاں سے پڑھے گا؟ بس یہ تو کسی سکول کا ماسٹر بن جائے گا۔

حضرت اقدس فرماتے تھے کہ مولانا قمرالدین صاحب کی سرد آہ اور اس جملہ نے مجھ پر ایسا اثر کیا کہ دینی تعلیم کی اہمیت اور دنیوی تعلیم سے نفرت میری طبیعت میں راسخ ہو گئی جس نے بالآخر مجھے سکول کے ماحول سے نکال کر مدرسہ عربیہ میں پہنچا دیا۔

مڈل سکول میں تعلیم کے دوران آپ کا قیام سکول کے بورڈنگ ہاؤس میں رہتا تھا۔ اتوار کی تعطیل پر گھر آ جایا کرتے تھے۔ اس زمانہ کا ایک واقعہ حضرت قبلہ نے خود بیان فرمایا کہ جب ہم مڈل سکول سوڈی میں پڑھتے تھے تو ہندو، مسلمان اور سکھ لڑکے ایک ساتھ بورڈنگ ہاؤس میں رہا کرتے تھے۔ باہمی الفت و یگانگت اور مذہبی رواداری کا احساس اس قدر تھا کہ مسلمان لڑکے، ہندو اور سکھ طلبہ کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے ان کی رسوئی (مطبخ) میں قدم رکھنے سے پرہیز کرتے تھے۔ اسی طرح ہندو اور سکھ لڑکے مسلمان طلبہ کی نماز پڑھنے کی جگہ میں، جو بورڈنگ ہاؤس میں بنی ہوئی تھی، داخل نہ ہوتے تھے۔ آپس میں کبھی جھگڑا یا فساد برپا نہ ہوتا تھا، بلکہ جب ہمارے ساتھی اتوار کی چھٹی گزارنے کے لیے ہفتہ کی شام سلیم پور روانہ ہوتے تو میں رستے میں سب لڑکوں کو پنجابی میں کلمہ پاک کا ذکر کرایا کرتا تھا۔ ہندو سکھ لڑکے مسلمان طلبہ کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر یہ گایا کرتے تھے:

دل کلمے دے ول جوڑ میاں — ہن غیر محبتاں چھوڑ میاں
منہ نیکی دے ول موڑ میاں — کہو لا الٰہ الا اللہ

پڑھ لا الٰہ الا اللہ

مڈل پاس کرنے کے بعد اس خیال کے تحت کہ کہیں اہلِ خانہ کسی ملازمت کے لیے مجبور نہ کریں، چپکے سے مولانا محمد ابراہیم صاحب سلیم پوریؒ کے پاس دھرم کوٹ، ضلع فیروز پور چلے آئے۔ ان کی خدمت میں جانے کا مقصد یہ تھا کہ دینی تعلیم کا سلسلہ شروع ہو جائے گا، مزید برآں حضرت اقدس کے والدِ ماجد کے ساتھ ان کے دیرینہ مراسم بھی تھے جن کے باعث وہ دینی تعلیم کے سلسلہ میں نہ صرف معاون بن سکتے تھے بلکہ آپؒ کے والدِ ماجدؒ کو بھی مطمئن کر سکتے تھے، چنانچہ آپ مولانا محمد ابراہیم کے زیرِ تربیت تعلیم پاتے رہے۔ اس کے بعد دو سال مدرسہ عزیزیہ لدھیانہ میں پڑھا اور کچھ عرصہ مدرسہ عربیہ امرتسر میں بھی تعلیم پائی۔ بالآخر ۱۳۴۴ھ میں دارالعلوم دیو بند تشریف لے گئے اور درسِ نظامی کے متوسطات سے دورۂ حدیث تک تمام علوم وفنون کی کتابیں دارالعلوم ہی میں پڑھیں۔ ۱۳۴۵ھ میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔ جن اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت علامہ سیّد انور شاہ صاحب کشمیریؒ صدر المدرسین دارالعلوم دیو بند، حضرت میاں اصغر حسین شاہ صاحبؒ، حضرت مولانا مرتضٰی حسن صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ، حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، مولانا محمد اعزاز علی صاحبؒ، مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ، مولانا محمد رسول خان صاحبؒ، مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ۔

حضرتِ اقدسؒ نے دارالعلوم دیو بند میں طالب علمی کے زمانے میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن نقشبندی مجددیؒ سے طریقۂ نقشبندیہ میں بیعت کا شرف حاصل کر لیا تھا۔ دارالعلوم میں اکثر طلبہ نمازِ عصر کے بعد روحانی سکون اور باطنی اطمینان کے لیے حضرت علامہ سیّد انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور مولانا میاں اصغر حسین صاحبؒ کی پاکیزہ مجالس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اور کچھ طلبہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن قدس سرہٗ کی صحبت میں بھی حاضر

ہوتے تھے۔ انہی میں حضرت سیّدنا و مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ بھی تھے۔

حضرتِ اقدسؒ نے بیان فرمایا کہ میں وقتاً فوقتاً ان بزرگوں کی صحبت میں عصر کے بعد حاضر ہوا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ حضرت مفتی عزیزالرحمٰن رحمہ اللہ کی طرف روحانی کشش پیدا ہوئی اور ان سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت مفتی صاحب نے پہلے تو میرے طالب علم ہونے کی بنا پر بیعت کرنے میں تامل کیا مگر کئی بار عرض کرنے کے بعد بالآخر طریقہ نقشبندیہ مجددیہ میں داخل کرلیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ کوئی ایک نماز اس چھوٹی مسجد میں پڑھ لیا کرو۔ حضرت فرماتے تھے کہ بیعت کے بعد پانچوں وقت اسی مسجد میں نماز پڑھنا میرا معمول بن گیا تھا، بالآخر قدرت کشاں کشاں مجھے حضرتِ اعلیٰ قیومِ زماں قدس سرہٗ کی خدمت میں خانقاہ سراجیہ لے آئی۔

ماہِ شعبان ۱۳۴۵ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوکر اپنے وطن مراجعت فرمائی۔ اکتسابِ علم سے فراغت کے بعد شادی کا مرحلہ پیش آ گیا۔ چنانچہ اہل و عیال اور والدین بزرگوار کے لیے کسبِ معاش کا خیال دامن گیر ہونا لازمی تھا۔ دیہات میں اہلِ علم کے لیے مسجد کی امامت و خطابت یا دینی مدارس میں بچوں کی ابتدائی تعلیم کے سوا اور کوئی مشغلہ نہ تھا اور اس کام کے لیے آپ اپنے خاندان کی افتادِ طبع کے باعث خود کو آمادہ نہ پاتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند ہی میں آپ کے رفیقِ درس حضرت مولانا سیّد مغیث الدین شاہ صاحب نے، جو حضرتِ اعلیٰ بانی خانقاہ سراجیہ کے متوسل تھے، یہ بتا دیا تھا کہ سرگودھا میں مولانا حکیم عبدالرسول صاحب کلاں مطب بھی کرتے ہیں اور طب کا درس بھی دیتے ہیں۔ فنِ طب میں عملی، علمی اور تدریسی لحاظ سے امامِ فن کا مقام رکھتے ہیں۔ تب سے آپ نے سوچ رکھا تھا کہ اس فنِ شریف کو حاصل کرکے اِسے خدمتِ خلق کے ساتھ معاشی زندگی کا وسیلہ بنانا مناسب ہوگا۔ چنانچہ آپ فنِ طب کی تحصیل کے لیے حکیم صاحب موصوف کی خدمت میں سرگودھا تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپ کو فن کا طالبِ صادق پاکر طب کا درس دینا شروع کر دیا۔ حکیم صاحب ممدوح حضرتِ اعلیٰ قدس سرہٗ کے حلقۂ ارادت میں

شامل ہی نہ تھے بلکہ ان کے مجاز بھی تھے۔

اللہ کی شان کہ حضرتِ اعلیٰ حکیم صاحب کے ہاں سرگودھا تشریف لے آئے، اور اُن کے حلقۂ درس میں ایک صالح نوجوان کو دیکھ کر حکیم صاحب سے ان کے بارے میں دریافت فرمایا۔ حکیم صاحب نے عرض کیا، ان کا نام مولوی عبداللہ ہے، دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں، اب فنِ طب حاصل کرنے کے لیے میرے پاس آئے ہیں۔ حضرتِ اعلیٰ نے یہ سن کر ازراہِ کشف فرمایا کہ یہ طبیب بنتے تو نظر نہیں آتے، تاہم آپ انہیں پڑھاتے رہیں تاکہ ان کا شوق پورا ہو جائے۔ حضرتِ ثانی کو حضرت مفتی عزیز الرحمٰنؒ صاحب کے فیضِ صحبت سے طریقہ نقشبندیہ کی نسبت حاصل ہو چکی تھی اور اب حضرتِ اعلیٰ کی صحبت میں جو باطنی کیفیات و واردات کا بے پایاں ادراک ہوا تو فوراً حضرتِ اعلیٰ سے تجدیدِ بیعت فرمائی۔ بیعتِ ثانیہ کا واقعہ یوں بھی منقول ہے کہ آپ حضرتِ اعلیٰ قدس سرہٗ سے حکیم عبدالرسول صاحب کے نام ایک سفارشی تحریر لینے کے لیے خانقاہ سراجیہ تشریف لائے۔ چنانچہ آپ نے سفارشی تحریر مرحمت فرما دی۔ جب حضرت ثانیؒ حکیم صاحب کے پاس سرگودھا تشریف لے گئے تو حکیم صاحب نے حضرتِ اعلیٰ کی تحریر سر آنکھوں پر رکھی اور خصوصی توجہ کے ساتھ تعلیمِ طب کا سلسلہ شروع کر دیا لیکن صحبت کے ان چند لمحات میں، جو سفارشی خط حاصل کرنے کے لیے حضرتِ اعلیٰ کی خدمت میں گزرے، آپ کو عجیب و غریب کیفیات کا ادراک ہوا۔ آپ نے شیخِ اوّل حضرت مفتی صاحب کو دیوبند خط لکھا جس میں حضرتِ اعلیٰ کا تذکرہ، ان کی خدمت میں حاضری اور ادراکِ فیض کا ذکر کیا۔ مفتی صاحبؒ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا، آپ کو بزرگِ موصوف سے مناسبت معلوم ہوتی ہے اس لیے میری طرف سے اجازت ہے کہ آپ ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو جائیں۔ قریب ہونے کے لحاظ سے بھی ان کی صحبت میں حاضری آسان ہوگی اور اس سلسلۂ پاک میں مدارِ فیض صحبتِ شیخ پر ہے۔ اس کے بعد حضرتِ اعلیٰ حکیم صاحب کے پاس سرگودھا تشریف لائے تو حکیم صاحب سے ان کا ذوق و شوق پورا کرنے یعنی تعلیمِ طب جاری رکھنے

کے لیے فرمایا۔ اس دوسری صحبت میں حضرتِ ثانیؒ کو مزید واردات و کیفیات کا احساس ہوا تو آپ نے بیعت کے لیے درخواست کی۔ حضرتِ اعلیٰ نے کشفاً فرمایا، آپ پہلے ہی سلسلۂ نقشبندیہ سے منسلک ہیں اجازت شیخ کے بغیر بیعتِ ثانی مناسب نہیں۔ حضرتِ ثانیؒ نے جناب مفتی صاحب کا اجازت نامہ آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ اس کے بعد حضرتِ اعلیٰ نے آپ کو اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کر لیا اور حکیم صاحب کو فرمایا کہ جلد انہیں طبی کورس پر عبور کرا دیں۔ حضرتِ ثانی اپنے باطنی احوال و واردات کے سلسلہ میں حضرتِ اعلیٰ کو خطوط لکھتے رہتے تھے اور گاہے بگاہے حاضر بھی ہوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرتِ ثانیؒ، حکیم صاحب کے ساتھ حضرتِ اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرتِ اعلیٰ نے حکیم صاحب کو ارشاد فرمایا کہ آپ انہیں اپنی حکمت جلد پڑھا دیں کیونکہ اس کے بعد مجھے اپنی حکمت بھی پڑھانی ہے۔ اور یہ شعر پڑھا:

چند چند خواندۂ حکمتِ یونانیاں
حکمتِ ایمانیاں نیز بخواں

ترجمہ: یونانی حکمت و فلسفہ تو تم نے خوب پڑھ لیا ہے، ایمان والوں کی حکمت بھی تو پڑھو۔

حضرتِ ثانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرتِ اعلیٰ کی زبانِ مبارک سے یہ شعر سن کر میرا دل فنِ طب کی تعلیم سے یکسر سرد ہو گیا۔

غرض آپ اس وقت حکیم صاحب کے ساتھ سرگودھا واپس تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر اپنے باطنی احوال و کوائف سے حضرتِ اعلیٰ کو مطلع کیا تو حضرتِ اعلیٰ نے آپ کی قوتِ استعداد اور سرعتِ سیر کو دیکھتے ہوئے حکیم صاحب کو لکھا، کہ مولوی عبداللہ صاحب کی طب کی تعلیم جہاں تک ہو چکی ہے کافی ہے، اب آپ انہیں خانقاہ شریف بھیج دیں۔ اُدھر آپ کا دل بھی طبِ یونانی سے سرد ہو کر حکمتِ ایمانی کی طلب میں سرگرم ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ برضا و رغبت تعلیمِ طب کا سلسلہ ملتوی کر کے حضرتِ اعلیٰ کی خدمت میں خانقاہ شریف

حاضر ہو گئے اور حاضر بھی ایسے ہوئے کہ بس یہیں کے ہو رہے۔ پھر اس حاضری کی برکت سے وہ سعادتِ لازوال حاصل کی جو روزِ ازل سے آپ کا مقدر تھی۔ پوری زندگی آستانۂ شیخ کی خدمت کے لیے وقف کر دی اور اسی خاکِ پاک میں آخری آرام گاہ پائی۔

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

غرض چودہ پندرہ سال حضرتِ اعلیٰ کی خدمتِ اقدس میں گزارے، سفر و حضر میں ساتھ رہے اور تحصیلِ کمالاتِ باطنی کے بعد نہ صرف مجازِ طریقت ہوئے بلکہ حضرتِ اعلیٰ کی وصیت کے مطابق آپ کے جانشین نامزد ہو گئے۔ شیخ کی ذات میں ایسے فنا ہوئے کہ اس طویل مدت میں ایک دو بار ہی اپنے وطن سلیم پور لدھیانہ والدین اور اہل و عیال سے ملنے کے لیے گئے ہوں گے۔

وہ نشۂ عرفان جس نے آپ کو اپنے وجود اور ذاتی روابط سے ناآشنا و بے تعلق بنا دیا تھا، بھلا کب اجازت دیتا کہ اپنے تقاضوں کی تکمیل سے قبل آپ غیر کی طرف متوجہ ہوں۔ شروع میں آپ کے والدِ ماجد اور دیگر اقربا تکمیل تعلیم کے بعد تحصیلِ معاش میں آپ کی معاونت کے منتظر تھے۔ آپ کا یہ رنگ دیکھ کر مایوس، بلکہ کسی حد تک آپ سے شاکی تھے، لیکن جب تھوڑے عرصے بعد اس دولتِ خداداد کی عظمت سے آگاہ ہوئے جس کے آگے ہفت اقلیم کی سلطنت بھی ہیچ ہے تو وہ آپ کے وجودِ گرامی کو اپنے خاندان کے لیے باعثِ صد ہزار افتخار جانتے ہوئے مسرور و شکر گزار ہوئے۔

حضرتِ اعلیٰؒ نے خانقاہ شریف کا انتظام و انصرام آپ کے حوالے کرنے کی وصیت فرمائی۔ اپنے سامنے ہی نماز کا امام مقرر فرمایا، ذکر و ختمات کے جملہ امور اور دیگر اشغالِ طریقت و روحانی تربیت بھی آپ کے سپرد کر دی تھی۔

حضرت ثانیؒ کی مسند نشینی

۱۲ر صفر ۱۳۶۰ھ کو حضرتِ اعلیٰ قدس سرہٗ کی وفاتِ حسرت آیات کا سانحۂ جاں گداز

پیش آیا، اس وقت حضرتِ ثانی ہی حضرتِ اعلیٰ کا جسدِ مبارک کانپور سے خانقاہ شریف لائے، آپ کی اقتدا میں جمِ غفیر نے نمازِ جنازہ ادا کی۔ آپ نے بصد حسرت و یاس جاں سے عزیز تر شیخ کو مشیتِ الٰہی پر راضی رہتے ہوئے آغوشِ لحد میں رکھا۔

پوششِ قبر مبارک سے پہلے حضرت مولانا ظہور احمد صاحب بگویؒ امیر حزب الانصار بھیرہ نے، جو حضرتِ اعلیٰ کے مخلص خادم تھے، تمام حاضرین کو بآوازِ بلند حضرتِ اعلیٰ قدس سرہٗ کا وصیت نامہ پڑھ کر سنایا۔

حضرتِ اعلیٰ کی وصیت

حضرتِ اعلیٰ مولانا ابوالسعد احمد خانؒ نے اپنی وصیت میں فرمایا، ''فقیر اپنا خلیفہ مجاز اور سجادہ نشین مولوی عبداللہ صاحب لدھیانوی کو مقرر کرتا ہے۔ جن کو فقیر نے پوری توجہ اور دل سوزی سے نقشبندی سلوک طے کرا دیا ہے۔ وہ اس خانقاہ میں، جس کا نام خانقاہ سراجیہ ہے، مقیم رہ کر ترویج سلوک اور توسیع سلسلہ میں ساعی رہیں گے۔ ان کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص خانقاہ ہٰذا میں سجادہ نشینی کا مدعی نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا دعویٰ مسموع ہوگا۔

آخر میں مولوی عبداللہؒ کے لیے یہ وصیت ہے کہ:

اول: بہ حیثیت سجادہ نشین توسیعِ سلسلہ اور ترویجِ سلوک میں پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ ساعی رہیں۔

دوم: طریقت کے آداب اور شرائط کا پورا لحاظ رکھیں۔

سوم: ''اتباعِ سنت'' اور ''اجتناب عن البدعۃ'' کو اپنا فرض سمجھیں۔

چہارم: دنیادار اُمراء اور رؤساء کے دروازے پر جانے سے پرہیز لازم سمجھیں۔

پنجم: اپنے برادرانِ سلسلہ کے ساتھ خلق و مروت، تواضع وانکسار اور اخوت و مساوات کا سلوک رکھیں۔ ترفع و تعلّی کے خیال سے مجتنب رہیں۔

ششم: اپنے شیخ کی اولاد کی خدمت اور خیر خواہی لازم سمجھیں۔''

چنانچہ حضرت اقدس کے دستِ مبارک پر تمام برادرانِ طریقت نے تجدیدِ بیعت

کی، اس کے بعد قبر کی پوشش ہوئی۔ الحمدللہ جو برادرانِ طریقت شریکِ جنازہ تھے، اِس فیصلے پر سب مطمئن تھے، کسی کو کوئی تردّد نہ تھا۔

حضرت بابا جیؒ کے جوانی کے دن تھے، آپ کی صحت قابلِ رشک تھی۔ مسندِ تصوف کی ذمہ داری کے ساتھ آپ گھر کی ذمہ داریوں کو بھی خوش اُسلوبی سے نبھاتے تھے۔ بابا جی قبلہؒ کے گھر کے ساتھ مشرقی سمت خلیفہ مولانا عبداللہ صاحبؒ کی رہائش گاہ تھی۔ یہ مکان حضرتِ اعلیٰ مولانا ابوالسعد احمد خانؒ کی وصیت کے مطابق تعمیر کیا گیا، جس میں آپؒ نے فرمایا:

''مولوی محمد عبداللہ خانقاہ شریف کے متعلقہ حجروں میں سے کسی حجرہ میں قیام رکھیں گے۔ اگر ان کو عیال سمیت پردہ دار مکان میں قیام کرنا منظور ہو تو خانقاہ کی سفید زمین پر جہاں چاہیں لنگر کے خرچ سے اپنے رہنے کے لیے حسبِ ضرورت مکان تعمیر کر سکتے ہیں۔''[1]

خانقاہ پر حضرتِ ثانیؒ کی رہائش گاہ

یہ مکان جس میں دو کمرے اور ایک باورچی خانہ تھا۔ ایک کمرہ بہت کشادہ دالان کی طرز پر اور دوسرا کمرہ حضرت ثانیؒ کے آرام کے لیے تھا۔ ساتھ متصل باورچی خانہ تھا اور صحن فراخ تھا۔ اس مکان کی پشت پر بابا جیؒ کا مال خانہ تھا جہاں آپ کے ڈھور ڈنگر، بکریاں، اونٹ، گھوڑا اور بھینسیں تھیں۔

حضرت ثانیؒ اور امانت کی حفاظت

بانی خانقاہ سراجیہ حضرت مولانا ابوالسعد احمد خانؒ کا جب ۱۹۴۱ھ میں انتقال ہوا تو خانقاہ شریف، لائبریری، تسبیح خانہ، مع برآمدہ کی تعمیر مکمل ہوگئی تھی۔ مسجد کا پلستر، رنگ و روغن اور فرش کا کام ابھی باقی تھا۔ آپؒ کے بعد حضرتِ ثانی مولانا عبداللہ لدھیانویؒ نے خانقاہ شریف کو امانت سمجھا اور سولہ سال تک جان سوزی اور جان کاہی سے اپنے مرشد کے اس گلشن کی آبیاری و نگرانی فرماتے رہے۔ خانقاہ شریف، لنگر کے جملہ معاملات کو حضرت اعلیٰؒ

۱۔ تحفہ سعدیہ، بارِ دوم جنوری ۱۹۷۹ء، ص ۱۴۷

کی اہلیہ محترمہؒ کے سپرد کیے رکھا۔ خانقاہ شریف کے واردین وصادرین کوئی ہدیہ یا تعاون پیش کرتے تو آپ اسے حضرت اعلیٰؒ کے گھر بھجوا دیتے اور خود زہد وقناعت کی زندگی گزارتے۔

حضرت ثانیؒ کی پگڑی

برادرم عزیز احمد کی روایت ہے کہ حضرت ثانیؒ نے اپنی پگڑی کو اتنا عرصہ استعمال کیا کہ وہ بہت بوسیدہ ہو کر استعمال کے بالکل قابل نہ رہی تو آپ نے حضرت اعلیٰؒ کی اہلیہ محترمہ سے درخواست کر کے اپنے لیے نئی پگڑی منگوائی۔

ہر چند اِس راہ میں کچھ دشواریاں بھی پیش آئیں مگر آپ حلم ووقار اور صبر واِستقامت کے ساتھ پہاڑ کی طرح جمے رہے، شانِ نیابت کو برقرار رکھا اور پائے ثبات میں ادنیٰ سی لغزش بھی پیدا نہ ہوئی۔ حوصلہ شکن اور صبر آزما حالات میں بھی کمالِ ہمت واِستقامت کے ساتھ شیخؒ کی وصیت کو حرزِ جاں بنائے رکھا۔

باآں گروہے کز ساغرِ وفا مست اند
سلامِ ما برسانید ہر کجا ہست اند

ترجمہ: وہ گروہِ پاکبازاں، جو وفا کے پیالے سے مست ہیں، وہ جہاں کہیں بھی ہوں ان کو ہمارا سلام کہہ دیجیے۔

کتب خانہ کی توسیع

حضرتِ اعلیٰ قدس سرہٗ کے ازروئے وصیت نامہ آپ کو کتب خانہ کی حفاظت اور اس کی ترقی وتوسیع کا کام بھی سونپ دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنے اسلاف کے ان جواہر پاروں کی ہمیشہ حفاظت کی اور اس ذخیرہ میں قابلِ قدر اضافہ کی طرف اپنی توجہ مبذول رکھی۔ حج پر تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ کے کتب خانہ سے تصوف کی ایک نایاب قلمی کتاب ''تحقیقات'' کی نقل ۷۰۰ ریال دے کر حاصل کی۔ اس کے علاوہ تفسیر وحدیث کی متعدد کتابیں خرید کر انہیں خانقاہ شریف کے کتب خانہ کی زینت بنایا۔ حج سے واپسی کے وقت

جب کسٹم آفس کراچی پر سامان چیک کیا جارہا تھا تو کسٹم آفیسر نے پوچھا کہ آپ کے پاس سونا تو نہیں؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا، ہمارے لیے سونا یہ کتابیں ہیں۔ اگر ہمارے پاس رقم میں گنجائش ہوتی تو ہم یہ سونا اور خرید کر لے آتے۔

بہ نزدیکِ دانائے صاحبِ ہنر
کتابے بود بہ، ز انبارِ زر

حفاظت و نقلِ کتب اور جلد بندی کے لیے مولانا غلام محمد صاحب فاضلِ مظاہر العلوم کو مامور فرمایا۔ مولانا موصوف خانقاہ شریف میں قیام پذیر رہے اور کتابوں کی حفاظت و دیگر متعلقہ خدمات انجام دیتے رہے۔

اخلاقِ عالیہ

حضرتِ اقدس بہت بلند اخلاق اور بے حد شفیق تھے۔ کسی سے کوئی خدمت لینا ہوتی تو بڑے دلربا انداز میں خطاب فرماتے۔ پوری مدتِ قیام ایک بار بھی ایسا نہ ہوا کہ فقیر کو ''تو'' کے لفظ سے مخاطب کیا ہو۔ پانی پینے کی خواہش ہوتی تو یوں ارشاد فرماتے: قاضی صاحب جی! تھوڑا سا پانی عنایت فرما سکو گے۔

چند دن بعد فقیر کو بخار آنے لگا۔ بخار کی حالت میں ایک روز طبیعت نے چائے کا تقاضا کیا۔ دروازے کے سامنے سے صوفی محمد عبداللہ صاحب کو دیکھ کر آہستہ سے پکارا مگر انہوں نے آواز نہ سنی اور چلے گئے۔ حضرتِ اقدس نے اپنے کمرہ میں آواز سن لی۔ درمیانی کھڑکی سے فوراً تشریف لائے اور پوچھا، کیا کام ہے؟ میں نے عرض کیا، حضرت! کچھ نہیں۔ فرمایا کہ پھر صوفی عبداللہ کو کیوں پکارا تھا؟ فقیر نے ہر چند بات ٹالنا چاہی مگر آپ نے باصرار دریافت فرمایا کہ ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ کیا کام ہے؟ مجبوراً عرض کرنا پڑا کہ اس وقت چائے پینا چاہتا تھا اس لیے چائے بنوانے کے لیے صوفی عبداللہ کو بلایا تھا۔ فرمایا، اچھا منہ ڈھانپ لو کہیں ہوا نہ لگ جائے، میں عبداللہ کو بھیجتا ہوں وہ چائے بنا دیں گے۔ حسبِ ارشاد فقیر نے منہ ڈھانپ لیا تو حضرتِ اقدس نے چپکے چپکے خود ہی چائے بنانا شروع کر

دی۔ چائے تیار کرنے کے بعد ٹرے میں چینک اور ایک پیالی لگا کر میری چار پائی کے پاس رکھ دی اور یہ کہتے ہوئے اٹھایا کہ قاضی صاحب جی! عبداللہ نے چائے بنا دی ہے، اٹھ کر پی لو۔

ایک بار پھر بخار آیا۔ میں کپڑا لپیٹے لیٹا ہوا تھا۔ کسی نے آ کر بدن دبانا شروع کر دیا۔ منہ سے کپڑا اہٹایا تو دیکھا کہ حضرتِ والا خود ہیں۔ یہ دیکھ کر فقیر نے گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کی مگر آپ نے فرمایا، نہیں نہیں لیٹے رہو لیٹے رہو! کچھ بات نہیں۔ یہ فرماتے رہے اور بدن دباتے رہے۔ سبحان اللہ! تواضع اور انکسار کا کیا عالم تھا کہ خود مخدوم، خادم کی خدمت انجام دے رہا ہے اور خادم کی ہر تکلیف کو کن شفقت بھرے کلمات سے دور کیا جا رہا ہے۔

نقشبندی چولہا

میں نے والدِ مرحوم حضرت انظر شاہ صاحبؒ سے سنا ہے کہ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب (حضرت ثانیؒ) سرہند حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے مزار پر تشریف لاتے تو ملاقات کے لیے میں بھی سرہند پہنچتا۔ ایک ملاقات پر حضرتِ ثانیؒ نے مجھ سے پوچھا کہ شاہ صاحب! چائے پئیں گے؟ میں نے عرض کیا کہ ضرور۔ فرمایا کہ بے تکلف زیستن، خوش زیستن۔ پھر خادم جو حضرت کے ساتھ تھے ان کو چائے تیار کرنے کا حکم دیا۔ جس چولہے پر چائے کا پانی رکھا گیا وہ بے آواز تھا۔ حضرتِ ثانیؒ نے فرمایا کہ شاہ صاحب! ہمارا چولہا بھی نقشبندی ہے۔ [سیّد خضر شاہ مسعودی]

امورِ دینیہ میں رسوخ اور پختگی

فرائض کے علاوہ، مسنون اور مستحب امور کا اہتمام فرمانے میں بھی حضرتِ اقدس پوری جدوجہد فرماتے تھے۔ اذانِ نماز کے مستحب اوقات از روئے فقہ حنفی معلوم کرنے کے لیے بڑے اہتمام سے دھوپ گھڑی بنوا کر مسجد کے حاشیہ پر لگا رکھی تھی۔ روزانہ بلا ناغہ بوقتِ زوال اپنی جیبی گھڑی کو درست کیا کرتے تھے۔

لباس میں سنت کا اہتمام اس قدر تھا کہ اسے حضرتِ والا کی کرامت ہی پر محمول کیا جا

سکتا ہے۔آپ کا جسم مبارک ذرا بھاری بھرکم تھا اور قوی الجثہ آدمی کا تہبند عموماً سرک کر ٹخنوں سے نیچے ہو ہی جایا کرتا ہے۔مگر کسی وقت بھی آپ کا تہبند ٹخنوں سے نیچے تو درکنار، اُن کے متصل بھی دیکھنے میں نہیں آیا بلکہ ہمیشہ چار پانچ انگشت اونچا ہی رہتا تھا۔

اتباعِ شریعت اور پیرویٔ سنت کے اہتمام میں اس قدر سرگرم تھے کہ مسجد میں آنے اور نکلنے والے کا قدم اگر بے خیالی میں سنت کے خلاف پڑتا تو بُلا کر اسے نرمی سے سمجھاتے کہ داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے اندر رکھنا اور نکلتے وقت بایاں پاؤں باہر رکھنا چاہیے۔

اہلِ دنیا سے بے نیازی

رمضان المبارک میں مانسہرہ قیام کے دوران ایک روز عصر کے وقت کسی ریاست کے والی کا آدمی آیا اور عرض کیا کہ نواب صاحب ملاقات کے لیے وقت مانگتے ہیں۔حضرت نے فرمایا، اس وقت گنجائش نہیں۔نمازِ عصر ہوگی، پھر ختمِ خواجگان اور اس کے بعد افطار کی تیاری۔کل ظہر کے بعد وہ آ کر مل سکتے ہیں۔چنانچہ نواب صاحب سرکاری ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرے رہے اور اگلے دن نمازِ ظہر کے بعد اپنے سٹاف سمیت حضرتِ اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ کے کلام مبارک سے محظوظ ہوئے اور چلتے وقت بطور نذرانہ قریباً پانچ سو روپیہ پیش کیا۔حضرتِ اقدس نے مناسب و موزوں الفاظ میں قبولِ نذر سے معذرت چاہی۔نواب صاحب بے نیلِ مرام چلے گئے۔ان کے چلے جانے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اپنے حضرات کا معمول یہ ہے کہ غیر متعلق شخص سے ہدیہ اور نذرانہ قبول نہیں کرتے تھے کیونکہ اس میں کچھ نہ کچھ دُنیوی غرض بھی شامل ہوتی ہے۔یہ نواب صاحب آج کل کسی مشکل میں مبتلا ہیں۔جہاں کسی پیر فقیر کا نام سنتے ہیں اس کے پاس چلے جاتے ہیں اور نذرانہ دے کر دعا کراتے ہیں۔فقیر کو اِن کا کام ہوتا نظر نہیں آتا۔جب کام نہ ہوگا تو نذرانہ قبول کرنے والوں کو نہ جانے کیا کچھ کہیں گے۔الحمد للہ کہ اس فہرست میں فقیر کا نام تو شمار نہیں کریں گے۔پھر آپ نے حضرتِ اعلیٰ قدس سرہٗ کے استغنا کا واقعہ سنایا کہ جب

حضرتِ اعلیٰ دہلی میں حکیم نابینا کے زیرِ علاج تھے تو کسی سیٹھ کو آپ کی تشریف آوری کا پتہ چل گیا۔ وہ ملاقات کرنے اور نذرانہ پیش کرنے کے لیے معقول رقم لے کر آیا۔ حضرتِ اعلیٰ نے رقم قبول کرنے سے حسبِ معمول انکار فرمادیا۔ اس نے ہر چند کوشش کی مگر آپ نے اس کی نذر قبول نہ کی۔ بالآخر اس نے یہ کہا کہ اس رقم کو آپ مستحقین میں تقسیم فرمادیں مگر لے ضرور لیں۔ اس پر حضرتِ اعلیٰ نے فرمایا، سیٹھ صاحب! یہ آپ کی محنت کی کمائی ہے، آپ کو اس کا درد ہوگا اور تلاش کرکے آپ صحیح مستحق لوگوں کو دیں گے، ہم سے اتنا تردّد نہ ہو سکے گا لہٰذا آپ خود ہی مستحقین کو تلاش کرکے تقسیم کردیں۔ غرض وہ سیٹھ خجالت کے ساتھ اپنی رقم لے کر چلا گیا۔

آپ کی نظر میں سلوک کا ماحصل

حافظ امان اللہ صاحب خلیفۂ مجاز حضرتِ ثانیؒ کا بیان ہے کہ آپ عمر بھر صاحبِ نصاب نہ ہوئے کہ آپ پر زکوٰۃ فرض ہوتی۔ عقیدت مند جو نذرانے یا ہدایا پیش کرتے آپ ان سب کو گھر میں حضرت مائی صاحبہ کے پاس بھجوا دیتے۔ زندگی میں کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہوا جو سر بسر شریعت نہ ہو۔ اصلاح و تربیت کا انداز انتہائی نرالا اور پاکیزہ تھا۔ بسا اوقات کسی نامناسب عمل پر براہِ راست سمجھانے کی بجائے آیتِ قرآنی یا حدیث شریف کی طرف توجہ دلاتے۔ مثلاً آپ وضو سے فارغ ہونے کے بعد اٹھے اور پاس بیٹھنے والے تمام ساتھی بھی اٹھ کھڑے ہوئے تو آپ ان میں سے کسی شخص کو فرماتے، مولوی صاحب! اس حدیث شریف کا کیا مفہوم ہے: وَلَا تَقُوْمُوْا كَمَا يَقُوْمُوْا الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارىٰ (تم اس طرح نہ اٹھا کرو جیسے یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کے لیے تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں)۔ اگر عشاء کی نماز کے بعد بعض حضرات مصروفِ گفتگو ہو جاتے تو آپ ان میں سے کسی کو مخاطب کرتے ہوئے استفسار فرماتے کہ حدیث: لَا مُسَامَرَةَ بَعْدَ الْعِشَاءِ (نمازِ عشاء کے بعد باتیں نہیں کرنی چاہئیں) کا کیا مطلب ہے؟ اس سے تمام حضرات اپنی کوتاہی پر متنبہ ہو کر اصلاحِ احوال کی طرف متوجہ ہو جاتے۔

ایک مرتبہ حافظ صاحب موصوف نے حضرتِ اقدس کو پانی کا ایک پیالہ بسم اللہ شریف پڑھے بغیر پیش کر دیا۔ حضرتِ اقدس نے فرمایا، کیا آپ مجھے برکت سے خالی پانی پلانا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد حافظ صاحب کی عادتِ ثانیہ بن چکی تھی کہ کسی کام کا آغاز بسم اللہ شریف پڑھے بغیر نہیں کرتے تھے۔

مرضِ وفات اور سفرِ آخرت

وسطِ شوال میں موسم کے گرم ہو جانے کی وجہ سے مانسہرہ تشریف لے جانے کا ارادہ تھا، مگر طبیعت صفرا کے غلبے کی وجہ سے ناساز ہوگئی۔ حرارتِ درونی کی سوزش نے سخت بیتابی پیدا کر دی۔ آپ کے متوسلین میں سے نامور حکیم مولانا چن پیرؒ اور حکیم محمد زبیر صاحب علاج کے لیے خانقاہ شریف حاضر ہوئے، مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ صفرا اور استفراغ کی شدت ہوگئی۔ کوئی دوا یا غذا اندر نہ ٹھہرتی تھی۔ سوزشِ درونی کا یہ عالم تھا کہ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے اپنے بدن اور تلووں پر زور زور سے چھڑکواتے تو کچھ چین آتا۔ یہ حالت دیکھ کر صاحبزادہ عارف صاحب ۲۶؍شوال کی صبح لاہور پہنچے اور اسی وقت حکیم سیفی صاحب کو ساتھ لے کر شام کے بعد خانقاہ پہنچ گئے۔ حضرت ثانیؒ کی کیفیت دیکھ کر سب معالجین اور حاضرین پر یاس والم کی کیفیت طاری تھی مگر حضرت ان سب کو تسلی تشفی دیتے تھے۔

جمعرات کی شب حکیم سیفی صاحب نے نبض دیکھی، آپ نے نبض کی کیفیت کے بارے میں پوچھا۔ حکیم صاحب نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے، نبض بہت کمزور ہے۔ یہ سن کر حضرتؒ نے فرمایا، ماشاء اللہ۔ پھر خاموشی اختیار فرمائی۔ آپ کی صاحبزادی صاحبہ آپ کی اس حالت سے بہت بے چین اور پریشان تھیں۔ حضرت ان کو تسلی تشفی دیتے، مگر افسوس وقتِ آخر آن پہنچا۔ اب آپ نے اپنا رُخ اور روئے سخن سب سے ہٹا کر اپنے آقا اور مولیٰ کی طرف کر لیا۔ بالآخر یہ جامعِ کمالات وجودِ مسعود استغراق و محویت میں راضی برضائے الٰہی ساڑھے بارہ بجے شب، بروز پنجشنبہ ۲۷؍شوال ۱۳۷۶ھ/ ۷؍جون ۱۹۵۶ء رفیقِ اعلیٰ سے واصل ہو گیا۔

پس ماندگان

اولاد میں ایک صاحبزادی اور ایک صاحبزادہ مولانا حافظ محمد عابد صاحب سلمہٗ ان کی والدہ دام مجدھا، دو چھوٹے بھائی ماسٹر بدرالدین صاحب اور میاں محمد ابراہیم صاحب اوران کے علاوہ ہزاروں سالکانِ طریقت پس ماندگان میں شامل ہیں۔

حضرتِ اقدسؒ کے خلفاء

حضرتِ اقدسؒ کے معروف خلفاء درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد صاحبؒ

۲۔ حضرت حاجی میاں جان محمد صاحبؒ

۳۔ حضرت مولانا پیر عبداللطیف شاہ صاحبؒ

۴۔ حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحبؒ

۵۔ حضرت مولانا عبدالخالق صاحبؒ

۶۔ حضرت مولانا حافظ محمد امان اللہ صاحبؒ

۷۔ حضرت مولانا مفتی عطا محمد صاحبؒ

۸۔ حضرت مولانا محمد مکرانی صاحبؒ

۹۔ حضرت حافظ محمد سعد اللہ خان صاحب خاکوانیؒ

حضرت خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے باباجیؒ

نسب

حضرت خواجہ خان محمدؒ تلوکر راجپوت خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ انساب کی کڑیاں کچھ اس طرح ترتیب پاتی ہیں: حضرت خواجہ خان محمدؒ بن ملک خواج عمر بن ملک مرزا خان بن ملک غلام محمد خان تلوکر بن ملک فتح محمد خان تلوکر بن ملک صدیق خان تلوکر بن ملک یعقوب خان تلوکر بن ملک علی خان تلوکر بن ملک جمال خان تلوکر۔

باباجیؒ کی تاریخ پیدائش

اکثر کتابوں اور جرائد و رسائل میں چھپنے والے مضامین میں ۱۹۲۰ء درج ہے۔ جب بابِ تحقیق کا دَر کھولا تو اُلجھن نے گھیر لیا اور دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ باباجیؒ کا سنِ ولادت کھوجنا ضروری ہے۔ ایک دقت طلب کام کا سامنا تھا لیکن جب انسان کسی کام کو عشق جان کر کرتا ہے تو اللہ راستے کھول دیتا ہے اور آسانیاں پیدا کر دیتا ہے۔ باباجیؒ کے بھانجے ملک بشارت احمد کی وساطت سے اپنے علاقے کی مشہور سیاسی، سماجی، دینی شخصیت قریشی محمد سعید اسدی صاحب سے ملاقات کی اور ان سے باباجیؒ کے سنِ ولادت کی کھوج میں معاونت کی درخواست کی۔

اس سے پہلے دینی مجلّہ ''صفدر'' دیکھا جس میں اس کے مدیر حمزہ احسانی نے اس موضوع پر اداریے میں برادرم خلیل احمد کے حوالے سے بحث کی ہے۔ ''صفدر'' کے مطالعے کے بعد میں نے برادرم خلیل احمد صاحب سے رابطہ کیا اور گزارش کی کہ آپ میری رہنمائی کریں کہ حضرت اعلیٰؒ کے دستِ مبارک سے کس کتاب میں مائی صاحبہ اور باباجیؒ کی ولادت کا اندراج ہے اور گھر کی بزرگ خواتین میں سے کس کا سن ولادت حضرتِ اعلیٰؒ نے اپنے قلم

سے لکھا ہے۔ خلیل احمد صاحب نے وضاحت کی کہ دلائل الخیرات کا جو ذاتی نسخہ حضرتِ اعلیٰؒ کے معمولات میں شامل تھا اُس کے آخر میں آپؒ نے اپنی اولاد کی تاریخوں کا اندراج اپنے دست مبارک سے کیا ہے۔ دلائل الخیرات کے حاشیے پر حضرتِ اعلیٰؒ کی بڑی صاحبزادی اماں حیات بی بیؒ کا سن ولادت ۲۳/رجب ۱۳۲۶ھ درج ہے۔ سن عیسوی کے حساب سے یہ ۲۱/اگست ۱۹۰۸ء ہے۔ جبکہ دلائل الخیرات میں حضرتِ اعلیٰؒ کے دستِ مبارک سے بابا جی قبلہ خواجہ خان محمدؒ کی تاریخ پیدائش کا اندراج نہیں ہے۔

چند ماہ قبل ہمارے محترم محمد سعید اسدی صاحب میانوالی محکمہ صحت کے دفتر گئے جہاں انگریز کے زمانے کا تاریخ پیدائش کا ریکارڈ موجود ہے۔ آپ نے وقت نکال کر عرق ریزی کی۔ ۱۹۱۱ء اور ۱۹۱۲ء کا ریکارڈ باریک بینی سے دیکھا۔ لیکن بابا جیؒ کا اندراج نہ مل سکا۔ ایک خیال یہ بھی ذہن میں تھا کہ آپ کے ہم عصر مولانا عبدالستار خان نیازیؒ کی تاریخ پیدائش یکم اکتوبر ۱۹۱۳ء ہے اور ہمارے علاقے کے ایک بزرگ مولانا غلام یٰسین صاحبؒ کا (جو بھیرہ میں آپؒ کے ہم سبق تھے) سنِ پیدائش بھی ۱۹۱۳ء ہے۔ سوچا اس سال کا ریکارڈ بھی دیکھا جائے۔ چنانچہ کھوج جاری رہی۔ بشارت احمد مسلسل رابطے میں رہے۔ ۵/ مارچ ۲۰۱۱ء، بوقتِ صبح، محمد سعید اسدی صاحب کے ہمراہ محکمہ ہیلتھ میانوالی کے دفتر پہنچا۔ عملے نے بابا جیؒ کے حوالے سے ہمارے ساتھ تعاون کیا اور ہمیں ۱۹۱۵ء تک کے ریکارڈ کو دیکھنے کی اجازت دی۔ مگر اس میں بھی کچھ نہ ملا۔ ہم مایوس ہو چلے تھے لیکن ایک نقطہ ذہن میں تھا کہ کتابوں اور سینہ بہ سینہ روایات کے مطابق تو بابا جیؒ کی تاریخ پیدائش ۱۹۲۰ء یا اس سے قبل ہے کیوں نہ مزید پانچ برسوں کے ریکارڈ کو دیکھ لیا جائے۔ اسدی صاحب نے ہمت بندھائی اور میں دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنے کام میں مگن رہا۔ ایک لمحہ ایک نام، ایک تاریخ ایسی سامنے آئی کہ ساری تھکن اتر گئی اور سرشاری روح تک اتر گئی۔ پرانے بوسیدہ رجسٹر کے زرد صفحات میں کالی روشنائی سے درج تھا، ۱۴/فروری ۱۹۱۶ء..... خان محمد ولد خواجہ عمر..... موضع کھولہ..... آپؒ کی تاریخ پیدائش کی تسلی کے بعد باقی کام جاری رکھنا آسان لگا۔
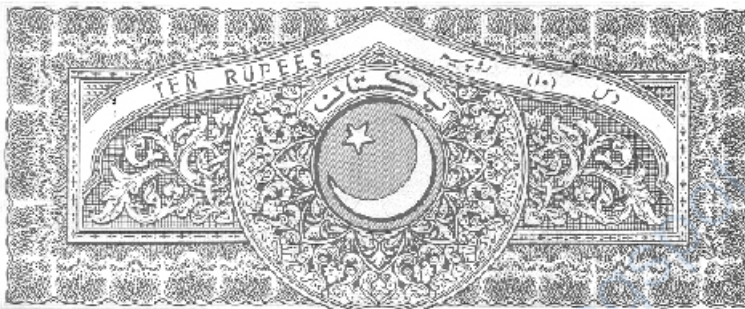
PAKISTAN　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　10 RS

تصدیق نامہ

میں قریشی محمد سعید اسعدی ایڈووکیٹ اس امر کی تصدیق کرتا ہوں کہ مجھے علاقہ کی مشہور شخصیات کی تاریخ پیدائش کے بارے میں تحقیق کرنے کا شوق ہے۔ چنانچہ میں نے حضرت مولانا محمد عبدالستار خان نیازی صاحب کی تاریخ پیدائش یکم اکتوبر 1913ء، حضرت میاں محمد صدیق صاحب سجادہ نشین بھور شریف کی تاریخ پیدائش بھی دو اکتوبر 1913ء اور حضرت مولانا غلام یٰسین قریشی صاحب ڈنگہ شریف کی تاریخ پیدائش بھی سال 1913ء معلوم کی۔ اب حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ شریف کی تاریخ پیدائش دفتر محکمہ صحت میانوالی کے ریکارڈ سے 14 فروری 1916ء تصدیق ہوئی ہے ----- واللہ اعلم بالصواب۔

3/3/2011

قریشی محمد سعید اسعدی ایڈووکیٹ

ساکن سعید آباد موضع کھولہ ضلع میانوالی

خاندانی حالات

حضرت خواجہ خان محمدؒ کا تعلق موضع بکھڑہ کے ایک سردار خاندان سے ہے جن کی سخاوت، نیکی، صلہ رحمی اور دین داری مسلّم تھی۔ آپ کے دادا ملک مرزا خان پابندِ صوم وصلوٰۃ اور اپنے قبیلے کے سردار تھے۔

آپ کے والدِ محترم

آپ کے والدِ بزرگوار کا اسمِ گرامی خواج عمر ہے۔ جن کا مولد وطن موضع ڈنگ (چشمہ بیراج کی مشرقی سمت) ہے جو دریائے سندھ کے کنارے ایک آباد قصبہ تھا۔ آپ کے والد حضرت خواجہ سراج الدینؒ کے مرید تھے۔ خواج محمد عمر کے چار بیٹے تھے: ملک شیر محمدؒ، ملک خان محمد (خواجۂ خواجگان خواجہ خان محمد صاحبؒ)، ملک فتح محمدؒ، ملک محمد افضلؒ، حضرت قبلہ کے تینوں بھائی آپ کی زندگی میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اللہ کی رحمت ہو اُن پر۔

مڈل سکول کھولہ

آپ کے والد نے آپ کو مڈل سکول موضع کھولہ میں داخل کرایا جہاں سے آپ نے پرائمری امتیازی نمبروں سے پاس کی۔ کچھ عرصہ آپ ایک ہندو استاد (جو کندیاں میں مقیم تھے) کے ہاں رہے۔ لیکن چند مہینوں میں وہاں سے دل اچاٹ ہو گیا اور واپس ڈنگ آ گئے۔ آپ چھٹی جماعت میں تھے جب مبدأ فیض نے آپ کو اپنی مخلوق کی رہنمائی کے لیے چن لیا۔

مولانا ابوالسعد احمد خانؒ کا انتخاب

بانی خانقاہ سراجیہ مولانا ابوالسعد احمد خانؒ ایک بار اپنے چچازاد بھائی ملک خواج عمر کے یہاں تشریف لے گئے۔ کھانے کے بعد معمول کی باتیں ہو رہی تھیں کہ آپ نے اپنے بھائی سے کہا، ”آپ کے پاس اللہ کے فضل سے تین ایسی چیزیں ہیں کہ میرے پاس اس قسم

کی ایک بھی نہیں۔'' ملک خواج عمر نے تھوڑا توقف کیا اور دل میں سوچا کہ بھائی کا اشارہ کس جانب ہے؟ ان کے گھر تین اعلیٰ نسل کی شیر دار بھینسیں تھان سے بندھی ہوئیں تھی۔ انہیں خیال گزرا کہ لنگر شریف کے مریدین کے لیے آپ کو بھینس کی ضرورت ہوگی۔ تلوکر خاندان کی سخاوت ضرب المثل تھی۔ انہوں نے خندہ پیشانی سے کہا، ''آپ میری تینوں بھینسیں لے جائیں، مجھے خوشی ہوگی۔'' قیومِ زماںؒ حضرتِ اعلیٰ مسکرائے اور فرمایا، ''فقیر کو بھینسوں کی خواہش نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین فرزند عطا کیے ہیں؛ شیر محمد، خان محمد، فتح محمد۔ آپ ہمیں ایک بیٹا دے دیں۔'' خواج عمر نے فرمایا کہ تینوں آپ کے بیٹے ہیں، آپ جسے چاہیں اپنے ساتھ لے جائیں وہ آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہے۔ نظرِ جوہر شناس نے خواجہ خان محمد کا انتخاب کیا۔ چنانچہ انہیں مڈل سکول کھولہ سے ہٹا کر آپ کے ساتھ بھیج دیا گیا۔

خانقاہ سراجیہ کا ابتدائی مدرسہ

حضرتِ اعلیٰؒ جامعِ شریعت و طریقت تھے۔ آپؒ نے خانقاہ کے ساتھ مسجد کی جنوبی سمت ایک مدرسہ اور طلبہ کی رہائش گاہیں تعمیر کیں۔ اس مدرسہ کی نگرانی آپ خود فرمایا کرتے تھے۔ جس وقت آپؒ ڈنگ سے خواجہ خان محمد کو ساتھ لائے تو اُن کی دینی تعلیم کا آغاز فرمایا۔

حضرت خواجہ خان محمد رحمہ اللہ کی سندِ فراغت (دارالعلوم دیوبند)

تعلیمی ادارے

دارالعلوم عزیزیہ، بھیرہ

بعد ازاں آپ دارالعلوم عزیزیہ، بھیرہ (تحصیل بھلوال، ضلع سرگودھا) میں مزید تعلیم کی تحصیل و تکمیل کے لیے داخل ہوئے۔ اس دور میں اس دارالعلوم کا شہرہ بگوی خاندان کی دینی خدمات کی بدولت دور دور تک تھا اور یہ دارالعلوم علاقے کی مرکزی دینی درسگاہ سمجھی جاتی تھی اور دور و نزدیک سے طلبہ یہاں پڑھنے آیا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں بگوی خاندان کے دو ممتاز علماء حضرت مولانا نصیر الدین بگویؒ (۱۹۳۴ء) اور حضرت مولانا ظہور احمد بگوی (۱۹۴۵ء)، بانی خانقاہ سراجیہ حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان صاحب قدس سرہٗ (۱۹۴۱ء) کے مخلص ارادتمندوں میں شامل تھے۔ اس طرح مخدومِ زماں حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمدؒ نے تین سال مدرسہ دارالعلوم عزیزیہ میں رہ کر درجۂ وسطیٰ تک کتابیں پڑھیں۔ آپؒ کو دارالعلوم کے تلامذہ میں ایک خاص اور نمایاں مقام حاصل رہا۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ کو مطبخ کا انتظام بھی سونپا گیا۔ منتظمین اور اساتذہ کے نزدیک اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے ہمیشہ شفقت کی نظر سے دیکھے جاتے رہے۔ مرشد خانہ اور مرشد زادہ ہونے کے لحاظ سے یہاں آپ کا بہت زیادہ احترام کیا جاتا تھا۔

جامعہ اسلامیہ، ڈابھیل

بابا جیؒ نے بھیرہ میں موقوف علیہ تک پڑھ کر جامعہ اسلامیہ، ڈابھیل، ضلع سورت، صوبہ گجرات، انڈیا میں داخلہ لیا۔ آپ نے تفسیر میں جلالین، حدیث شریف میں مشکوٰۃ، فقہ میں ہدایہ اور عربی ادب میں مقامات حریری ایسی کتابیں حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہیؒ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا محمد ادریس سکروڈھویؒ، حضرت مولانا عبدالعزیز کامل پوریؒ (اٹک) ایسے یگانۂ روزگار اساتذہ سے پڑھیں۔

دیوبند میں حاضری

۱۹۴۰ء میں ڈابھیل سے آ کر دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث شریف کے لیے داخلہ لیا۔ تب دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرّس اور شیخ الحدیث شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ تھے لیکن مشیت ایزدی کہ حضرت مدنیؒ نے بخاری شریف کا افتتاحی سبق پڑھایا اور پھر تحریک آزادی میں سرگرم حصہ لینے کے باعث قید ہو گئے۔ حضرت مولانا فخر الدینؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا اعزاز علیؒ ایسے ذی قدر مشائخ وقت سے آپ نے صحاحِ ستہ، مؤطین، طحاوی وغیرہ کتبِ حدیث پڑھ کر دارالعلوم دیوبند سے تحصیلِ علوم کی سندِ فراغ حاصل کی۔ دیگر حضرات کے علاوہ جامعہ محمدی شریف، ضلع جھنگ کے معروف عالمِ دین، شیخِ وقت، محقق و مصنف حضرت مولانا محمد نافعؒ بھی باباجیؒ کے دورہ حدیث کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ باباجیؒ ۱۹۴۱ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔ جبکہ حضرت مولانا ابوالسعد احمد خانؒ — آپ کے مربی، سرپرست اور مرشد اوّل کا انتقال بھی ۱۹۴۱ء میں ہوا۔

البتہ حضرت اقدس خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر اپنے تعزیتی مکتوب میں تحریر فرمایا ہے، ''ویسے تو ان (حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کے ساتھ بہت ساری قدریں مشترک ہیں لیکن دو قسم کے رشتے بڑے اہم ہیں، ایک یہ کہ ایشیاء کی عظیم درسگاہ دارالعلوم دیوبند اور دیوبند میں مرجع الخلائق شیخ العرب والعجم سیّد حسین احمد رحمہ اللہ سے اکتسابِ فیض اور ان کی پاکیزہ صحبت جو اللہ جل شانہٗ نے ہمیں نصیب فرمائی اور اسی طرح ہمارے قدوۃ السالکین، محبوب العارفین حضرت اعلیٰ خواجہ ابوالسعد احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق بھی خانقاہ موسیٰ زئی شریف سے تھا۔ حضرت مولانا کے مرشد حضرت مولانا حسین علیؒ کا تعلق بھی خانقاہ موسیٰ زئی شریف سے تھا۔ اس طرح اللہ جل شانہٗ نے رشد و ہدایت کے ان مراکز کے ساتھ ہمیں نسبت عطاء فرمائی۔''

باباجیؒ کے معلّمین

حضرت باباجیؒ نے مندرجہ ذیل حضرات کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیے:

(۱) حضرت مولانا پیر سیّد عبداللطیف احمد پور سیالویؒ

باباجیؒ کے معلمِ اوّل مولانا پیر عبداللطیف شاہ صاحبؒ ہیں۔آپ ان مریدانِ باصفا میں سے ہیں جن پر حضرتِ اعلیٰؒ کی خصوصی توجہات تھیں۔آپؒ احمد پور کے رہنے والے تھے۔نسبی تعلق سیّد مخدوم جہانیاں اوچ شریف سے تھا۔آپ نے عربی، فارسی کی ابتدائی تعلیم پنجاب کے مختلف مدارس میں حاصل کی اور تکمیل حضرت انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی خدمت میں رہ کر جامعہ اسلامیہ، ڈھابیل، ضلع سورت میں کی۔سلوک کے مراحل طریقۂ نقشبندیہ میں حضرت مولانا عبداللہ لدھیانویؒ کی صحبت میں طے کیے اور آپ کے پہلے خلیفہ مجاز ہوئے۔پھر دیگر سلاسل کی نسبتوں سے بھی فیض یاب ہوکر تمام سلاسل میں اجازتِ مطلقہ سے مشرف ہوئے۔حضرت خواجہ خان محمدؒ نے قرآنِ مجید اور چند ابتدائی کتابیں آپ سے پڑھیں۔[1]

(۲) حضرت مولانا عبداللہ لدھیانویؒ

مولانا عبداللہ لدھیانویؒ حضرت خواجہ خان محمد صاحبؒ کے جہاں شیخ تھے وہاں استاد اور مربی بھی تھے۔حضرت خواجہ صاحبؒ نے اپنے پیرو مرشد مولانا عبداللہ صاحب سے فارسی، نظم ونثر اور صرف ونحو کی کتابیں پڑھیں۔آپ اپنے محسن و مربی حضرت مولانا ابو السعد خان صاحب قدس سرہٗ کے وصال کے بعد پندرہ برس تک اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا عبداللہ لدھیانویؒ کی خدمت میں رہ کر باطنی علوم وفیوض سے بہرہ مند ہوئے۔آپ کو یکے بعد دیگرے دو بلند مرتبہ شیوخ سے فیض یاب ہونے کی سعادت نصیب ہوئی،جس کی بدولت آپ کو اس راہ میں کمال نصیب ہوا۔ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد عبداللہ قدس سرہٗ نے

۱۔ بیس مردانِ حق،ص ۶۳۲

حضرت قاضی شمس الدینؒ سے فرمایا، ''حضرت شیخ الہندؒ جب مالٹا میں نظر بند تھے تو معارفِ قرآنِ کریم پر ایک کتاب لکھنے کا ارادہ فرمایا، چند پارے لکھنے کے بعد اسے ترک کر دیا، استفسار پر فرمایا کہ میں نے کتاب کے بجائے ایک آدمی (حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ) پر محنت شروع کر دی ہے تا کہ خلقِ خدا کی ہدایت کے لیے ایک چلتا پھرتا نسخہ تیار ہو جائے۔ حضرت اقدس (مولانا محمد عبداللہ لدھیانویؒ) نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ میں بھی ایک آدمی تیار کر رہا ہوں، بعد ازاں قرائن سے پتہ چلا کہ وہ آدمی مخدومِ زمان حضرت مولانا ابوالخلیل خواجہ خان محمد صاحبؒ ہیں، جو آپ کے خلیفہ و جانشین قرار پائے۔[1]

مولانا عبداللہ لدھیانویؒ کے والد کا نام میاں محمدؒ تھا۔ آپ موضع سلیم پور، ضلع لدھیانہ کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں حاصل کی۔ ۱۹۲۴ء میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، درسِ نظامی کی متوسطات سے دورۂ حدیث تک تمام علوم وفنون کی کتابیں دارالعلوم دیوبند میں پڑھیں۔ ۱۹۲۷ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت ہوئی۔ مولانا ابوالسعد احمد خانؒ بانی خانقاہ سراجیہ سے بیعت ہوئے اور بس خانقاہ کے ہو رہے۔ پوری زندگی آستانۂ شیخ کی خدمت کے لیے وقف کر دی اور پہلوئے شیخ میں محوِ استراحت ہیں۔

مولانا ابوالسعد خانؒ نے اپنی زندگی میں حضرت مولانا عبداللہ لدھیانویؒ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ حضرت خواجہ خان محمدؒ نے آپ سے بیعت کا تعلق قائم کیا اور سولہ سال حضرت لدھیانوی کی خدمت میں گزارے۔ اپنے پیرومرشد کے ادب کا یہ عالم تھا کہ جب وہ طلب فرماتے تو حضرت خواجہ صاحبؒ کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا۔ حضرت لدھیانویؒ سے مجددی نصاب سلوک کی مکمل تعلیم حاصل کی، تین مرتبہ امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ کے مکتوبات کو سبقاً سبقاً پڑھا۔ حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ کے مکتوبات، مکتوباتِ معصومیہ، اور شاہ ابوسعید کی ہدایت الطالبین بھی پڑھی۔ حضرت خواجہ خان محمدؒ نے مولانا لدھیانویؒ کے سامنے

۱۔ لولاک نمبر، ص ۶۵۶

اپنے آپ کو مٹا دیا تھا۔

ہر وقت خدمت میں مصروف رہتے۔ خانقاہ سراجیہ کے تینوں کمروں، مہمان خانہ، تسبیح خانہ اور کتب خانہ کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیا۔ خانقاہ کے لنگر کی ضروریات کی فراہمی، مہمانوں اور زائرین کی خاطر مدارات، گھوڑوں اور مویشیوں کی دیکھ بھال اس پر مستزاد تھی۔ فارغ اوقات میں مدرسہ سعدیہ میں طالبانِ علومِ نبوت کو اَسباق بھی پڑھاتے۔ حضرت مولانا عبداللہ لدھیانویؒ کی وفات کے بعد حضرت خواجہ خان محمدؒ ان کے جانشین قرار پائے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ اپنے پیرو مرشد اور استاذ حضرت مولانا عبداللہ لدھیانویؒ کا احترام تو ساری زندگی کرتے ہی رہے، ان کی وفات کے بعد بھی احترام کا یہ سلسلہ ان کی اولاد کے ساتھ بھی جاری وساری رہا۔

(۳) حضرت مولانا عبدالحقؒ صاحب

(مولانا عبدالحق صاحبؒ اور مولانا قاسم ہزارویؒ دارالعلوم عزیزیہ، بھیرہ میں ممتاز مدرّس تھے۔ حضرت بابا جیؒ نے ان حضرات سے قدوری، کنز الدقائق، نحو میر اور شرح مائۃ عامل پڑھیں)۔

آپ موضع پیرزئی، کیمل پور (اٹک) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام مولانا شیر محمد تھا۔ مولانا عبدالحق ایک جید عالم تھے۔ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور علمائے سلف کا بہترین نمونہ تھے۔ آپ نے امروہہ (ہندوستان) کے مقتدر علماء سے سندِ حدیث حاصل کی۔ بسلسلۂ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں گیارہ مہینے جیل کاٹی۔ آپ کی وفات نومبر ۱۹۵۸ء کو سوموار کے دن ہوئی۔[۱]

(۴) مولانا قاسم ہزارویؒ

آپ ۱۸۹۹ء کو جناب مولانا عزیز اللہ کے گھر بالا کوٹ، ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ راجپوت تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر علاقہ کے علماء سے استفادہ کیا۔

۱۔ دامن اباسین، ص ۳۳۳

بعدازاں مولانا محمد اسحاق مانسہروی کے مدرسہ میں مولانا عبدالمجید صاحب سے پڑھتے رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے ہندوستان کا قصد کیا۔ ۱۳۴۲ھ میں مدرسہ امینیہ، دہلی میں داخلہ لیا۔ موقوف علیہ کی تکمیل کے بعد ۱۳۴۴ھ میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا وحید حسنؒ اور حضرت مولانا عبدالغفور مہاجر مدنی سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ فراغت کے بعد مزید ایک سال وہاں رہ کر علمِ تفسیر کی تحصیل کی۔ پھر اس مدرسہ میں بطور معاون مفتی ایک سال تک کام کرتے رہے۔ ۱۹۲۶ء کو وطن واپس لوٹے تو دارالعلوم محمدیہ، محلّہ پیراں بھیرہ، ضلع سرگودھا میں کئی سال تک تدریس کی۔

۱۹۳۷ء تا ۱۹۳۹ء مولانا ظہور احمد مدنی بگویؒ کے مدرسہ دارالعلوم اسلامیہ عزیزیہ، بھیرہ میں بطور صدر مدرّس تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے کہ چار دن کی مختصر علالت کے بعد آپ کا نومبر ۱۹۳۹ء کو انتقال ہوا۔[۱]

(۵) مولانا حافظ عبدالرحمٰن امروہیؒ

آپ کا سالِ ولادت تقریباً ۱۲۷۷ھ ہے۔ بمبئی میں پیدا ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں قرآن شریف حفظ کیا، ابتدائی تعلیم بھی مکہ مکرمہ میں پائی۔ مولانا احمد حسن امروہیؒ سے شرفِ تلمذ پایا۔ آخر میں دیوبند آکر تفسیر وحدیث کے کچھ اسباق حضرت مولانا قاسم نانوتوی سے پڑھے۔ حضرت نانوتوی کے آخری شاگردوں میں سے تھے۔ مدرسہ شاہی مرادآباد، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل اور جامعہ اسلامیہ امروہہ میں ساٹھ سال تک مدرّس رہے۔ آخر میں جامعہ اسلامیہ امروہہ کے شیخ الحدیث والتفسیر ہوگئے تھے۔ تفسیر بیضاوی پر آپ کا ایک حاشیہ ہے۔ مطول اور مختصر المعانی پر بھی حواشی لکھے۔ شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے اجازتِ بیعت حاصل تھی۔ ۹۰ سال کی عمر میں ۲۲ر جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ کو واصل بحق ہوئے۔[۲]

۱۔ مشاہیرِ علماء، ج ۳، ص ۱۲۴

۲۔ تاریخ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، ص ۳۰۳

(۶) مولانا سیّد محمد بدر عالم میرٹھیؒ

آپ ۱۹۰۱ء کو ''بدایون'' ضلع میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام حاجی تہور علی تھا۔ آپ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے۔ مظاہر العلوم، سہارنپور سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ فراغت کے بعد مظاہر العلوم میں تدریس پر مامور ہوئے اور دو سال درس دینے کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور دوبارہ مولانا حضرت محمد انور شاہ کشمیریؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر دوسری سند حاصل کی۔ مظاہر العلوم سہارنپور، دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے بعد آپ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے جہاں سترہ سال تک تدریسِ حدیث میں مشغول رہے۔ ''ترجمان السنۃ'' اور ''فیض الباری'' آپ کے عظیم تصنیفی اور علمی شاہکار ہیں۔ تقسیمِ ہندوستان کے بعد کراچی آ گئے، پھر جامعہ اسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں تدریسِ حدیث کرتے رہے۔ ایک عرصہ تک جامعہ کے ناظمِ اعلیٰ رہے۔ پھر ہجرت کی نیت سے مدینۃ الرسول کو اپنا مسکن بنایا۔ ۵؍رجب ۱۳۸۵ھ/ ۲۹؍اکتوبر ۱۹۶۵ء کو جمعہ کی شب انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں آسودۂ خاک ہیں۔[۱]

حضرت خواجہ خان محمدؒ نے مولانا عبدالرحمٰن امروہیؒ اور مولانا بدر عالم میرٹھیؒ سے مشکوٰۃ شریف، مقاماتِ حریری پڑھیں۔

ایک مرتبہ حضرت بابا جیؒ نے فرمایا، حضرت مولانا محمد بدر عالم میرٹھیؒ مواجہ شریف پر بھی سلام پڑھنے کے لیے حاضر ہوتے تھے مگر جب زائرین کا ہجوم زیادہ ہوتا تو دور جس جگہ نماز پڑھی تھی، نماز کے بعد وہیں کھڑے ہو کر سلام پیش کرتے اور گھر چلے آتے۔

نیز فرمایا کہ حضرت مولانا محمد بدر عالم میرٹھی، جو میرے استاد تھے، جب وہ ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے تو شیخ اکرام الحق (مصنف موجِ کوثر، رودِ کوثر وغیرہ، جو اس وقت دینی امور کے وزیر بھی تھے) نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں ریڈیو پاکستان سے

۱۔ ملخص از مشاہیرِ علماء دیوبند

دینی تعلیم کی ترغیب دی۔ حضرت نے جواب دیا کہ ریڈیو پاکستان کی گاڑی شہر کے ایک کونے سے فلمی اداکارہ کو اٹھائے گی، پھر قوالوں کو لے گی، پھر مجھے لے کر ریڈیو پاکستان کی عمارت میں اتارے گی۔ جب سب لوگ اپنے اپنے کردار ادا کر چکیں گے تو یہی گاڑی ان کو ان کے گھروں پر اتارے گی، یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا کہ اجنبی عورتوں اور اس قماش کے لوگوں کے ساتھ ریڈیو کے لیے کام کروں، لہٰذا انکار کر دیا۔ [حاجی محمد یعقوب]

(۷) شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ

فقہ و ادب آپ کا خاص فن تھا۔ آپ جب ابتداء میں دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تو عربی کی ابتدائی کتابیں علم الصیغہ اور نور ایضاح آپ کو تدریس کے لیے دی گئیں مگر آپ کے درس نے بالآخر وہ مقبولیت حاصل کی کہ شیخ الادب والفقہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ عمر کے آخری دور میں کئی سال ترمذی جلدِ ثانی اور تفسیر کی بلند پایہ کتابیں بھی پڑھائیں۔ حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کی عدم موجودگی میں متعدد بار آپ کو بخاری شریف پڑھانے کا موقع ملا۔ غرض تفسیر، حدیث، فقہ، ادب وغیرہ ہر فن کی کتب پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ بے نفسی اور تواضع میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ ایک بے نظیر استاد، متبحر عالمِ دین اور جامع شخصیت تھے۔ آپ نے ۴۴ برس تک دارالعلوم دیوبند میں مسندِ تدریس کو رونق بخشی۔

(۸) محدث العصر مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ

مولانا محمد یوسف بنوریؒ ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام حضرت مولانا سیّد محمد زکریاؒ تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی، ماموں اور علاقے کے علماء سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۳۴۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ علاّمہ سیّد محمد انور شاہ کشمیریؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔ فراغت کے بعد علامہ سیّد محمد انور شاہ کشمیریؒ کی معیت میں جامعۂ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریس کا آغاز کیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے انتقال کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے صدر مدرّس اور شیخ الحدیث رہے۔ بعد ازاں جامعۃ العلوم الاسلامیہ کی نیوٹاؤن (علامہ بنوری ٹاؤن) کراچی میں بنیاد رکھی۔ آج آپ کا لگایا ہوا یہ گلشن

پھل رہا ہے اور طالبانِ علومِ نبوت کا مرجع ومرکز ہے۔ مولانا محمد یوسف بنوریؒ بڑے جید عالمِ دین تھے۔ ۱۷/اکتوبر ۱۹۷۷ء کو انتقال فرمایا۔ محدثِ کبیر، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ اکوڑہ خٹک نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ آپ کو بنوری ٹاؤن کی جامعہ مسجد کے ایک جانب سپردِ خاک کر دیا گیا۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے متعلق حضرت خواجہ خان محمدؒ فرماتے ہیں: ''استاد العلماء حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ فقیر کے مشفق استاد تھے اور شفقت ومحبت سے اپنا خادم اور ساتھی بھی تصور فرماتے تھے۔ وہ ہنس مکھ نورانی چہرہ اور میٹھی میٹھی رس بھری باتیں، جو کانوں میں شرینی گھول رہی تھیں، جب یاد آتی ہیں تو ان کو ''رحمۃ اللہ علیہ'' لکھنے سے دکھ ہوتا ہے۔ لیکن جب سب نے اسی راستے پر چلنا ہے تو پھر اس شعر میں کوئی جدت اور ندرت باقی نہیں رہ جاتی کہ:

ہر آنکہ زاد بنا چار بایدش نوشید
ز جامِ دہر مئے ''کُلُّ مَن عَلَیھا فان''

ترجمہ: ''جو بھی پیدا ہوا ہے اس کو ناچار زمانے میں سے **کُلُّ مَن عَلَیھا فان** کا جام پینا پڑے گا۔''

بہر حال دعا ہے کہ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

فقیر کو شوال ۱۳۶۰ھ سے شعبان ۱۳۶۱ھ تک جامعہ اسلامیہ، ڈابھیل، ضلع سورت میں حضرت مولانا مرحوم سے سبعہ معلقہ، مقاماتِ حریری اور ادبی متوسطات پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۶۵ء میں حضرت سیّدی و مرشدی مولانا محمد عبداللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ جانشین حضرت مولانا ابوالسعد خان صاحبؒ بانی خانقاہ سراجیہ، کندیاں، ضلع میانوالی کے وصال کے بعد خانقاہ سراجیہ کی خدمت کا بوجھ جب فقیر کے کندھوں پر آ پڑا تو اس کے بعد ایک دفعہ خانقاہ شریف کے غائبانہ تعارف کی وجہ سے حضرت مولانا صاحب مرحوم خانقاہ سراجیہ رونق افروز ہوئے۔ سوئے قسمت سے فقیر ہری پور، ہزارہ کے سفر پر تھا۔ خانقاہ

شریف سے واپسی پر حضرت مولانا بھی اپنے محترم داماد مولانا محمد طاسین صاحب کو ملنے ہری پور، ہزارہ تشریف لے گئے تو وہاں ہری پور کے متصل ''موضع درویش'' میں قاضی شمس الدین صاحب کے مکان پر فقیر کو ملنے تشریف لائے اور بڑی محبت اور دلچسپی سے خانقاہ شریف کے پرسکون ماحول اور عظیم کتب خانے کا ذکر فرمایا۔ اور پھر فرمایا کہ جی چاہتا ہے کہ علمی کام کے لیے آدمی خانقاہ شریف آجائے، کیونکہ ہر طرح کا سکون اور یکسوئی جس طرح وہاں میسر ہے کراچی جیسے مصروف شہر میں اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا، پھر جبکہ اتنا عظیم اور جامع کتب خانہ بھی ہر وقت دسترس میں ہو۔''[1]

۱۔ ''بینات''، اشاعتِ خاص حضرت بنوری نمبر، ص۵۲۳، ۵۲۴

خانگی حالات

حضرت ثانیؒ سے بیعت

دارالعلوم دیوبند میں علومِ متداولہ کی تحصیل و تکمیل اور فراغت سے قبل ہی حضرتِ اعلیٰ مولانا خواجہ ابوالسعد احمد خانؒ وصال فرما گئے۔ اب آپ کے جانشین وخلیفہ اجل حضرت مولانا محمد عبداللہ المعروف حضرت ثانیؒ مسند نشین ہوئے۔ باباجیؒ کو حضرتِ ثانی سے تلمذ کا شرف تو حاصل تھا ہی، اب آپ نے حضرت ثانیؒ سے بیعت کی اور آپ سے علم تصوف حاصل کرنے کے لیے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ تین بار مکمل، کنزالہدایات مولانا محمد باقر لاہوریؒ، مکتوباتِ حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ، مکتوباتِ حضرت خواجہ محمد معصومؒ اور ہدایۃ الطالبین جیسی کتب تصوف کو سبقاً سبقاً حضرت ثانیؒ سے پڑھا۔ حضرت ثانیؒ نے طلب صادق دیکھ کر آپ کی روحانی تکمیل پر بھرپور توجہ دی۔

پندرہ سال آپ نے باطنی سلوک کی تمام منزلیں (لطائف، مراقبات) اپنے شیخ حضرتِ ثانی کے قدموں میں بیٹھ کر طے کیں۔ خانقاہِ سراجیہ کی مسجد اور حجرے گواہ ہیں کہ آپ نے ان تخلیوں میں کیا کیا باطنی دولتیں سمیٹی ہیں۔

لنگر کی خدمت

باباجیؒ نے لنگر کی خدمت کو عین سعادت جانا۔ حضرتِ ثانیؒ کے دور میں دور دراز سے جو لوگ سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے کندیاں ریلوے اسٹیشن سے ٹیلوں کی تپش سہتے ہوئے خانقاہ پہنچتے، تو باباجی کا دل نواز تبسم ان کا استقبال کرتا۔ گرمیوں میں ان کی ٹھنڈے پانی اور لسّی سے تواضع کرتے۔ ان کے آرام کے لیے چارپائی اور کمرے تک رہنمائی کرتے۔ نووارد کا حضرتِ ثانی سے سلیقے سے تعارف کراتے، اور پھر تیز قدموں سے جا کر بڑی مائی صاحبہ کی خدمت میں کھانے کے لیے عرض کرتے۔

بڑی مائی صاحبہ[1] اور حضرتِ ثانیؒ کے درمیان رابطے کا مضبوط ذریعہ

چونکہ اندرونِ خانہ مائی صاحبہ کے ساتھ مشاورت کی ضرورت رہتی تھی اور بابا جیؒ حضرتِ اعلیٰ کے بھتیجے اور داماد بھی تھے، اس لیے حضرتِ ثانیؒ ان پر مکمل اعتماد کرتے اور مالی و انتظامی معاملات کے لیے بابا جیؒ اپنے شیخ اور بڑی مائی صاحبہ کے درمیان ایک مضبوط ذریعہ تھے۔ آپ کی دیانت، امانت اور شرافت اظہر من الشّمس تھی۔

بابا جیؒ بطور مدرّس

بابا جیؒ جب دیوبند سے اپنی تعلیم مکمل کر کے واپس وطنِ مالوف تشریف لائے تو جہاں لنگر کی خدمت کو حرزِ جان بنایا وہاں مدرسہ میں طلبہ کی تعلیم کو اپنے لیے افتخار جانا، اور اپنے شیخ حضرت مولانا عبداللہ لدھیانویؒ کی اجازت سے طلبہ کی تعلیم کا آغاز کیا۔ شروع میں بچوں کو ''چھوٹا قاعدہ'' اور ''بغدادی قاعدہ'' پڑھانا آپ کی ذمہ داری تھی۔ بعد میں گلستان، بوستان، منیۃ المصلّی، قدوری، اصول الشاشی اور دیگر کتب پڑھایا کرتے تھے۔ آپ انتہائی شفیق اور دلکش شخصیت کے مالک تھے، جس کی وجہ سے مدرسے کے طلبہ آپ کی شخصیت کے اسیر ہو گئے۔ آپ کے ہم عصر مدرّسین میں مولوی عبدالحق صاحبؒ، داماں کے مولانا عطا محمد صاحبؒ اور مولانا قطب الدین صاحبؒ کے نام ملتے ہیں۔ جبکہ حضرتِ ثانی کے دور میں قرآنِ مجید حفظ کرانے کی ذمہ داری حافظ محمد سعیدؒ کی تھی۔

زمانۂ تدریس کا ایک دلچسپ واقعہ

ایک روز حافظ ظفر احمد صاحبؒ نے، جو ضلع مظفر گڑھ کے رہنے والے تھے، حضرتِ ثانیؒ سے عرض کیا کہ میں بعض کتب حضرت خان محمد صاحب قبلہ سے پڑھنا چاہتا ہوں۔ اس پر حضرتِ ثانیؒ نے فرمایا، ان سے علم حاصل کرنے کا بس ایک ہی طریقہ ہے، وہ یہ کہ کتاب لے کر ان کے پیچھے لگے رہو، جہاں انہیں فراغت ملے سبق پڑھ لو۔ ایک روز حضرت مولانا خان محمد صاحبؒ گھوڑے پر سوار کندیاں سے خانقاہ پہنچے۔ نمازِ مغرب ہو چکی تھی۔ آپ نے

۱۔ اہلیہ حضرتِ اعلیٰ مولانا ابوالسعد احمدؒ

گھوڑے کو تھان پر باندھا اور نمازِ مغرب ایک کمرے میں ادا کی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا حافظ محمد ظفر صاحب کتاب لیے بیٹھے ہیں۔ پوچھا، کیا کام ہے؟ حافظ صاحب نے کہا کہ سبق پڑھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، سبق پڑھنے کا یہ کونسا وقت ہے؟ بااین ہمہ انہیں چند اسباق پڑھائے تو وہ مطمئن ہو گئے۔

انجمن اصلاح الکلام کی بنیاد

باباجی نے جب مدرسہ خانقاہ سراجیہ میں بطور مدرّس ذمہ داری سنبھالی تو ایک روز اپنے شیخ مولانا عبداللہ لدھیانویؒ کی خدمت میں باادب عرض کیا کہ میں طلبہ کی تربیت کے لیے ایک تنظیم بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ حضرت ثانیؒ نے سوال کیا کہ اس کے اغراض و مقاصد کیا ہیں؟ آپؒ نے فرمایا، بچوں کی دینی اور ذہنی تربیت، تاکہ کل وہ عملی میدان میں کامیاب انسان ثابت ہوں۔ حضرتِ ثانیؒ نے بخوشی اجازت مرحمت فرمائی اور آپ نے انجمن اصلاح الکلام کے نام سے ایک انجمن کی بنیاد رکھی۔

انجمنِ اصلاح الکلام کا پندرہ روزہ اجلاس

انجمن کا باقاعدہ اجلاس منعقد ہوا جس میں باباجیؒ کو اصلاح الکلام کا صدر اور چچا جان حافظ محمد زاہد کو جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ اجلاس میں فیصلہ ہوا کہ درس گاہ میں ہر پندرہ روز بعد، بعد نمازِ عشاء انجمن کا اجلاس ہوا کرے گا۔

بچوں کی تقاریر

شروع میں یہ مشکل پیش آئی کہ بچوں کو تقریر لکھنا کون سکھائے اور تقریر کرنے کے فن کی مشق کون کرائے۔ باباجیؒ کمال کے منتظم تھے۔ انہوں نے یہ ذمہ داری خود سنبھالی۔ پندرہ دن میں خود مختلف موضوعات پر تقاریر لکھ کر بچوں کو یاد کراتے اور پھر اجلاس میں ان کی محنت کو سراہتے۔

دو شیوخ

حضرت بنوریؒ نے اپنے صاحبزادہ مولانا سیّد محمد بنوریؒ کو حضرت شیخ الحدیث مولانا

محمد زکریاؒ کی خدمت میں مدینہ طیبہ بھیجا۔ حضرت بنوریؒ کے کسی ملنے والے نے کسی دوست سے پوچھا کہ محمد بنوریؒ کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا، دوشیوخ کی نظروں میں ہیں، بڑے خوش نصیب ہیں۔ دوشیوخ سے مراد ایک بذاتِ خود حضرت بنوریؒ، اور دوسرے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ۔ یہ کسی اہلِ دل کا مقولہ ہے، جو ہمارے باباجیؒ پر صادق آتا ہے کہ دنیا دیکھ کر عش عش کر اُٹھی کہ حضرت اعلیٰؒ، حضرت ثانیؒ اپنے اپنے وقت کے دوشیوخ کی نظرِ التفات وتوجہ نے باباجیؒ کو بھی اپنے وقت کا صرف شیخ نہیں، بلکہ شیخ المشائخ بنادیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کی توجہات نے مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کو شیخ العرب والعجم بنادیا تو حضرت ثانیؒ کی فکر احسان نے باباجیؒ کو مرشد العلماء والصلحاء اور شیخ الشیوخ بنادیا۔

باباجیؒ کی حیرت انگیز مصروفیات

باباجیؒ کی اس زمانہ کی مصروفیات کو دیکھا جائے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ آپ اپنے یومیہ معمولات کیونکر مکمل کر لیتے تھے؟

صرف تدریس کو لیجیے۔ آپ یومیہ کئی اسباق پڑھاتے۔ مولانا محمد عبداللہ خالدؒ مانسہروی، حافظ محمد شریف برمنگھم، باباجیؒ کے ابتدائی شاگردوں میں سے ہیں۔ مولانا عبداللہ صاحبؒ نے ابتداء سے ہدایہ تک اور حافظ محمد شریف صاحب نے کریما سے مثنوی تک باباجیؒ سے کتابیں پڑھیں۔ غرض تصوف کے اسباق پڑھنا، مدرسہ کے طلبہ کو کوئی درسی کتب پڑھانا، اپنے گھربار کی ضروریات، اپنے مرشد اوّل حضرت خواجہ ابوالسعد احمد خانؒ کے گھربار کی خدمت، ذکرواذکار، تلاوت، مراقبہ کے یومیہ معمولات اور پھر اپنے شیخ واستاذ کی ہمہ نوع کی خدمت، صبح وشام ان کے مزاج کی رعایت سے چائے بنانا، بستر بچھانا، وضو کا انتظام کرنا، شیخ کی خدمت میں حاضر رہنا، خانقاہ شریف کے انتظامات، اپنے مربی و مرشد اور خانقاہ شریف کے لنگر کی اشیاء خوردونوش کی خریداری، اپنے مرشد کے ساتھ مہینوں اسفار، غرض گرمی سردی، دھوپ بارش، صبح وشام، دن رات کی مصروفیات ــــ آپؒ کی بھرپور محنت نے بڑی سرعت کے ساتھ آپ کو اپنے مرشد ثانیؒ کا نقشِ ثانی بنادیا۔

مسند نشینی

۷ ؍جون ۱۹۵۶ء کو پیرِ طریقت حضرت مولانا محمد عبد اللہ لدھیانویؒ کا وصال ہوا۔ اس موقعہ پر حضرت اعلیٰؒ اور حضرت ثانیؒ کے خلفاء، خانقاہِ سراجیہ کے موجود متوسلین و متعلقین اور دیگر علمائے کرام نے بابا جیؒ کو متفقہ طور پر خانقاہ سراجیہ کا مسند نشین تسلیم کر لیا۔ آپ کے ہاتھ پر تمام حضرات نے تجدید بیعت کی اور یوں خانقاہ سراجیہ کے ہر دو اکابر کے فیوض و برکات کے آپ امین و قاسم قرار پائے۔ اللہ کی شان کہ آپ نے خانقاہ سراجیہ کی مسند اپنے شیوخ و اکابر کے طرز و نہج اور ان کے قائم کردہ خطوط پر ایسی استقامت سے سنبھالی کہ سلسلۂ عالیہ کے فیوض و برکات عالم میں پھیلنا شروع ہو گئے۔ **وللّٰہ الحمد فی الاولیٰ والآخرۃ.**

بابا جیؒ کی اہلیۂ اوّل

بچپن میں میرے ذہن پر محبت اور مودت کی جو پہلی تصویر اُبھری وہ چھوٹی پھوپھو جان کی ہے۔ خانقاہ سراجیہ کے بانی، میرے پڑدادا، قطب الاقطاب، حضرت مولانا احمد خان صاحبؒ کی چھ بیٹیاں تھیں، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حیات بی بی، سعیدہ بی بی، عائشہ بی بی، خدیجہ بی بی، ام کلثوم اور حمیدہ بیگم۔ خدیجہ بی بی حضرتِ اعلیٰ ابوالسعد احمد خانؒ کی بیٹیوں میں چوتھے نمبر پر ہیں۔ وہ قبلہ بابا جی، شیخ المشائخ، قطب الابدال، خواجہ خان محمدؒ کی زوجیت میں تھیں اور چھوٹی پھوپھو جان کے نام سے موسوم ہوئیں۔ اس نام سے موسوم ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ میرے والد محترم صاحبزادہ محمد عارف اور میرے چچا صاحبزادہ محمد زاہد کی سگی پھوپھی تھیں۔ اور سب سے چھوٹی اس لیے کہلائیں کہ ان سے چھوٹی دو ہم شیرگان امِ کلثوم ۱۲؍اکتوبر ۱۹۲۵ء کو پیدا ہوئیں اور فروری ۱۹۲۷ء میں جب ان کی عمر ڈیڑھ سال کی تھی، فوت ہو گئیں۔ جبکہ حمیدہ بیگم، جن کا یومِ پیدائش ۱۴؍مارچ ۱۹۲۸ء ہے، ان کو بھی اللہ کریم نے بچپن میں اپنے پاس بلا لیا۔ گھر میں اماں حیات بی بی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ سعیدہ بی بی دوسری صاحبزادی اور میری نانی اماں تھیں۔ نانا جان ملک محمد اسلم (جو کوئٹہ پولیس کے محکمے میں ملازم تھے) کی زوجیت میں تھیں اور چونکہ عمر کوئٹہ میں

گزری اس لیے خاندان میں ''اماں کوٹے والی'' کے نام سے مشہور تھیں۔ تیسری بیٹی عائشہ بی بی جو پہلے ملک حاکم خان کی زوجہ تھیں، ان سے ایک صاحبزادہ ملک نصیر احمد تھا۔ ملک حاکم خان کے وصال کے بعد ملک حیات خان کی زوجیت میں آئیں اور ان میں سے بھی ایک بیٹا ملک خورشید احمد تھا۔

چھوٹی پھوپھو جان کا مزاج، لباس

چھوٹی پھوپھو کے سراپے میں شہد گندھا تھا۔ آپ کا لباس علاقائی اور انتہائی سادہ تھا اور سادہ پرنٹ کی ہلکے رنگ کا کُرتا ان کے مزاج کا حصہ تھا۔ ان کے کرتے میں بغلی جیب بھی تھی۔ جس میں سے وہ کبھی ہمیں کھانے کو ریوڑیاں اور ٹانگری بھی نکال کے دیا کرتی تھیں۔ اسی بابرکت جیب سے ایوبی عہد کا ایک پیسہ، جس کے درمیان میں سوراخ ہوتا تھا، ہمیں ملا کرتا تھا۔ جہاں تک میری بچپن کی یادداشت کام کرتی ہے میں نے ان کو کبھی غصے میں نہیں دیکھا اور نہ کبھی انہوں نے کسی کو ڈانٹا اور نہ سخت لہجے میں کوئی جملہ کہا۔ ان کے معمولات میں یہ بھی شامل تھا کہ عصر کی نماز کے بعد لالٹینیں برآمدے کے طاقچے سے نکال کر لاتیں اور انہیں صحن میں رکھ کے خود لکڑی کی پیڑھی پر آرام سے بیٹھ جایا کرتی تھیں اور پہلے ایک ایک لالٹین کو رَگڑ رَگڑ کر چمکاتیں پھر اُن کے شیشے مصفا کرتیں۔ آخر میں مٹی کا تیل ڈال کر ہر لالٹین کو اس کی مقررہ جگہ پر رکھتیں۔

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر — خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا — نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

لنگر کا کھانا

درویشوں کی تعداد بہت کم ہوا کرتی تھی۔ لنگر کا کھانا خود تیار کرتیں۔ سالن ایک جستی دیگچے میں پکاتیں، روٹیاں خود لگایا کرتی تھیں۔ شام کی نماز کے بعد بابا جی گھر تشریف لے آتے، ان کے لیے اہتمام سے دسترخوان بچھایا جاتا۔ کھانا ان کے سامنے رکھا جاتا۔ لنگر کے درویشوں کا کھانا باہر جاتا تو دیگچے سے خود تام چینی کی پلیٹوں میں بسم اللہ پڑھ کے ڈالا

کرتی تھیں۔ اکثر میں ان کے پہلو میں آلتی پالتی مار کے بیٹھ جاتا۔ وہ مجھے پلیٹ میں دال ڈال دیا کرتی تھیں۔ میں روٹی اس میں بھگو کر کھاتا۔ اور کہتا کہ پھپھی جی! بھاجی ختم اور دال پاؤ۔ (پھپھی جی سالن ختم ہو گیا اور دال ڈال دیں)۔ وہ مسکرا کر ڈال دیا کرتیں۔ یہ وہ عہد تھا جب گھروں کے درمیان دیواریں نہیں کھڑی ہوئی تھیں۔ گھر سے گھر اور دل سے دل جڑے ہوئے تھے۔ مسکراہٹ، دل جوئی اور سادگی سب کے مزاج کا حصہ تھی۔ لباس، کھانا، مکان اور نشست و برخواست سب میں جزوِ اعظم سادگی تھا۔

بچپن کا ایک دلچسپ واقعہ

بچپن کی ایک دوپہر میں مدرسے سے گھر لوٹے تو بابا جی قبلہ اپنے کمرے میں ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ پیتل کا سٹوو، جس سے نیلے رنگ کی آگ نکلتی تھی، اس پر پیتل کی درمیانے سائز کی کڑھائی دھری تھی جس میں بابا جی نے ہمارے لیے گوشت بھون رکھا تھا۔ ہم سب بابا جی کے پاس بیٹھ گئے۔ بابا جی نے سب کو وہ لذیذ گوشت ڈال کر دیا۔ بچپن تھا، مجھے ایسا لگا میرے حصے میں برادران عزیز اور خلیل سے کم بوٹیاں آئی ہیں۔ میں نے اپنی پلیٹ اٹھائی اور آنسو بہاتا، چھوٹی پھوپھو جان کے پاس جا بیٹھا اور شکایت کی کہ بابا جیؒ نے اپنے بیٹوں کو بوٹیاں زیادہ ڈال کر دی ہیں اور مجھے کم۔ پھر میں ہچکیاں لے لے کر رونے لگا۔ چھوٹی پھوپھو جان، جو لنگر کا سالن تقسیم کر رہی تھیں، انہوں نے سالن ڈالنا موقوف کیا اور اٹھ کے میرے ساتھ آ گئیں اور کہا کہ میرے بیٹے کو کم بوٹیاں دی ہیں؟ پھر کڑھائی میں سے میرے لیے اور حصہ نکالا۔ بابا جیؒ نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے تو سب میں برابر تقسیم کی ہیں۔

چھوٹی پھوپھو جان کی وفات

بچپن چھوٹی پھوپھو جان کی محبتوں کے سائے میں گزر رہا تھا کہ ایک دن خبر ملی کہ چھوٹی پھوپھو جان فوت ہو گئی ہیں۔ موت کا مفہوم اور حقیقت معلوم نہیں تھی۔ لیکن یہ خبر تھی کہ جو جاتا ہے وہ واپس نہیں آتا۔ زندگی میں سب سے پہلا موت کا صدمہ چھوٹی پھوپھو جان کی

وفات کا تھا۔

میں لنگر کے صحن میں ایک دیوار کے ساتھ ایستادہ سیڑھی پر بیٹھا چپ چاپ سامنے دیکھ رہا تھا۔ بہت سی عورتیں اور مرد تھے۔ سب خاموش تھے۔ اندر جس کمرے میں باباجیؒ قبلہ کی رہائش تھی اس میں چھوٹی پھوپھو جان کی چارپائی رکھی تھی جس پر وہ سفید چادر اوڑھے ابدی نیند سو رہی تھیں۔ میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ چھوٹی پھوپھو جان کیوں مر گئیں؟ ان کی جگہ کوئی اور مر گیا ہوتا۔ اب ہم جب عصر کے بعد کھیل کر لوٹیں گے تو ہمارا منہ ہاتھ کون دھلائے گا؟ پیشانی کون چومے گا؟ کس کے پہلو میں آلتی پالتی مار کے بیٹھوں گا اور لنگر کی دال کہاں سے ملے گی؟ محبت کے ذائقے گم ہوئے۔ چھوٹی پھوپھو جان اپنے حصے کی زمین میں جا آباد ہوئیں اور میں قاری صاحب کی مار جھیلنے کو اکیلا رہ گیا۔ ان کے ہوتے ہوئے بے پناہ حوصلے تھے۔

چھوٹی پھوپھو جان نے چوالیس سال عمر پائی۔ ان کی پیدائش بروز اتوار ۳۰ر ذوالقعدہ ۱۳۴۱ھ/ ۱۵ر فروری ۱۹۲۳ء ہے، اور ان کا وصال جنوری ۱۹۶۷ء میں ہوا۔

باباجیؒ کی اہلیۂ ثانی

چھوٹی پھپھو جانؒ کے انتقال کے بعد راقم کی سگی پھپھو (حضرتِ اعلیٰ کی پوتی) باباجیؒ کے عقد میں آئیں۔ انہوں نے اولاد، خاندان اور متعلقین کے ساتھ اپنے اعلیٰ اخلاق، خوش مزاجی، ملنساری، انکساری کے ساتھ جو عمر گزاری وہ قابلِ تحسین ہے۔ گھریلو، خاندانی اور لنگر کی ذمہ داریاں خود نبھاتیں، تمام انتظامات کی نہ صرف نگرانی فرماتیں بلکہ لنگر کا کھانا اور درویشوں کی چائے اور پراٹھے تک خود تیار کرتیں۔ آخری سالوں میں آپ کو جوڑوں کی تکلیف ہوگئی، لیکن اس کے باوجود خبرگیری اور انتظام میں خلل نہ آیا۔ سب آپ کو آپا جی کے نام سے پکارتے تھے۔ وہ سب متعلقین اور مریدین کا اپنے بچوں کی طرح خیال کرتی تھیں۔

آپا جیؒ (والدہ نجیب احمد) کی انتظامی صلاحیت

آپا جی کمال کی منتظم تھیں۔ آپ گھر کے ساتھ ساتھ لنگر کے تمام امور کی خودنگرانی

فرماتیں اور ساری ذمہ داریاں اپنے ہاتھوں سے سر انجام دیتی تھیں۔ گھر میں سودا سلف منگوانے کا یہ معمول رہا کہ صبح آٹھ نو بجے کے قریب برادرم بشیر باقاعدگی سے آپا جی کے پاس حاضری دیتے۔ آپ اُسے سودا سلف کی تفصیل پرچی پر لکھ کر سمجھاتی تھیں۔

صبح نمازِ فجر کے بعد وہ خود باورچی خانے میں تشریف لے آتیں۔ چائے خود تیار کرتیں، ساتھ پراٹھے بنتے رہتے۔ ان کے پاس درویشوں کے ہر کمرے کی الگ تفصیل ہوتی اُس کے مطابق ناشتہ تیار کرا کے بھیجنا اُن کا معمول رہا۔ سارا دن لنگر میں موجود رہتیں۔ دوپہر کا کھانا، عصر کی چائے، رات کھانا وہ ہمیشہ اہتمام سے باہر بھجوایا کرتی تھیں۔ لنگر کے صحن میں بیٹھنا ان کا معمول تھا۔ ہم سب برادران؛ عزیز احمد، خلیل احمد، سعید احمد اور گھر کی خواتین اکثر عصر کے بعد اُن کے پاس بیٹھ جاتے۔ لنگر کی دال اور تندور سے روٹیاں لے کر وہیں بیٹھ کر کھاتے۔

سردیاں شروع ہونے سے پہلے آپا جی سارے بستر باہر نکلواتی تھیں۔ انہیں دھوپ لگوائی جاتی، جن کی سلائی کرانا ہوتی انہیں مرمت کراتیں اور سردیاں شروع ہونے سے پہلے سردیوں کا انتظام مکمل ہو جاتا۔

آپا جیؒ کی سخاوت و فیاضی

انتہائی نرم دل اور شفیق تھیں۔ غریبوں کے بے لوث کام آتیں۔ فراخ دلی کا یہ عالم تھا کہ کسی کو خالی ہاتھ واپس نہ بھیجتیں۔ انتہائی نرم دل اور شفیق تھیں۔ روپیہ پیسہ اُن کے ہاتھ میں ٹھہرتا نہیں تھا۔ جو احباب گھر کے لیے پھل وغیرہ لاتے وہ برابر تقسیم فرما دیا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ میں کتب خانے کے کونے پر کھڑا تھا۔ دیکھا تو ایک غریب عورت بابا جیؒ کے حجرے کے باہر والا ڈیزرٹ کولر گدھا ریڑھی پر لادے تیز تیز جا رہی ہے۔ میں سوچنے لگا، یہ کولر تو بابا جیؒ کے حجرے کا ہے، یہ کہاں لیے جا رہی ہے۔ رات میں پھپھو کے پاس بیٹھا تھا تو پوچھا کہ ایک عورت بابا جیؒ کا کولر بھگائے لیے جا رہی تھی۔ فرمایا کہ بیٹا! گرمیاں ہیں، وہ بیچاری غریب ہے، میں نے ہی اُسے کولر لے جانے کو کہا تھا۔

مریدین کے کھانے اور آرام کا اہتمام

خانقاہ سراجیہ آنے والے ہزاروں زائرین، متعلقین، مریدین، درویشوں کا ہمیشہ خیال رکھا جاتا ہے۔ ہماری خانقاہ کی رونق انہی فقیروں، درویشوں، بوریہ نشینوں کے دم سے ہے۔ اُن کے قیام وطعام کا خیال رکھنا ہمیں وراثت میں ملا ہے۔ مہمان کے آرام کا مکمل خیال رکھا جاتا ہے۔ پرانے ادوار میں جب لسّی کا زمانہ تھا، حضرتِ اعلیٰؒ کے دور میں دوپہر کے کھانے میں تندور کی تازہ روٹیاں مکھن سے مہکتی لسّی کے ساتھ بھیجی جاتی تھیں۔ درویشوں میں عوارض کی وجہ سے پرہیزی کھانا الگ سے تیار ہوتا ہے تا کہ کسی کو تکلیف نہ ہو۔ درویشوں کا اس حد تک خیال رہتا تھا کہ اگر کبھی کسی ساتھی نے علی الصبح نمازِ فجر سے پہلے سفر کے لیے نکلنا ہوتا تو اُس کا ناشتہ منہ اندھیرے بھجوا دیا کرتیں۔ بعد میں انٹر کام فون نے کافی آسانی پیدا کر دی۔ بابا جی قبلہؒ بذاتِ خود اِس بات کا خوب خیال رکھتے کہ ساتھیوں کو تکلیف نہ ہو۔

ایک دفعہ سیالکوٹ سے حامد عثمان اور دوسرے ساتھی آئے ہوئے تھے۔ انہیں سردیوں کی ایک سرد صبح میں سیالکوٹ کے لیے نکلنا تھا۔ انہوں نے گھر پیغام بھیجا کہ آپا جی! ناشتہ مل جائے گا؟ آپا جیؒ نے کہا کہ کیوں نہیں بیٹا۔ پھر علی الصبح خود اُٹھ کر ناشتہ بنا کر بھجوایا۔

(ڈاکٹر خالد خاکوانی (مرحوم) اپنے بعض اعزہ کے ہمراہ خانقاہ شریف حاضر تھے۔ ان کی پھوپھی کا اچانک رات کو اِنتقال ہو گیا جس کی اطلاع بذریعہ فون حضرت بابا جیؒ کو کر دی گئی۔ نمازِ فجر کے لیے بابا جیؒ اس شان سے تشریف لائے کہ ناشتے کی ٹرے آپ کے ہاتھوں میں تھی۔ ڈاکٹر صاحب کو حادثہ وفات کی اطلاع دے کر فرمایا کہ نماز کے بعد ناشتہ کریں اور آپ کو ملتان جانے کی اجازت ہے)۔ [ڈاکٹر عابد خاکوانی]

حضرت قبلہ باباجیؒ کی اولاد

اللہ رب العزت نے آپؒ کو اہلیہ اوّل میں سے چار صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں عطا کیں:

۱۔ صاحبزادہ محمد صادق (بچپن میں وفات پا گئے)

۲۔ میمونہ بی بی (بچپن میں وفات پا گئیں)

۳۔ صاحبزادہ مولانا عزیز احمد صاحب

۴۔ صاحبزادہ مولانا خلیل احمد صاحب

۵۔ صاحبزادہ مولانا رشید احمد صاحب

اہلیہ ثانی سے اللہ رب العزت نے دو بیٹے عطا کیے:

۱۔ صاحبزادہ سعید احمد

۲۔ صاحبزادہ نجیب احمد

شجرۂ نسب قطب الاقطاب خواجہ خواجگان خان محمد صاحبؒ

ملک جمال خان تلوکر

ملک علی خان تلوکر ← ملک یعقوب خان تلوکر ← ملک صدیق خان تلوکر ← ملک فتح خان تلوکر

ملک غلام محمد تلوکر (شہید)

ملک ہستی خان تلوکر — ملک مستی خان تلوکر — ملک مرزا خان تلوکر

مجددِ عصر قیوم دوراں مولانا ابوالسعد احمد خانؒ
(پیدائش ۱۸۸۰ء، وفات ۱۲ صفر المظفر ۱۳۶۰ھ/ ۱۱ مارچ ۱۹۴۱ء)

ملک خواج عمر تلوکر

ملک شیر محمد — قطب الاقطاب خواجہ خواجگان خان محمد صاحبؒ — ملک فتح محمد — ملک محمد افضل

خدیجہ بی بی (زوجہ اوّل) — حمیدہ بی بی (زوجہ ثانی)

① محمد صادق
میمونہ بی بی
کلثوم بی بی

② عزیز احمد: عاتکہ سعدیہ، بریرہ سعدیہ، لبابہ سعدیہ، زینب فاطمہ، رابعہ سعدیہ

③ خلیل احمد: سعد احمد خان ← ولی احمد خان، خدیجہ خلیل، انیسہ خلیل، ضباریہ خلیل

④ رشید احمد: حبیب احمد خان، وردہ رشید، ماہ نور رشید، محمد عبداللہ احمد خان

⑤ سعید احمد: انیقہ سعید، امرہ سعید، سارہ سعید، محمد صادق

⑥ نجیب احمد: جواد احمد خان، ثمر نجیب، سراج احمد خان

حلیہ ولباس، رفتار وگفتار

حلیہ مبارک

دراز قد، مضبوط جسم، سانولا رنگ، کشادہ اور روشن پیشانی، گھنی بھنوؤں کے سائے میں بڑی بڑی روشن آنکھیں جن میں مقناطیسی کشش تھی، کتابی چہرہ، داڑھی گھنی نہ ہلکی، کتر واں مونچھیں، چوڑے مگر ریاضتوں سے جھکے ہوئے کندھے جن پر حلم وحکمت سے بھر پور سر تھا، ہاتھ نرم وگداز تھے۔ حج سے پہلے آپ نے زلفیں رکھی ہوئیں تھی، لیکن ۱۹۴۸ء میں حضرت ثانیؒ کے ہمراہ سعادتِ حج سے مشرف ہوئے تو حلق کرانے کے بعد پھر ہمیشہ مشین سے بال ترشوانے کا معمول رہا۔

بابا جیؒ کا لباس

آپ کا لباس سادہ مگر اُجلا ہوتا تھا۔ گرمیوں میں آسمانی رنگ کا تہبند اور سفید کرتا زیبِ تن فرماتے۔ سردیوں میں کھدر کا کُرتا استعمال فرماتے۔ عمدہ نفیس، اونی کُرتے بھی آپ نے استعمال فرمائے ہیں۔ جرسی بھی آپ ہلکے رنگوں میں استعمال فرماتے۔ سفر میں واسکٹ پہنتے۔ آپ نے اچکن اور کوٹ بھی پہنا ہے۔ سردیوں میں گرم اونی چادر اوڑھنے کا معمول تھا۔ سردیوں میں اکثر گرم اونی ٹوپی پسند فرماتے۔ کبھی کبھی منقش جُبّہ بھی پہنتے۔

بابا جیؒ کی پگڑی اور ٹوپی

آپ نے عمر بھر پانچ پاٹ والی ململ اور لٹھے کی کلاہ نما ٹوپی استعمال فرمائی۔ ایک مرتبہ پوچھا کہ حضرتؒ! اس وضع کی ٹوپی زیبِ سر فرمانے میں کوئی خاص حکمت ہے؟ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں بھئی، میں دہلی گیا تو وہاں اس وضع کی ٹوپیاں فروخت ہو رہی تھیں۔ مجھے اچھی لگی، میں نے خرید لی، تب سے اسی انداز کی ٹوپی اوڑھ رہا ہوں۔

[روایت حبیب الرحمٰن ہاشمی]

خانقاہ سراجیہ کے پرانے درویش اور خیاط آپ کے کپڑے اور ٹوپی سیا کرتے تھے

(جو افغانستان کے امیر امان اللہ خان کے ہاں سے آئے اور خانقاہِ سراجیہ کے ہو کر رہ گئے)۔ راقم کی والدہ باباجیؒ کی پانچ پاٹ والی ٹوپی با وضو اہتمام اور محبت سے سیا کرتی تھیں۔ باباجیؒ کی اونی شال کی ترپائی بھی راقم کی والدہ کیا کرتی تھیں۔

سر ڈھانپنے کا اہتمام

آپ ہمیشہ ٹوپی پر پگڑی باندھنے کا اہتمام فرماتے۔ ہم نے آپ کو گھر میں کبھی ننگے سر نہیں دیکھا۔ کمرے میں داخل ہونے پر آپ اپنی پگڑی کبھی تکیے کے ساتھ رکھ دیتے اور کبھی مغربی دیوار کے ساتھ لگی دیوار گیری (الگنی) پر لٹکا دیتے، لیکن سر پر ٹوپی رہتی۔

نیز ہم نے تمام عمر آپ کو ننگے سر بیت الخلاء جاتے نہیں دیکھا۔ نہ کبھی ننگے سر کھانا کھاتے دیکھا۔ ایسا کیوں نہ ہوتا کہ اپنے محبوب آقا ﷺ کی سنت پیشِ نظر رہتی: و کان رسول اللّٰہ ﷺ اذا دخل الخلاء و اذا اتیٰ اھلہ غطّی رأسہ. (الحدیث)

ترجمہ: ''آپ ﷺ جب قضاء حاجت کے لیے جاتے یا ازواجِ مطہرات کے پاس جاتے تو سر مبارک ڈھانپتے تھے۔''

آخری ایام میں جب آپ کے اعضاء بالکل کمزور ہو گئے تھے مگر پگڑی باندھنے کا شوق برابر تازہ تھا اگرچہ باندھ نہیں سکتے تھے۔ قاری ریحان اللہ حضرت کو نماز پڑھانے کے فریضہ پر مامور تھے۔ ایک مرتبہ وہ ایک خوبصورت پگڑی باندھ کر آئے تو حضرت نے پوچھا، یہ کہاں سے لی ہے؟ قاری صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں نے دو پگڑیاں منگوائی ہیں اگر جناب کو پسند ہو تو پیش کر دیتا ہوں چنانچہ دوسری پگڑی حضرت کی خدمت میں پیش کر دی جو حضرت نے بہ طیب خاطر قبول فرما لی۔ [حاجی محمد یعقوب]

باباجیؒ کا پاپوش

آپ خالص چمڑے کی ملتانی طرز کی دیسی جوتی پسند فرماتے، جس پر تلّے کی کشیدہ کاری ہوتی۔ آپ چپل اور بند جوتا بھی استعمال فرما لیتے۔ البتہ حالتِ احرام میں اس بات کا خیال رکھتے کہ پاؤں کی ابھری ہوئی ہڈی جو ٹخنوں اور انگلیوں کے درمیان ہے وہ خالی

رہے۔اس کے لیے خاص جوتی تیار ہوتی۔

گفتار

بابا جی کا اندازِ گفتگو نرم اور لہجہ دھیما تھا۔حضور ﷺ کی سنتِ مطہرہ پر عمل کرتے ہوئے آپ دورانِ گفتگو جملوں کی ادائیگی میں اس امر کا اہتمام رکھتے تھے کہ مخاطب کو سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔آپ پر زیادہ وقت خاموشی کا غلبہ رہتا۔آپؒ نے پوری عملی زندگی میں نپی تلی اور بامعنی گفتگو کی۔سوال کا مختصر جواب دے کر خاموش ہو جاتے۔اضافی گفتگو اکثر نہیں فرماتے تھے۔

ایک دلچسپ واقعہ

ایک دفعہ محفل میں کسی ساتھی نے سوال کیا کہ ''آپؒ نے مجھے پہچانا؟'' حضرتؒ نے فرمایا کہ ''نہیں بھائی!'' اس نے سادگی سے کہا کہ ''آپؒ مجھے یہاں نہیں پہچانتے وہاں کیسے پہچانیں گے؟'' حضرتؒ مسکرا دیے۔ایک ساتھی نے سوال کیا، ''حضرتؒ! کیا قیامت کے دن پیر اپنے مرید کو پہچانے گا؟'' آپؒ نے فرمایا، ''ہاں! قیامت کے دن حضور ﷺ اپنے ہر اُمتی کو پہچانیں گے۔''
[روایت حبیب الرحمٰن ہاشمی]

اہلِ خانہ سے گفتگو

گھر میں صبح ناشتے کے بعد اور سہ پہر تین بجے چائے پر اہلِ خانہ کو مکمل وقت اور توجہ دیتے۔خاص طور پر عصر کی چائے پر بیٹے، بہوئیں اور ہم سب اہلِ خانہ موجود ہوتے۔ بے تکلف گفتگو کے دوران بھی آپؒ پر زیادہ وقت خاموشی کا غلبہ رہتا۔گھر کے کسی فرد کے سوال کا جواب عنایت فرما دیتے۔

رفتار

چلنے کا انداز: آپؒ کی چال میں دھیما پن اور ٹھہراؤ تھا۔وقار اور متانت تھی۔آپؒ ہمیشہ نگاہیں جھکا کر چلتے۔گھر سے جب مسجد میں تشریف لے جاتے تو ہمارے صحن سے گزرتے ہوئے دالان کے ساتھ اکثر مکوڑوں کا اژدحام ہوتا۔آپ اتنے دھیان اور توجہ

سے پاؤں بچا بچا کر چلتے کہ حشرات الارض کو آپ کی وجہ سے تکلیف نہ ہو۔

ایک ساتھی نے اپنا ایک واقعہ سنایا کہ میں لاہور میں حضرتؒ کے ہمراہ پیدل کسی کے گھر جا رہا تھا۔ کوئی اور ہمارے ساتھ موجود نہ تھا۔ حضرت نگاہ جھکائے چل رہے تھے۔ میں آپؒ کے پیچھے تھا، اچانک میری نظر ایک خوبصورت عورت پر پڑی۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ اسے اللہ نے کتنا مکمل اور خوبصورت بنایا ہے۔ خیال کا آنا تھا کہ حضرتؒ پلٹے اور کہا، ''بھائی! دنیا میں اپنے شیخ سے زیادہ خوبصورت کوئی نہیں ہوتا۔'' وہ کہتے ہیں کہ مجھ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

برادرم عزیز احمد سے منقول واقعات

ایک شام میں بھائی عزیز احمد صاحب سے ملنے گیا۔ انہوں نے اپنی مصروفیت کو لپیٹ کر ایک طرف رکھا اور میرے ساتھ ماضی کی کھوج میں نکلے۔ میری کتاب کب کی مکمل ہو چکی ہوتی لیکن بابا جیؒ کی زندگی اتنی مکمل اور ہمہ پہلو تھی کہ تمام زندگی کا احاطہ میرے لیے ممکن نہیں۔ مجھے اپنے جہل کا اعتراف ہے۔ اپنی سی کوشش کر رہا ہوں۔ جہاں سے آپؒ کی زندگی کے کسی پہلو کی خوشبو ملتی ہے، اسے کتاب کے بقچے میں محفوظ کر لیتا ہوں۔ برادرم عزیز احمد کی اس نشست میں بہت سے نئے پہلو سامنے آئے۔

برف کے نفیس ٹکڑے

برادرم عزیز احمد کے بقول ہمارے بچپن کی بات ہے، ابھی خانقاہ سراجیہ میں بجلی کا نام ونشان نہ تھا اور نہ دور دور تک کوئی ایسا امکان تھا کہ بجلی کی سہولت میسر آئے۔ ایک دن بابا جیؒ نے فرمایا کہ ''بھئی کندیاں ریلوے اسٹیشن پر جائیں۔ وہاں ریل سے Refrigerator آیا ہے۔ وہ لے آئیں۔'' میں حیران تھا کہ بجلی نہیں ہے تو بابا جیؒ نے Refrigerator کس لیے منگوایا ہے۔ ادب سے عرض کیا کہ بابا جیؒ! وہ ریفریجریٹر بجلی کے بغیر کیسے چلے گا؟ آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ بھئی آپ لوگ جاؤ اور ریفریجریٹر لے آؤ۔ چنانچہ ہم کندیاں ریلوے اسٹیشن سے ریفریجریٹر لے آئے۔

بابا جیؒ کی موجودگی میں اس کی پیکنگ کھولی اور حیرت سے اسے دیکھتے رہے۔ بابا جی نے ریفریجریٹر کے نیچے لگی ایک ٹرے کھولی اور اس میں سے ایک Stove نکلا۔ آپؒ نے اس میں مٹی کا تیل ڈالا اور جلا کر اُس کے نیچے رکھ دیا۔ تھوڑی دیر میں بھڑ بھڑ کی آواز آئی۔ ہم سب منتظر کہ کیا نتیجہ سامنے آتا ہے۔ بابا جی نے ice cube box میں پانی ڈال کے رکھا اور جب برف جم گئی تو ہم حیران کہ اب برف گھر میں تیار ہوا کرے گی۔ غالباً اُن ہی دنوں کی بات ہے کہ مفتی زین العابدینؒ صاحب ایک بار خانقاہ تشریف لائے۔ بابا جی نے ان

کے لیے خود شربت تیار کیا اور اس میں برف کے ٹکڑے ڈالے۔مفتی صاحب نے حیران ہو کر پوچھا کہ حضرت! بجلی تو یہاں ہے نہیں، یہ برف کے نفیس نفیس ٹکڑے کہاں سے آئے ہیں؟ بابا جیؒ نے فرمایا کہ مفتی صاحب! یہ فقیروں کا ڈیرا ہے، آپ ٹھنڈا شربت پیئیں، ہمارا دل خوش ہوگا۔

خانقاہ سراجیہ میں فلش سسٹم

برادرم عزیز احمد نے دورانِ گفتگو مجھ سے پوچھا کہ کیا تمہیں خبر ہے کہ خانقاہ میں سب سے پہلے فلش سسٹم بابا جیؒ نے متعارف کرایا؟ میں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔لالہ جی نے کہا کہ جن دنوں بابا جیؒ نے میرے گھر کی بنیاد رکھی اس تعمیر میں دو کمروں کے ساتھ Attach Bath Room کا ڈیزائن بھی شامل تھا۔خانقاہ میں ابھی اس کی سوچ ہی نہیں تھی۔ملک اسلم مرحوم نے بابا جیؒ سے کہا کہ بھائی! یہ تم کیا کر رہے ہو؟ بدبو کمرے میں پھیلے گی اور بیٹھنا مشکل ہوگا۔بابا جیؒ نے کہا کہ یہ جدید ترین سہولت ہے اور اس سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔انہوں نے کہا کہ فائدہ تو بعد کی بات ہے ہماری سمجھ سے یہ بات باہر ہے کہ غسل خانے کی بدبو کا کیا ہوگا؟ بابا جیؒ نے فرمایا کہ یہ ایسا نظام ہے کہ کمرا تو کمرا، غسل خانے میں بھی بدبو کا گزر نہیں ہوتا۔ملک اسلم صاحب نے پوچھا کہ بھائی! فائدہ آپ کو اِس میں کیا نظر آیا؟ بابا جیؒ نے فرمایا کہ اب ایک بیمار آدمی سردیوں کی سرد تاریک رات میں کہاں باہر دھکے کھاتا پھرے گا۔آپ کے یہ نظام متعارف کرانے کے بعد خانقاہ کی باقی تعمیرات میں اس کی پیروی کی گئی اور کہا گیا کہ بابا جی کا فیصلہ درست تھا۔

بابا جی کی گھڑسواری

برادرم عزیز احمد کی روایت ہے کہ بابا جیؒ کو گھڑسواری کا بہت شوق تھا۔لنگر کے مال خانے میں آپ کے پاس بہت ہی اعلیٰ نسل کا گھوڑا موجود رہتا، جس کی دیکھ بھال میں آپ خصوصی دلچسپی لیتے۔جیسے آج کے دور میں سائیکل، موٹر سائیکل، کار، جہاز وغیرہ چلانے کے لیے مہارت کی ضرورت ہوتی ہے اور باقاعدہ ڈرائیونگ سیکھی جاتی ہے، بابا جیؒ نے جوانی

میں گھڑ سواری میں مہارت کے لیے صوفی احمد یار خان کے پاس بھلوال میں چھ ماہ گزارے اور آپ کو اس فن میں اتنی مہارت ہوگئی کہ اڑیل سے اڑیل گھوڑا بھی آپ کے لگام تھامتے ہی رام ہو جاتا۔

اسلحہ اور نشانہ بازی

بقول برادرم عزیز احمد بابا جیؒ کو اسلحہ اور نشانہ بازی کا شوق تھا۔ آپ نے ایک بہترین ولائتی رائفل خریدی۔ اور یہ شوق صرف ان کی ذات تک محدود نہیں تھا بلکہ آپ نے مجھے بھی نشانہ بازی کی تربیت دی۔ نماز عصر کے بعد گھر تشریف لاتے اور فرماتے کہ عزیز احمد بندوق سنبھالو۔ پہلے گولی لوڈ کرنا سکھاتے اور پھر کندھے کے مخصوص حصے پر بندوق کا بٹ جما کر مجھے کہتے، گرفت کبھی ڈھیلی نہیں ہونی چاہیے۔ لنگر کے سامنے کھلے صحن میں بیری کا ایک چھتنا ور درخت تھا، ہم اس کے نیچے بیٹھ جاتے۔ سامنے لالہ جی محمد زاہد صاحب کا دالان تھا۔ بابا جی اس کی مشرقی دیوار پر کوئلے سے ایک دائرہ لگاتے اور اس میں ایک گہرا سیاہ نقطہ۔ پھر فرماتے کہ عزیز احمد! اب نشانہ لو۔ یہ بابا جی کا روزانہ کا معمول تھا۔ آپ عصر کے بعد اس کام کے لیے آدھ پون گھنٹہ نکالتے۔ مجھے وہ دن کبھی نہیں بھولتے۔

بابا جیؒ کا لباس

برادرم عزیز احمد کا کہنا ہے کہ میں نے بابا جیؒ کے لباس پر غور کیا ہے۔ آپ سنت نبوی ﷺ کے مطابق لباس پہنتے تھے لیکن لباس کا انداز ہمیشہ ''روایتی'' رہا۔ آپ کے لباس کی ساخت علاقائی شرفاء کے لباس کے عین مطابق تھی۔ پگڑی باندھنا سنت نبوی ﷺ ہے اور سندھ، خیبر پختون خواہ، بلوچستان اور پنجاب کے لوگوں کا عمامہ باندھنے کا اپنا اپنا انداز ہے۔ بابا جیؒ عمامہ پنجاب کے شرفاء کی طرز پر باندھتے تھے۔ آپ کے کُرتے کا سٹائل مکمل علاقائی تھا۔ تہبند بھی اسی انداز میں باندھتے لیکن وہ ہمیشہ ٹخنوں سے اوپر رہتا۔ کبھی وہ ٹخنوں سے نیچے نہیں سرکا۔ آپؒ خانقاہ کے قیام کے دوران کرتا تہبند استعمال فرماتے اور سفر میں کُرتے کے ساتھ شلوار استعمال فرماتے۔

بقول صاحبزادہ عزیز احمد صاحب، حضرت کے ضعف کے دنوں میں آپ کو کُرتا پہنایا گیا تو گلے والا بٹن بند نہیں کرنے دیا۔ فرمایا کہ گلے کو کھلا رکھنا مسنون ہے۔ نیز درزی کو بٹن لگانے کے لیے ہدایت دیتے کہ بٹن اس طرح لگاؤ کہ سلائی میں کراس (+) کا نشان نہ بنے کہ اسے صلیب سے مشابہت ہے۔

بابا جیؒ اپنے کام خود کرتے

بابا جیؒ گھر میں اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں خوشی محسوس کرتے۔ ایک بار میں نے دیکھا کہ ہتھوڑی اٹھائے ہوئے کھڑکی میں کیل ٹھونک رہے تھے۔ [ڈاکٹر عابد خاکوانی]

گھر میں عصر کے بعد چائے کا معمول تھا۔ بابا جی ظہر کی نماز ادا فرما کر تین بجے تک اپنے حجرہ مبارک میں تشریف رکھتے اور تین بجے چائے کے لیے گھر تشریف لاتے۔ ہم سب (برادرم عزیز، برادرم خلیل، رشید احمد، سعید احمد، نجیب احمد، گھر کی خواتین) وہاں موجود ہوتے۔ بابا جی عمامہ تکیے کے ساتھ رکھ کر ململ کی ٹوپی سر پر رکھ لیتے۔ پھر خود چائے بنا کر سب کو پیش کرتے۔ جب تک آپ صحت مند رہے اور چینک اٹھانے کی ہمت رہی آپ چائے اپنے ہاتھ سے بنا کر سب کو دیتے۔ ایک بار ہم سب چائے پی رہے تھے کہ اس دوران میری اہلیہ نے کمرے میں داخل ہو کر سلام عرض کیا۔ نجیب احمد چائے بنانے کی ڈیوٹی نبھا رہے تھے۔ انہوں نے میری اہلیہ سے پوچھا کہ باجی! آپ چائے پئیں گی؟ بابا جیؒ نے فرمایا، بھئی چائے کا پوچھا نہیں کرتے، بنا کر پیش کر دیتے ہیں۔

چائے کے دوران ہم سب اور گھر کی خواتین باتیں کرتے۔ کوئی مسئلہ ہوتا، بابا جی سے مشاورت کرتے، دعا لیتے۔ آپ خندہ پیشانی سے سب کی باتیں غور سے سنتے۔ بچوں سے پیار کرتے۔ چائے کے ساتھ کیک، بسکٹ یا کھانے کی جو بھی میٹھی نمکین ڈش ہوتی، بچوں کو ترجیح دیتے۔ [محمد حامد سراج]

چائے میں نفاست

بابا جیؒ بہت نفیس مزاج رکھتے تھے۔ آپ چائے بھی نفیس اور علیحدہ پسند فرماتے، قہوہ

اور دودھ الگ الگ ہوتا۔ایک کپ چائے میں آپ تین سے چار چمچ چینی پسند فرماتے۔ آپؒ کی چائے کی پتی اعلیٰ معیار کی ہوتی۔سری لنکا سے دارجلنگ گرین لیبل چائے کی پتی منگوائی جاتی۔ساتھ پاکستانی اعلیٰ معیار کی ''لپٹن ییلو لیبل۔'' ان دونوں کو ملایا جاتا۔پھر اِس چائے کی پتی میں الائچیاں کوٹ کے شامل کی جاتیں اور ساتھ زعفران پیس کر شامل کی جاتی۔ان تمام لوازمات کے مکمل ہونے کے بعد آپؒ کی چائے میں وہ پتی استعمال ہوتی۔ اس ایک کپ کی لذت ہمیں ساری عمر نہیں بھولے گی۔آپ کا معمول تھا کہ دن میں صرف دو بار چائے پیتے تھے،ایک صبح ناشتے کے بعد اور دوسرے سہ پہر تین بجے۔

گرمیاں اور آم

برادرم عزیز احمد کا کہنا ہے کہ اسی طرح گرمیوں میں جب آموں کا موسم آتا، رات کے کھانے کے ساتھ بالٹی میں برف ڈال کر آم ٹھنڈے کر لیے جاتے۔ بابا جی سارے آم اپنے ہاتھ سے کاٹتے۔جب ٹرے بھر جاتی تو سب کو مدعو کرتے اور مل کے آم کھائے جاتے۔

بابا جیؒ کی واسکٹ

بہت پرانی بات ہے ایک بار برادرم عزیز احمد سرگودھا کے ایک ماہر درزی سے بابا جیؒ کے لیے بہت عمدہ اور نفیس دو واسکٹ سلوا کر لائے۔ برادرم عزیز احمد نے بابا جیؒ کو خوشی خوشی واسکٹ پیش کیں۔اگلی صبح کیا دیکھتے ہیں کہ بابا جیؒ دونوں واسکٹ دھو کر،اچھی طرح نچوڑ کر صحن میں الگنی پر ڈال رہے ہیں۔ برادرم عزیز احمد نے پوچھا کہ بابا جیؒ! یہ کیا کیا؟ ان کا تو بیڑا غرق ہو گیا۔بابا جیؒ نے فرمایا کہ نہیں بھئی ان کا دھونا ضروری تھا۔انہیں پاک بھی تو کرنا تھا۔برادرم عزیز احمد نے کہا کہ بابا جی! آپ نے یہ کیا غضب کیا؟ یہ ناپاک کیسے ہو گئیں؟ میں تو بڑی چاہت سے سلوا کے لایا تھا۔آپؒ نے فرمایا کہ بھئی ان میں بکرم ہے۔اور بکرم کے بارے میں مجھے تسلی نہیں تھی کہ اسے جو ماوا (کلف) لگایا جاتا ہے وہ پاک ہے یا نہیں۔

برادرم عزیز احمد نے حسرت سے الگنی پر ٹنگی ہوئی واسکٹ کو دیکھا اور سرد آہ بھر کر رہ

گئے۔ بعد میں ان کے سوکھنے پر بہت کوشش کی کہ وہ ٹھیک ہو جائیں لیکن بکرم کی حالت بہت خراب ہوگئی جس نے واسکٹ کی سلائی کا حسن بھی بگاڑ دیا۔ دونوں واسکٹ برادرم عزیز احمد کندیاں مصطفیٰ درزی کے پاس لے گئے۔ اس نے سلائی کھول کر نئے سرے سے انہیں مکمل درست کیا، پھر جا کر بابا جیؒ نے ان کو پہنا۔

فقہی مسئلے میں کمال احتیاط

گھر میں سنتیں پڑھنے کے دوران جب آپ جائے نماز بچھاتے تو کمرے کی مغربی دیوار پر ایستادہ ٹیوب لائٹ اہتمام سے بجھاتے، تاکہ روشنی کو سجدے کی مشابہت لازم نہ آئے۔ اسی طرح ایک بار مسجد کے صحن میں عشاء کی نماز کے وقت سامنے ٹیوب لائٹ جل رہی تھی، آپؒ نے اسے بجھا دینے کا کہا۔

برادرم نجیب احمد سے منقول واقعات

برادرم نجیب احمد صوفے پر چادر اوڑھے بیٹھے تھے۔ وہ اپنے ذہن میں بابا جیؒ کی یادوں کو ترتیب دے رہے تھے۔ اُنہیں چند دن پہلے میں نے عرض کیا کہ جو آپ کے پاس ہے وہ مجھے دے دو کہ یہ وقت اور تاریخ کی امانت ہے، اسے محفوظ کر لیا جائے۔

نجیب احمد صوفے پر بیٹھے تھے، اور باہر سرد موسم کا پہرا تھا۔

انہوں نے بابا جیؒ کے متعدد واقعات پر روشنی ڈالی۔ آپؒ کی کرامات کا ذکر کیا۔

میری سب سے اہم خواہش یہ تھی کہ جب بابا جیؒ کی روح مبارک نے قفسِ عنصری سے عالم بالا کو پرواز کی، آپؒ کا سر مبارک نجیب احمد کے زانوں پر تھا، ان لمحات کی تفصیل سنبھال لی جائے۔

چائے چلتی رہی۔ نجیب احمد محوِ گفتگو تھے، میں ہمہ تن گوش!

''یہ گرمیوں کی بات ہے۔ لاہور سے سابق وزیر اعظم چودھری شجاعت حسین اور وزیر اعلیٰ پنجاب چوہدری پرویز الٰہی بابا جیؒ کی زیارت کو حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ چودھری پرویز الٰہی کا بیٹا راسخ الٰہی بھی تھا۔ صورت یوں بنی کہ تلہ گنگ میں ہمارے ایک دوست حافظ عمار یاسر صاحب رہتے ہیں۔ وہ اور چودھری راسخ الٰہی تبلیغی جماعت سے وابستہ ہیں۔ ایک بار راسخ الٰہی نے حافظ عمار یاسر صاحب سے کہا، ''میں حضرت قبلہ خواجہ خان محمد صاحبؒ کی زیارت کا مشتاق اور ان کی دعا کا محتاج ہوں۔ آپؒ سے ملاقات کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟'' حافظ صاحب نے کہا، وہ تو بوریا نشینوں کی خانقاہ ہے، آپ جب پروگرام بنائیں چلے چلیں گے۔

راسخ الٰہی نے گھر پہنچ کر اپنے والد اور ماموں چودھری شجاعت حسین کو اپنے خانقاہ سراجیہ کے سفر کے ارادے سے آگاہ کیا تو انہوں نے کہا کہ ہم کیوں اس سعادت سے محروم رہیں۔

علالت کے دن تھے، باباجیؒ اپنے کمرے میں آرام فرماتے تھے۔ جب وہ پہنچے تو باباجیؒ سے مصافحہ کرنے کے بعد باتیں کرتے رہے اور دعا کی درخواست کی۔ باتوں کے دوران چودھری شجاعت نے کہا، ''حضرت! ایک بات عرض کرنے کی جسارت کر سکتا ہوں؟''

بھئی خوشی سے! باباجیؒ نے مسکرا کر فرمایا۔

''حضرت! جن دنوں میں قائم مقام وزیر اعظم تھا، اُن دنوں صدر پرویز مشرف نے کچن کابینہ میں فیصلہ سنایا کہ ہمارا UNO سے جو معاہدہ ہے اس کے تحت امریکی افواج کی امداد کے لیے پاکستانی فوج عراق بھیجنا ضروری ہے۔ اور مجھے کہا گیا کہ صبح اسمبلی میں آپ نے اس بل پر دستخط کرنا ہیں۔ رات سویا تو خواب میں ایک بزرگ کی زیارت ہوئی۔ انہوں نے فرمایا:

''شجاعت! عراق کی جنگ میں پاکستان کا ایک بھی فوجی نہیں جائے گا۔ آپ نے بل پر دستخط نہیں کرنے۔''

میری آنکھ کھلی، نماز فجر کا وقت تھا۔ بزرگ کا بارعب اور نورانی چہرہ میرے سامنے تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں دستخط نہیں کروں گا۔

حضرت! آج جیسے ہی آپ کے کمرے میں داخل ہوا تو حیران رہ گیا۔ خواب میں حکم فرمانے والے بزرگ آپ ہی تھے۔''

اتنا کہہ کر چوہدری شجاعت اشک بار ہوئے اور بہت دیر اپنے آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کرتے رہے۔ گلوگیر لہجے میں بولے، حضرت! آپ مجھے اپنا مرید کر لیجیے۔ اللہ میری آخرت سنوار دے۔ باباجیؒ نے اُنہیں بیعت کر لیا۔

نجیب احمد نے شیشے کے پیالے میں گجریلا ڈالا اور گویا ہوا:

بھائی جان!

ایک اور عجیب واقعہ سناؤں جس میں رتی بھر مبالغہ نہیں ہے۔ علالت کے ایام میں ہم نے اپنی سی خدمت کی کوشش کی، اللہ قبول کرے۔ ذوالحجہ کا مہینہ تھا اور حج کے ایام تھے۔

بابا جیؒ کو میں نے مغرب کی نماز کی تیاری کرائی۔نماز پڑھ کر مجھے قریب بلایا اور کہا:

نجیب احمد! پاکستان واپسی کی سیٹیں بک کرا آؤ۔ میں نے کہا، بابا جیؒ! ہم تو اپنے گھر میں ہیں۔ بابا جیؒ نے فرمایا، گھر کیسے ہیں؟ میں نے عصر کی نماز حرم پاک میں ادا کی ہے ابھی! ٹھیک ہے بابا جی! وہاں عصر کا وقت ہوگا لیکن یہاں مغرب ہے!

نہیں، میں نے حرم پاک میں عصر کی نماز ادا کی ہے۔ایک ساتھی نے مجھے پچاس ریال بھی دیے ہیں، یہ دیکھو! بابا جیؒ نے جیب میں سے پچاس ریال نکال کر مجھے پکڑا دیے۔

مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا۔ساتھ ہی فرمایا، باہر لوگوں سے ذکر نہ کرنا۔

یہ ایک چلچلاتی گرم دوپہر کا واقعہ ہے۔ بابا جیؒ آرام فرمارہے تھے۔حکیم صاحب (سلطان محمود) اور میں خدمت پر مامور تھے۔کسی نے خبر دی کہ باہر کوئی دعا کی غرض سے منتظر ہے۔ میں اُٹھ کر باہر گیا۔دیکھا تو ایک عورت جس نے مغربی لباس پہن رکھا تھا۔بال کھلے ہوئے تھے۔اس کے ساتھ ایک لڑکی اور نوجوان لڑکا تھا۔کہنے لگی، کینیڈا سے دعا کے لیے آئی ہوں۔ میں پریشانی میں گھر گیا۔ ایک چادر لے کر اسے اوڑھنے کا کہا اور اپنے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر ٹھنڈا پانی پلایا اور مسئلہ پوچھا۔اس نے جواب دیا، میں کینیڈا رہتی ہوں، میرے تین بچے ہیں، Face Book پر رابطے کے دوران مجھے ایک لڑکے سے محبت ہوگئی ہے۔ یہ لاہور کا رہنے والا ہے۔میں نے ہر حال میں اس سے شادی کرنی ہے اور میرا خاوند مجھے طلاق نہیں دیتا۔حضرت سے دعا کرانی ہے یہ لڑکا مجھے مل جائے، میں ایک پل اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔

میں نے کہا، بابا جیؒ کی خدمت میں یہ ساری تفصیل تو بیان نہیں کی جاسکتی، میں دعا کا کہہ دوں گا، آپ میرے ساتھ چلیں۔ بابا جیؒ کے کمرے میں داخل ہوئے۔میں نے عرض کیا، ''بابا جیؒ! یہ خاتون کینیڈا سے آئی ہیں۔دعا کریں اللہ ان کی خواہش پوری کردے۔'' ایک طویل خاموشی اور سناٹا۔ بابا جیؒ نے کمرے میں موجود سب افراد پر ایک نظر ڈالی اور

چپ سادھ لی۔ میں نے دوبارہ عرض کی، بابا جیؒ! ان کے لیے دعا کر دیجیے۔

باباجیؒ نے ہاتھ نہیں اٹھائے۔ پھر اصرار کیا تو قدرے غصے میں فرمایا، اللہ ان کے حال پر رحم کرے۔ میں نے خاتون سے کہا، دعا ہوگئی۔ اور وہ رخصت ہو گئے۔

ایک سال بعد اُس خاتون کا فون آیا کہ میں حضرت قبلہؒ سے بیعت ہونا چاہتی ہوں اور کل خانقاہ سراجیہ اُن کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہو رہی ہوں۔

جب وہ خانقاہ سراجیہ پہنچی تو میں حیران رہ گیا۔ اُس نے کشادہ عبا پہن رکھی تھی، سر پر سکارف اور چادر اِس طرح کہ کوئی بال نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے تجسس سے پوچھا کہ جو دعا کرائی تھی اس کا کیا نتیجہ نکلا؟

کہنے لگی، دعا کرا کے ہم نکلے۔ میں جیسے لاہور پہنچی، اچانک میرا دِل اُس لڑکے سے اچاٹ ہو گیا۔ مجھے بچے یاد آنے لگے۔ اپنا گھر، خاوند، خاندان اور عزت دامن گیر ہو گئی۔ میرے پاؤں اکھڑ گئے۔ میں فوراً کینیڈا پہنچی۔ خاوند کے پاؤں پر سر رکھ کے معافی مانگی۔ میری زندگی یکسر بدل گئی۔ اب الحمدللہ نماز بھی قضا نہیں ہوتی۔

اس طرح اللہ نے ایک ولی کامل کی دعا سے نسلیں تباہ ہونے سے بچالیں۔ لاریب! صلحاء کی دعا اور صحبت اِکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔

نجیب احمد نے کہا کہ ایک ایسا ہی واقعہ انگلینڈ میں پیش آیا۔

ایک صاحبِ ثروت عورت کے خاوند کا انتقال ہو گیا۔ وہ بیوگی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ اچانک ایک اوباش اسے تنگ کرنے لگا، جس سے اس کا جینا دوبھر ہو گیا۔ عورت شریف اور عالی خاندان سے تھی۔ ایک بار باباجیؒ ختم نبوۃ کانفرنس کے سلسلے میں انگلینڈ تشریف لے گئے تو وہ دعا کے لیے حاضر ہوئی۔ آپؒ نے فرمایا، اللہ آپ کو ہمیشہ کے لیے اس کے شر سے محفوظ رکھے۔ ابھی تین دن ہی گزرے تھے کہ اس اوباش کی موت واقع ہو گئی اور اللہ نے اس عورت کو اُس کے شر سے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔

میں اور میرے بابا جیؒ

نماز کی تعلیم

بچپن میں بابا جیؒ ہمیں اپنے مغربی کمرے میں سبقاً سبقاً نماز یاد کراتے۔ نماز پڑھنے کا مسنون طریقہ بھی سکھاتے۔ گھر لنگر کے برآمدے میں بابا جی ہماری جماعت کا اہتمام کرتے۔ رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ پر پوری نظر رکھتے۔ ہمیں ایک آیت یاد کرنے کو کہتے اور ہم سارا دن وہی دہراتے رہتے۔ اگلے روز دوسری آیت کا سبق ملتا۔ اس طرح ہم نے بابا جیؒ کی بے کنار شفقت سے نماز ادا کرنے کا مسنون طریقہ سیکھا۔

نماز کی تاکید

میرے ساتھ بابا جیؒ کی شفقت کا معاملہ سب سے منفرد تھا۔ کالج کے دنوں میں جب گھر چھٹیاں گزارنے آتا تو بابا جیؒ گرمیوں کے ایام میں صبح کے وقت ہمارے صحن سے گزرتے ہوئے رکتے۔ نماز کے لیے جگاتے۔ ہاتھ کی چھڑی سے چارپائی کی پائینتی بجاتے۔ کہر آلود سردیوں میں بھی دروازے پر زوردار دستک سنائی دیتی اور آپ فرماتے کہ اُٹھو بھئی نماز پڑھو۔ ایک ایسی ہی سرد صبح میں بابا جیؒ نے دروازہ کھٹکھٹا کر فرمایا کہ اُٹھو بھئی نماز پڑھو۔ میں نے بستر سے ہی آواز دی کہ اچھا بابا جی۔ گرم لحاف اور یخ بستہ سردی تھی۔ میں سمجھا بابا جیؒ تشریف لے جا چکے ہیں۔ دوبارہ زوردار دستک ہوئی اور پھر ارشاد فرمایا کہ اُٹھو بھئی نماز کا وقت ہے۔ میں ہڑبڑا کر بستر سے نکلا۔ ننگے پاؤں بھاگا۔ دروازہ کھولا تو آپؒ برآمدے میں ساتھ لے جانے کے لیے کھڑے تھے۔

ایسی ہی ایک سرد صبح میں برادرم خلیل احمد بابا جیؒ کے ساتھ نماز فجر کے لیے آ رہے

تھے کہ آپؒ میرے گھر کی جانب مڑے۔ سردی شدید تھی۔ برادرم خلیل احمد نے کہا کہ صرف حامد کو جگانا ضروری ہوتا ہے؟ فرمایا کہ بھئی تم میرا معمول نہ توڑو۔

بابا جیؒ کا معمول

معمول پر ایک اور واقعہ یاد آیا۔ بڑھاپے کے دنوں میں آپ کو وہیل چیئر پر باہر لایا اور گھر لے جایا جاتا۔ آپؒ نماز مغرب کے بعد کھانا نوش فرما کر عشاء کی نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔ باقاعدہ دس پندرہ منٹ ہمارے غریب خانے پر رُکتے۔ میں نے سوچا، بابا جیؒ کو روزانہ تکلیف ہوتی ہے، چنانچہ میں کھانا کھا کر خود بابا جیؒ کی خدمت میں پہنچ جاتا۔ اُن کے کھانے میں سے تبرک میرا مقدر ٹھہرتا اور آپؒ کی وہیل چیئر کے ساتھ آتا۔ تیسرے دن بابا جیؒ نے فرمایا کہ کرسی حامد کے گھر کی طرف موڑو۔ میں نے عرض کیا کہ بابا جیؒ! میں آپ کے ساتھ ہی ہوں۔ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ بھئی تم میرا معمول خراب نہ کرو۔ چنانچہ حسبِ معمول تشریف لائے۔ دس منٹ قیام کیا۔ قیام کے دوران اہلیہ کا معمول تھا کہ وہ فوراً کوئی نہ کوئی میٹھی چیز گرم کر کے پیش کر دیتی۔ آپ شوق سے نوش فرماتے اور اپنا تبرک سب میں بانٹ دیتے۔

نمازِ فجر اور بابا جیؒ کی نصیحت

۱۹۸۲ء کے اواخر میں جب تلاشِ روزگار کے سلسلے میں کویت پہنچا تو ایک دن بابا جیؒ کو فون کر کے عرض کیا کہ بابا جی! صبح آنکھ نہیں کھلتی، نماز قضا ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ بھئی فوراً قضا پڑھ لیا کرو۔ عرض کیا، بابا جی! میری آنکھ تو روز نہیں کھلتی۔ فرمایا کہ بھئی روز قضا پڑھ لو، بس نماز نہیں چھوڑنی۔ میں نے عرض کیا کہ اچھا بابا جی۔

عمر بیت رہی ہے۔ بابا جیؒ کی تربیت کا اُنتیس سال میں یہ ثمر سامنے ہے کہ میں اُس دن کے بعد قضا نماز پڑھنے لگا۔ کچھ عرصہ باجماعت نصیب ہوتی، کبھی کبھار طلوع آفتاب سے پہلے گھر پڑھ لیتا۔ کبھی قضا ہوتی تو فوراً قضا ادا کر لیتا۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ انتیس سال سے کوئی ایک نماز نہیں چھوٹی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ. یہ اللہ

کا انعام اورمیرے باباجیؒ کی دعاؤں کے ثمرات ہیں۔ بروقت نماز سے چوکنے لگوں تو طبیعت بے چین ہوجاتی ہے۔دل کوصرف مسجد میں جا کرقرار ملتا ہے، جیسے جلتے وجود پر کسی نے ٹھنڈا پانی ڈال دیا ہو۔

نمازِ فجر کا نسخہ

ایک دفعہ تسبیح خانے میں برسوں پہلے میں نے نذر امام شاہ صاحبؒ سے نماز فجر کے لیے عرض کیا۔آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی اورفرمایا کہ ہمارا تجربہ ہے کہ رات عشاء کی نماز کے بعد سورۃ کہف کا آخری رکوع پڑھ کے سویا جائے تو نمازِ فجر قضا نہیں ہوتی۔

راقم کی شادی

میاں محمد حسین سرگانہ صاحب کا شمار باباجیؒ کے ان عشاق میں ہوتا ہے جوفنا فی الشیخ ہوتے ہیں۔میاں محمد حسین سرگانہ کے گھر ناچیز کے رشتہ کے لیے ۱۹۸۰ء میں باباجیؒ خود بنفسِ نفیس تشریف لے گئے تھے۔اورآپؒ کی دعا اور برکت سے نہ صرف نیک رفیقۂ حیات نصیب ہوئی بلکہ آج تک ان کی دعاؤں کے طفیل زندگی جنت کا نمونہ ہے۔

جنوری ۱۹۸۵ء میں میری شادی ہوئی۔گھر میں رونق اورچہل پہل ہفتہ دس دن پہلے شروع ہوگئی۔اسی دوران باباجیؒ نے کسی کے ہاتھ پیغام بھجوایا کہ حامد سے کہیں کہ شادی کی خوشی میں نماز قضا نہ ہو۔ ہمارے گھرانے کے ساتھ ان کی محبتوں کا سلسلہ، جیسا کہ میں نے عرض کیا، منفرد رہا۔ بارات نے باگڑ سرگانہ جانا تھا۔آپؒ اُن دنوں ملتان گئے ہوئے تھے۔نہ صرف ایک دن پہلے باگڑ پہنچے بلکہ بارات کے استقبال کے لیے باگڑ سے شورکوٹ کی سمت پندرہ بیس کلومیٹر سفر طے کرکے، سڑک کے کنارے ایک چھوٹی سی کچی مسجد میں چٹائی پر بیٹھ کر ہمارا انتظار کیا اور بارات ساتھ لے کر گئے۔آپؒ ہی نے میرا نکاح پڑھایا۔

شفقت کا انداز

باگڑ سے واپسی پر سفر میں آپؒ کی رفاقت ایک ایسی سعادت تھی جس کا بدل ممکن نہیں۔شادی کے دوسرے روز صبح آپؒ خود تشریف لائے۔پھپھو جان (والدہ سعید احمد)

ساتھ تھیں۔ آپؒ نے کمال شفقت اور محبت سے میری اہلیہ کے لیے کہا کہ ہماری بھینسوں میں سے جو بھینس سب سے اعلیٰ نسل کی ہے وہ کھول کر محمد حامد کے گھر پہنچا دی جائے۔

بابا جیؒ کا دل جوئی کا انداز

ہمارے بابا جی شفقت کا بحرِ بے کنار تھے۔ اب سے دس سال قبل جب آپ کی عمر مبارک ۸۴ سال تھی، ہم نے رمضان میں محسوس کیا کہ بڑھاپے کی وجہ سے آپؒ کے لیے ساری رات تراویح میں قیام ایک مشکل عمل ہے۔ تب معمول تھا کہ ساڑھے نو بجے عشاء کی اذان ہوتی اور دس بجے جماعت کے بعد تراویح شروع ہو کر طلوعِ فجر سے ایک گھنٹہ پہلے تک جاری رہتی تھیں۔ قریباً تین بجے تراویح ختم ہونے کا معمول تھا۔ ایک دن افطاری کے لیے ہم سب بابا جیؒ کے حجرے میں موجود تھے؛ برادران عزیز احمد، خلیل احمد، سعید احمد، نجیب احمد، بابو عبدالرشید صاحب، برادرم حاکم اور میں۔ مشورہ ہو رہا تھا کہ کیا یہ بہتر نہیں کہ آٹھ بجے جماعت ہو اور رات بارہ بجے تک تراویح مکمل کر لی جائیں تاکہ بابا جیؒ کو آرام کے لیے وقت مل جائے۔ برادرم خلیل احمد نے کہا کہ بات اپنی جگہ ٹھیک ہے لیکن بارہ بجے سو کر دوبارہ سحری کے وقت اٹھ کر مہمانوں کو سحری دینا ایک مشکل کام ہے۔ میں نے اپنی رائے پر زور دے کر عرض کیا کہ بابا جیؒ! آج آپ حکم فرما دیں کہ ساڑھے سات بجے اذان ہو گی اور آٹھ بجے عشاء کی نماز اور بارہ بجے تک تراویح کا معمول ہو گا۔

محترم بابو عبدالرشید صاحب نے غصے سے کہا کہ آپ بزرگوں کا صدیوں سے بنایا ہوا معمول توڑنا چاہتے ہیں۔ آپ کے کہنے پر بابا جیؒ کیسے حکم فرما دیں۔ بچوں والی بات ہے یہ۔ بابا جیؒ یہ سن کر مسکرا دیے۔

افطاری کے بعد گھر آیا۔ کھانا کھا کر لیٹ گیا۔ حیرت اُس وقت ہوئی جب مؤذن نے ساڑھے سات بجے عشاء کی اذان دی۔ اللہ اکبر! بابا جیؒ نے ایک حقیر کے مشورے کو اِتنی اہمیت دی۔ بعد کے برسوں میں یہی معمول رہا۔ اس طرح بابا جیؒ کو آرام کا وقت مل جاتا۔

شادی میں سادگی

ایک دفعہ ہم تمام بھائی، پھپھو، گھر کی تمام خواتین بابا جیؒ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ سعید احمد کی شادی کے سلسلے میں، مہمان، کھانے، انتظامات سب کو حتمی شکل دی جا رہی تھی۔ بابا جیؒ نے سب کو کھل کر اپنی اپنی رائے دینے کو کہا۔ میں نے عرض کیا کہ بابا جی! ہمارا گھرانہ دینی گھرانہ ہے، چنانچہ ہمیں کھانے میں سادگی اختیار کرنا چاہیے۔ اسراف کی بجائے اچھا لیکن سادہ کھانا بنایا جائے۔ بکرے کے سالن کے ساتھ صرف میٹھا ہو تو کھانا ضائع نہیں ہو گا۔ لیکن نہ جانے کس نے کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا، سعید احمد کی شادی ہے، کھانا شاندار ہونا چاہیے۔ بابا جیؒ نے فرمایا کہ بھئی بے شک اپنی مرضی کرو لیکن حامد کی تجویز کو یک سر رد تو نہ کرو، اس پر غور کرنے میں کیا حرج ہے؟

چند روز بعد شادی تھی۔ برادرم عزیز صاحب نے بہت عمدہ انتظام کیا۔ بکرے کا شاندار، لذیذ سالن اور ساتھ ہمارا علاقائی مکھڈی حلوہ تھا۔ اور کھلانے کی ترتیب اتنی اچھی کہ پانچ سات اساتذہ کے ساتھ طلبہ کی ٹیم بنا دی۔ بہت اچھے طریقے سے کھانا کھلایا گیا۔ مجھے خوشی اس بات کی تھی کہ جو تجویز میں نے دی تھی اسے نظر انداز کرنے کی بجائے اہمیت دی گئی۔ اللہ کریم بابا جیؒ پر اَن گنت رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

شربتِ ابریشم

یہ بچپن کی ایک گرم دوپہر کا ذکر ہے۔ ہم خانقاہ کے مدرسہ میں قاری غلام ربانی صاحب کے پاس قرآن کریم پڑھا کرتے تھے۔ معمول تھا کہ دوپہر کے کھانے کے بعد بابا جی تسبیح خانے میں قیلولے کی نیت سے آرام فرمایا کرتے تھے۔ بابا جیؒ کے ساتھ ہماری چارپائیاں بھی ترتیب سے لگی بچھتیں۔ بابا جی قبلہ بنیان اور تہبند میں آرام فرماتے۔ ململ کا کرتا سامنے کھونٹی پر لٹکا رہتا۔ تسبیح خانے کی کھڑکی میں مستطیل شکل کی شیشے کی بوتل جس میں سرخ رنگ کا شربتِ ابریشم ہوتا تھا جس میں چاندی کے ورق بھی تھے۔ گھڑے کا ٹھنڈا پانی کیونکہ تب یہاں بجلی نہیں آئی تھی۔ ظہر کی اذان ہوتے ہی بابا جی ہم سب کو جگا دیتے۔ ہم

جتنی دیر میں وضو کر کے واپس لوٹتے بابا جی شربت ابریشم تیار کر کے ہمیں گلاس پکڑاتے۔ کیا لذت اور ذائقہ تھا جو آج تک ذہن میں تر و تازہ ہے۔

بچپن کی شرارتیں بھی اپنے رنگ میں نرالی ہوتی ہیں۔ تسبیح خانے کا ایک دروازہ گھر کی سمت کھلتا ہے۔ ہم کبھی کبھار جب بابا جی کو دیکھتے کہ وہ نیند میں ہیں، چپکے سے اُس دروازے سے دبے پاؤں نکلتے اور نہر پر خوب نہاتے۔ واپس آ کر آنکھیں بند کر کے لیٹ جاتے۔ ایک دن جب ہم اپنی شرارت مکمل کر کے واپس لیٹ چکے تھے، اذان ہوئی، ہم (برادرم عزیز، برادرم خلیل، برادرم رشید اور میں) نے وضو کیا اب ہم منتظر تھے کہ بابا جی شربت پلائیں تو ہم نماز کے لیے مسجد کی طرف چلیں۔ لیکن بابا جیؒ توجہ نہیں فرما رہے تھے۔ ہم پریشان کہ آج شربت ابریشم کیوں نہیں ملا؟ اچانک بابا جیؒ نے فرمایا کہ آج شربتِ ابریشم کسی کو نہیں ملے گا۔ ہم اور زیادہ پریشان ہو گئے۔ سوالیہ آنکھوں سے مسکینوں کی طرح بابا جیؒ کی طرف دیکھا۔ آپؒ نے فرمایا کہ آج مجھے خبر ہو گئی ہے کہ تم سارے نہر پر نہانے چلے جاتے ہو۔ اب جو نہر پر جائے گا اس کو شربت نہیں ملے گا۔ شربت کی لذت اور سرور ایسا تھا، اور وہ بھی بابا جیؒ کے ہاتھوں سے کہ نہر پر جانا چھوٹ سکتا تھا لیکن شربتِ ابریشم سے دست بردار ہونا ممکن نہ تھا۔ جب ہم منہ لٹکائے مسجد کو چلے تو شفقت کے سمندر نے پکارا کہ واپس آؤ سب اور شربت پی کے جاؤ۔

بابا جیؒ کے ساتھ ریل کا سفر

غالباً ۱۹۷۳ء کی بات ہے، میں نویں کلاس میں تھا۔ ایک بار ماموں اکرم کے ہاں ملتان گیا۔ ان دنوں ملتان سے ٹرین تھل ایکسپریس چلتی تھی جو صبح سات بجے کے قریب خانقاہ سراجیہ پہنچتی تھی۔ ٹرین میں چار درجے ہوا کرتے تھے؛ سلیپر، فرسٹ کلاس، سیکنڈ کلاس اور تھرڈ کلاس۔ مجھے ماموں نے تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لے دیا۔ جب وہ مجھے ٹرین میں سوار کرانے کے لیے سیٹ تلاش کر رہے تھے تو بابا جی قبلہؒ پر نظر پڑی۔ آپ نے پوچھا کہ بھئی کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ بابا جی! گھر جا رہا ہوں۔ آپ نے مسکراتے ہوئے

ارشاد فرمایا کہ تم میرے ساتھ آ جاؤ۔ میں نے کہا کہ بابا جی! آپ نے تو سلیپر میں سفر کرنا ہے۔ بابا جی نے ارشاد فرمایا کہ بھائی فکر نہ کرو، تمہارا ٹکٹ بھی بن جائے گا۔

خاکوانی گھرانے کا ایک ساتھی گارڈ اور S.T کے ڈبے کی جانب تیز تیز قدموں سے گیا اور ٹکٹ بنوا لایا۔ بابا جیؒ کے ساتھ کوئی ہم سفر نہیں تھا۔ میں ٹرین میں سوار ہو گیا۔ سلیپر کمپارٹمنٹ کی چار سیٹیں تھیں۔ بابا جیؒ کے فرمانے پر میں اوپر والی سیٹ پر لیٹ گیا۔ بابا جیؒ نیچے والی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ کھڑکی کھلی تھی۔ ٹرین آہستہ آہستہ رفتار پکڑ رہی تھی۔ بابا جیؒ نے اپنا سفری تھیلا نکالا۔ اس میں سے سرمہ نکالا اور ختم الرسل ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے تین تین سلائی سرمہ لگایا۔ گرمی کا موسم تھا۔ اوپر والی برتھ پر مجھے پسینہ آ رہا تھا اور گرمی کی وجہ سے بے چینی ہو رہی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ بابا جی تو نیچے جس سیٹ پر آرام کر رہے ہیں وہاں ان کو ہوا لگ رہی ہے اور میں گرمی سے تڑپ رہا ہوں۔ اچانک بابا جیؒ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ بھئی زیادہ گرمی لگ رہی ہے؟

میں چپ رہا اور حیرت میں ڈوب گیا کہ جو خیال صرف دل میں آیا ہے اللہ نے بابا جیؒ کو اُس کی خبر کیسے کر دی۔ چنانچہ میں نے عرض کیا کہ جی بابا جیؒ! گرمی لگ رہی ہے۔

بابا جیؒ نے اپنا سفری بیگ کھولا اور اس میں سے اپنے استعمال کے کپڑوں کے ساتھ کچھ مومی لفافے نکالے۔ سب کو یکجا کر کے ایک گولا سا بنایا اور کمپارٹمنٹ کا پنکھا جس کا رخ نیچے کی جانب تھا، بابا جیؒ نے اس کا رُخ میری سیٹ کی جانب موڑ کر وہ کپڑوں کا گولہ پنکھے کی پشت میں پھنسا دیا تا کہ مجھے ہوا لگتی رہے۔ لڑکپن کی نیند تھی، بہت گہری۔ صبح ہونے پر بابا جیؒ نے مجھے جگایا کہ اٹھو بھئی، نماز پڑھ لو۔ میں آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ بابا جیؒ نے تانبے کے کوزے میں میرے لیے وضو کا پانی ڈال کر دروازے میں رکھا ہوا تھا۔ بہت شرمسار ہوا کہ مجھے بابا جیؒ کی خدمت کرنا چاہیے تھی، یہ کیا کہ بابا جیؒ نے اتنی تکلیف اٹھائی — اللہ اللہ، اتنی شفقت! — وضو کر کے میں نے نماز ادا کی۔ بابا جیؒ نے فرمایا۔ چلو شاباش اب سو جاؤ۔ میں پھر اپنی سیٹ پر سو گیا اور ارادہ کیا کہ بس تھوڑی دیر میں دوبارہ جاگتا ہوں اور

بابا جیؒ کی خدمت میرا فرض ہے۔ گاڑی کے ہچکولے جھولے بنے اور میں پھر گہری نیند میں ڈوب گیا۔ خانقاہ سراجیہ سے پہلے علوالی کا اسٹیشن ہے۔ جب ٹرین علووالی سے نکلی تو دس منٹ کی مسافت باقی تھی۔ بابا جیؒ نے مجھے بیدار کیا۔ میں ہڑ بڑا کر اُٹھا کہ بابا جیؒ کا سامان سنبھالوں۔ سیٹ سے نیچے چھلانگ لگائی تو دیکھا کہ بابا جیؒ اپنا تمام سامان دروازے میں لا چکے تھے۔۔۔ان کا سفری بیگ، آم کی پیٹیاں، لوٹا، کوزہ۔ میں آج بھی سوچتا ہوں، یہ اولیاء کی شفقت ہے کہ وہ ایک بچے سے خدمت لینے کی بجائے اس کے آرام کا خیال رکھتے ہیں۔ ایسا عظیم الشان عمل عام آدمی کے بس کی بات نہیں۔

جادو اور بابا جیؒ کی توجہ

دکھ، بیماریاں، تکالیف بھی زندگی کا حصہ ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں مَیں راولپنڈی ٹیکنیکل کالج میں زیرِ تعلیم تھا۔ زندگی بھرپور اور خوش گوار تھی لیکن اچانک بخار نے آ لیا۔ چھ ماہ صاحبِ فراش رہا۔ جب کچھ طبیعت بحال ہوئی تو واپسی کا عزم کیا۔ ہوسٹل پہنچ کر بھی طبیعت اچاٹ اور ملول رہتی تھی۔ بابا جیؒ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا،''اللہ کرم کرے گا پریشان نہ ہوا کرو۔'' عجیب وغریب اندھی بہری سوچیں جگر چھلنی کرتی رہتی تھیں۔ ہوسٹل میں ایک دوست نے کہا کہ کمیٹی چوک کے پاس ایک حافظ جی رہتے ہیں، ان کے تعویذات تیر بہدف ہیں، تم ان سے ملو، ممکن ہے بیماری ٹل جائے۔ میں ایک دن مطلوبہ مقام کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ راولپنڈی کے گلی کوچوں کی خاک چھانتا اور ویگنیں تبدیل کرتا ہوا حافظ صاحب کے ہاں جا پہنچا۔ وہ مجھے بھلے آدمی لگے۔ انہوں نے دیکھا بھالا۔ عاملانہ انداز میں حساب کتاب کر کے فرمایا کہ آپ پر سحر کے اثرات ہیں۔ میں نے علاج کی بابت پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ زعفرانی تعویذ اِکتالیس یوم استعمال کیجیے۔ مگر آپ کا علاج کہیں اور ہو گا۔ میرے استفسار پر فرمایا، کندیاں شریف سے آگے خانقاہ سراجیہ ہے، وہاں ایک بزرگ ہیں جن کا نام خواجہ خان محمد ہے۔ آپ ان کے پاس جا کر دعا کرا لیں، ان شاء اللہ سب تکالیف رفع ہو جائیں گی۔

میں یہ سوچتا ہوا لوٹا کہ طبیب گھر میں ہے اور ہم در بدر بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ کالج سے چھٹی لے کر گھر پہنچا۔ بابا جیؒ سفر میں تھے۔ ظہر کی نماز کے لیے مسجد میں گیا تو بہل کے عبدالعزیز شاہ صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ ان کی خدمت میں ساری تفصیل عرض کی۔ آپ نے ایک تعویذ دیا اور کہا کہ تین دن میں ایک منفرد خواب آئے گا، وہ بابا جیؒ کو سنا کر رہنمائی لے لینا۔

دوسری رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک چارپائی پر نحیف و نزار لیٹا ہوں۔ جسم میں اتنی سکت بھی نہیں کہ کروٹ لے سکوں۔ میرے سرہانے دو عورتیں بیٹھی باتیں کر رہی ہیں۔ ایک عورت نے دوسری سے کہا کہ میں نے تو تمہیں کہا تھا کہ جادو اتنا زور دار ہو کہ یہ جان سے چلا جائے۔ دوسری عورت نے کہا کہ کمی تو میں نے نہیں کی، دیکھ لو ہڈیوں کا پنجر ہو گیا ہے۔ جس پر پہلی عورت نے کہا، لیکن ابھی بھی یہ شخص زندہ تو ہے۔

اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ مغربی سمت سے بابا جیؒ تشریف لا رہے ہیں — سفید کرتا، نیلا تہبند، سفید عمامہ، چہرے پر نور اور روشنی — آپؒ میری چارپائی کے قریب پہنچے۔ آپؒ کے ہاتھ میں سفید ململ کا کپڑا تھا۔ آپ نے وہ کھولا اور میرے اوپر ڈال دیا۔ چارپائی کے سرہانے بیٹھی عورتوں کا رنگ اڑ گیا۔ پہلی عورت نے دوسری سے کہا کہ تم نے دیکھا؟ جس شخص کی حفاظت کے لیے اللہ ایسے ولیِ کامل کو مقرر کر دے وہاں ہمارا عمل اکارت نہ جائے تو اور کیا ہو؟

بابا جیؒ سفر سے واپس تشریف لائے۔ میں نے اپنی پوری روداد بابا جیؒ کو سنا دی۔ جب میں نے بات مکمل کی تو آپؒ نے فرمایا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں، اللہ کرم کرے گا۔ تم نے آج سے تینتیس آیات کا وظیفہ روزانہ پڑھنا ہے۔ پڑھنے کے بعد پانی پر دم کر کے وہ پانی پی لینا اور اپنے اوپر بھی دم کر لینا۔ اس دن کے بعد طبیعت سنبھلتی چلی گئی۔ دل کو سکون حاصل ہوا۔

اینگزائیٹی، ڈپریشن اور بابا جیؒ کی دعا

زندگی اپنی رفتار سے چلتی رہی، کئی سال گزر گئے۔ آٹھ دس سال قبل، ایک بار پھر اچانک بیماری کا حملہ ہوا، اور اس نے پورے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔ اب کی بار Depression اور Anxiety کا شدید حملہ تھا۔ علاج جاری تھا لیکن بہتری کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ ایک عجیب بے نام سا خوف تھا جو دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا۔ اب کی دفعہ میں بالکل تنہا رہ گیا تھا، کہ ۱۹۹۱ء میں والد صاحب چلے گئے اور ۱۹۹۸ء میں والدہ کینسر جھیل کر اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ لیکن میں تنہا نہیں تھا، بابا جیؒ میرے ساتھ تھے۔ ہمارا معمول تھا کہ جب بھی کوئی پریشانی یا الجھن گھیرتی، بابا جیؒ سے رجوع کرتے۔ دعا کے ثمرات سمیٹ کے مطمئن ہو جاتے۔ بس بابا جیؒ سے عرض کر دیا، اب فکر کی کوئی بات نہیں۔ یہ نفوسِ قدسیہ آخر شب حضور اکرم ﷺ کی پوری امت کے لیے بہ چشمِ نم دعا کرتے ہیں۔ اور ان کا شمار اُن ہستیوں میں ہوتا ہے جو اللہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ وہ قسم پوری کر دیتا ہے۔

بیماری کی شدت کو دیکھ کر ایک دن برادرم عزیز احمد نے کہا کہ کہیں عملیات کا اثر نہ ہو۔ میں نے عرض کی کہ بھائی جان! ایسی کوئی بات نہیں۔ ہم ہر بیماری، تکلیف کو جادو سے جوڑ دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پھر بھی اس پہلو کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن میں نے سوچا، ایسا کوئی وہم نہیں پالنا چاہیے۔ برادرم خلیل احمد مجھے ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب کے پاس ملتان لے گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے کمالِ شفقت سے مجھے سائکاٹرسٹ ڈاکٹر اظہر کو چیک کرایا۔ بیس روز ملتان رہ کر واپس لوٹ آئے۔ ہاتھ کانپتے رہتے تھے۔ میں نے بیماری سے سمجھوتا تو کر لیا لیکن وہ موجود تھی اور اپنی موجودگی کا احساس دلاتی تھی۔

گرمیوں کے دن تھے۔ ہم دوپہر میں سو کر اُٹھے تو اہلیہ نے کہا کہ پورے صحن میں چنے کے دانے کے برابر ریت بچھی ہوئی ہے۔ میں نے اہلیہ سے کہا کہ تم عورتیں وہم بہت پالتی رہتی ہو، جھاڑو دے کر صحن صاف کروا دو۔ لیکن اگلے روز ظہر کی نماز کے بعد دیکھا تو پھر دوبارہ پورے صحن میں گیلی ریت ترتیب کے ساتھ بچھی ہوئی تھی۔ میں نے اہلیہ سے کہا کہ

عجیب اتفاق ہے، وہم نہ کرو جھاڑو دے دو۔ وہ لنگر کی طرف گئی۔ تسبیح خانے کا ایک دروازہ ہمارے گھر میں کھلتا ہے جہاں سے میرے جدّ امجد مولانا ابوالسعد احمد خانؒ کبھی کبھی تشریف لایا کرتے۔ وہ وہاں تک گئی۔ جنوبی سمت میرے ننھیال کا گھر ہے ان کا صحن جا کر دیکھا، کہیں بھی گیلی ریت نہیں تھی۔ اس نے مجھے کہا کہ امامہ کے ابو! آپ لاپروائی نہ کریں، میرا دل ڈر رہا ہے۔ میں نے کہا کہ جو دل اللہ سے نہ ڈرے وہ ہر چیز سے ڈرتا رہتا ہے۔ لیکن اگلے روز ہم نے دوپہر سونے سے قبل صحن میں اچھی طرح جھاڑو دے دی۔ ظہر کی نماز کے بعد اُٹھ کر باہر دیکھا تو صحن میں تازہ گیلی ریت بچھی تھی۔ اور ترتیب ایسی جو انسان کے بس کا روگ نہیں۔ اس سہ پہر میں عصر کی نماز کے بعد، صحن میں کرسی ڈال کر مولانا منظور نعمانیؒ کی معارف الحدیث کا مطالعہ کر رہا تھا کہ میری گود اور کتاب کے ورق پر گیلی ریت گری۔ میں نے حدیث کا مطالعہ جاری رکھا۔

مغرب کی نماز کے بعد جب بابا جیؒ کھانا کھانے کے بعد باہر تشریف لے جا رہے تھے تو اپنے معمول کے مطابق ہمارے گھر تشریف لائے اور چارپائی پر آرام فرمایا۔ خیریت دریافت کی۔ اہلیہ نے ساری بات من وعن آپؒ کے سامنے رکھ دی اور وہ رو پڑی۔ آپ سر جھکائے گہری سوچ میں تھے۔ میں نے عرض کیا کہ بابا جیؒ! میں حکیم صاحب سے تعویذ تو لے آیا ہوں، اسے استعمال کیسے کرنا ہے؟ توجہ اور دعا کی درخواست ہے۔

آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ معمول سے ہٹ کر بہت لمبی دعا فرمائی۔ اور فرمایا، فکرمند نہیں ہونا، اللہ آسانی کرے گا۔ تعویذ کپاس میں لپیٹ کر ماچس کی خالی ڈبیا میں بند کر کے اس کمرے کے دروازے یا کھڑکی کے اوپر ایسی جگہ رکھیں جہاں سے وہ نظر نہ آئے اور وہ کمرہ جو زیادہ استعمال میں ہے۔ میں نے بابا جیؒ کا ہاتھ تھاما، آپ باہر مریدین میں تشریف لے گئے۔ آپؒ کے کہنے کے مطابق تعویذ میں نے اپنے آرام کرنے والے کمرے کی کھڑکی میں کیل گاڑ کر ایسی جگہ رکھ دیا کہ انسانی آنکھ سے اوجھل رہے۔ اگلے روز دوپہر کے بعد صحن میں ریت نہیں تھی۔ دوسرے اور تیسرے روز بھی نہیں تھی۔ آپؒ کی دعا سے صحت

دنوں میں بحال ہوگئی۔ اور آٹھ سال گزر گئے آپؒ کی دعا اور تعویذ دونوں موجود ہیں۔ الحمدللہ!

یہاں مجھے مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کا ایک واقعہ یاد آرہا ہے کہ ایک شخص جنات کی وجہ سے سخت پریشان تھا۔ جنات نے اس کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ پیٹیوں میں بند کپڑوں اور بستروں تک کو آگ لگ جاتی تھی۔ اسے کسی نے مشورہ دیا، تم مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کی خدمت میں چلے جاؤ، اللہ تمہاری پریشانی کاٹ دے گا۔ وہ آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور روتے ہوئے اپنی بپتا سنائی۔ آپؒ نے تسلی دی اور ایک تعویذ عطا کیا کہ اسے گھر میں رکھیں، اللہ حفاظت کرے گا۔ اس کے بعد اس شخص کے گھر میں سکون ہوگیا۔ اس نے اور اہل خانہ نے سکھ کا سانس لیا۔ بہت برس بعد جب وہ بوڑھا ہوگیا، ایک روز اسے خیال آیا کہ دیکھا جائے کہ آپؒ نے تعویذ میں کیا لکھا تھا۔ اس نے تہہ بہ تہہ بوسیدہ تعویذ کھولا۔ لکھا تھا:

''شاہِ جنات کے نام! میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ یہ علاقہ چھوڑ دو۔ حسین احمد عفی عنہٗ''

قدامہ کا آشوبِ چشم

قدامہ بیٹے سلمہٗ کی عمر چھ ماہ تھی، تب اسے آشوبِ چشم نے آلیا۔ مسلسل آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔ ڈاکٹرز کو دکھایا، معائنے ہوئے، علاج کیا لیکن تکلیف موجود رہی۔ سردیوں کی ایک سہ پہر میں ڈیوٹی سے آیا تو اہلیہ نے بتایا کہ میں قدامہ کو لے کر بابا جیؒ کے پاس گئی کہ دم کردیں۔ آپؒ نے دم نہیں کیا اور فرمایا کہ بی بی! اسے واپس لے جاؤ۔ میں نے کہا کہ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟ اللہ کی حکمت ہوگی۔ حوصلہ رکھا کرو۔ ہر بیماری کی شفا بھی اسی کے دست قدرت میں ہے۔

مغرب کی نماز پڑھ کے میں گھر آیا، ابھی ایک دو لقمے ہی لیے تھے کہ ہمارے مغربی کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور بابا جیؒ تشریف لے آئے۔ میں کھڑا ہوگیا۔ فرمایا کہ بھئی کھانا کھاتے ہوئے نہیں اٹھا کرتے۔ اتنے میں درمیان والے کمرے سے اہلیہ داخل

ہوئی۔ بابا جیؒ نے فرمایا کہ بی بی! قدامہ کو لے آؤ۔ آپؒ نے اسے گود میں لیا۔ دم کیا، ساتھ دعا دی اور تشریف لے گئے۔ اگلی صبح قدامہ کی آنکھیں بالکل ٹھیک ہو چکی تھیں۔ سترہ اٹھارہ برس گزر گئے، اللہ کا کرم ہے اُس کے بعد قدامہ کو کبھی آنکھوں کی تکلیف نہیں ہوئی۔

رزقِ حلال

عبادت کی قبولیت میں رزقِ حلال کو جزوِ اعظم کی حیثیت حاصل ہے۔ بابا جیؒ کی صحبت سے جو فیض ملا ہے اس میں آپ کی توجہات کا عکس آج بھی اظہر من الشّمس ہے۔ مجھے وہ شام کبھی نہیں بھولے گی۔

آپ مغرب کی نماز کے بعد گھر جاتے ہوئے ہمارے صحن میں رکے۔ آپ کے کاندھے پر نیلا چارخانے کا رومال تھا۔ میری اہلیہ نے آپ کی جھلک دیکھ لی۔ وہ عجلت میں ننگے پاؤں آئی اور آپ کو سلام کیا۔ آپ نے پوچھا کہ حامد کہاں ہے؟ اتنی دیر میں مَیں مشرقی کمرے سے نکل کر آیا۔ سلام کرنے کے بعد آپؒ سے مصافحہ کیا، اور عرض کیا، جی بابا جی! آپؒ کسی گہری سوچ میں تھے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب باپ کا سایہ اٹھ جانے کے بعد بظاہر زندگی میں رات بھی دھوپ میں بدل گئی تھی مگر بابا جیؒ کی چھتنا ور چھاؤں میں زندگی آسانی سے سانس لینے لگی تھی۔ تنخواہ کم تھی اور شب و روز گھسیٹنے کے لیے کوئی اور کام بھی ساتھ کرنے کا ارادہ تھا۔ لیکن سوال یہ تھا کہ کون سا کام کیا جائے۔ ان دنوں میں وزیر اعظم محمد نواز شریف نے ''پیلی ٹیکسی'' کی سکیم شروع کی جس میں بنک پچیس ہزار روپیہ لے کر اقساط میں کار فراہم کرتے تھے۔ میں نے سوچا کہ موٹر سائیکل فروخت کر کے ''پیلی ٹیکسی'' لے لیتا ہوں۔ کرائے پر چلانے سے آمدن کا ذریعہ ہو جائے گا اور ساتھ ہی اپنی سہولت کے لیے گھر میں گاڑی بھی موجود ہو گی۔ لیکن ابھی اس ذہنی خاکے کو عملی شکل دینے کا سوچ رہا تھا۔ آپؒ کسی گہری سوچ میں تھے۔ جی بابا جی! میں نے پھر عرض کیا۔

آپؒ نے میری طرف دیکھا اور پوچھا کہ بھئی میں نے سنا ہے تم نواز شریف سکیم والی ٹیکسی لے رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ جی بابا جی! ارادہ تو ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں بھئی

نہیں، بالکل نہیں، کوئی سودی کام نہیں کرنا۔ میں نے عرض کیا، بالکل صحیح بابا جی! آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ پھر ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ بابا جی! بچوں کی سہولت کے لیے کار کی ضرورت ہے۔ اجداد کی چند ایکڑ زمین کی سیرابی کے لیے ٹیوب ویل کی بھی ضرورت ہے۔ آپ دعا کر دیں اللہ کریم آسانی کرے۔ بابا جی نے فرمایا کہ بھئی اللہ کریم تمہیں یہ سب حلال راستے سے عطا کرے، اور ساری زندگی کوئی سودی کام نہیں کرنا اور نہ کبھی بنک سے کوئی کسی قسم کا قرض لینا ہے، چاہے کھاد بیج ہو، ٹریکٹر، ٹیوب ویل، کار یا اور کوئی ضرورت۔

وہ لمحۂ قبولیت تھا۔ اللہ رب العزت نے رزقِ حلال سے کار عطا کی۔ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا پڑا اور نہ کوئی قرض لیا۔ اور جن دنوں ٹیوب ویل کا ارادہ ہوا، اللہ نے اسباب پیدا فرما دیے۔ قبرستان کی جنوب مغربی سمت مسجد کی پشت پر بوڑھے توت کے درخت کے ساتھ میں نے ٹیوب ویل لگانے کا فیصلہ کیا۔ میانوالی سے مستری محمد حسین خود آیا، جگہ دیکھی اور مجھے تخمینی اخراجات بتائے۔ پہلا مرحلہ کنویں کی کھدائی کا تھا۔ میں نے غلام حسن کو بھیجا کہ برفی لے آئے۔ صبح کے دس بجے کا وقت تھا۔ بابا جی قبلہؒ اپنے حجرہ مبارک میں بیٹھے تھے۔ مریدین کافی تعداد میں تھے۔ حجرہ بھرا ہوا تھا اور برآمدے میں بھی ساتھی بیٹھے تھے۔ میں بابا جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ بابا جیؒ! ٹیوب ویل کے کنویں کی کھدائی شروع کرنی ہے۔ بابا جیؒ نے مسکراتے ہوئے کہا، ''اچھا۔'' میں نے پھر عرض کیا کہ جی بابا جیؒ! آپ تکلیف فرمائیں، آپ کی برکت سے سب کام آسان ہو رہے ہیں۔

آپؒ اٹھے تو تمام ساتھی ساتھ چل پڑے۔ قبرستان کے پاس سے گزر کر آپ توت کے نیچے پہنچے۔ استاد محمد حسین کھدائی والی جگہ پر پانی ڈال کر زمین نرم کر چکے تھے۔ سب باادب کھڑے تھے۔ بابا جیؒ نے ''کسی'' سنبھالی اور کھدائی کے لیے آغاز کیا۔ تین چار ''ٹپوں'' کے بعد کسی ایک اور ساتھی نے سنبھال لی۔ بابا جیؒ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور بہت طویل دعا فرمائی۔ برفی کا ڈبہ ان کے سامنے کھولا گیا۔ آپ نے ایک ٹکڑا اُٹھایا اور باقی ساتھیوں میں تقسیم کرنے کی ہدایت فرمائی۔

مجھے آپ کی دعا کا وہ لمحہ یاد آیا جو شام کے بعد میرے صحن میں میری تقدیر بنا۔

''بھئی اللہ کریم تمہیں یہ سب حلال راستے سے عطا کرے، اور ساری زندگی کوئی سودی کام نہیں کرنا اور نہ کبھی بنک سے کوئی کسی قسم کا قرض لینا ہے، چاہے کھاد بیج ہو، ٹریکٹر، ٹیوب ویل، کار یا اور کوئی ضرورت۔''

انعامی بانڈ

میں میٹرک میں تھا۔ ۱۹۷۴ء کی بات ہے۔ دوستوں نے بتایا کہ انعامی بانڈ کمال کی چیز ہے، انعام نکل آئے تو وارے نیارے ہو جاتے ہیں۔ تب حلال و حرام کی سمجھ ہی نہیں تھی۔ میں کندیاں گیا اور دو انعامی بانڈ لے آیا۔ شروع سے یہ مزاج کا حصہ رہا کہ ہر کام کے لیے بابا جی سے دعا کرانی ہے۔ انعامی بانڈ لے کر گھر پہنچا، گرمیوں کے دن تھے۔ سیدھا بابا جی کی خدمت میں گیا۔ آپؒ دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے۔ سر پر رومال لپیٹ کر باادب بابا جیؒ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے تبسم فرمایا اور میرے چہرے پر لکھے سوال کو پڑھ لیا۔ میں نے عرض کیا کہ بابا جی! میں نے دو انعامی بانڈ خریدے ہیں، آپ دعا کریں کہ میرا بہت بڑا انعام نکل آئے۔ آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ بھئی انعامی بانڈ حرام ہیں، انہیں واپس کر آؤ۔

چلچلاتی دھوپ میں مَیں نے سائیکل پکڑی اور نہر کے کنارے پیڈل مارتا کندیاں جا پہنچا اور انعامی بانڈ واپس کر کے اپنے بیس روپے واپس لے لیے۔ وہ دوپہر بھولتی ہے نہ وہ شام اور نہ بابا جی کی دعا۔ اللہ نے رزقِ حلال عطا کر رکھا ہے۔ زندگی میں مکمل سکون اور اطمینان ہے۔ دل اور ذہن میں کوئی خلجان نہیں۔

بابا جیؒ کی صحبت کے اثرات

آپؒ کی صحبت سے اس دل سے اللہ نے زمین، جائیداد، دولت، جاہ وحشمت، کار، کوٹھی، پلاٹ کی محبت نکال دی ہے۔ صلحاء کے قدموں میں بیٹھ جانے سے انسان کبھی ناکام نہیں ہوتا۔ میں نے جبراً مراقبہ کر کے ان سب چیزوں کے بارے سوچا لیکن اندر سے ایک ہی آواز سنائی دیتی ہے، تیرا کیا ہے؟ یہ زمین تیری ہے نہ یہ مکان تیرا ہے، نہ یہ وجود جو تو لیے

پھرتا ہے تیرا، کوئی چیز تو بتا کہ تیری ملکیت ہے۔ سب کا مالک میں ہوں۔ جب اللہ رب العزت مالک ہے تو پھر غم کا ہے کا؟ یہ سب بابا جیؒ کے قدموں میں بیٹھنے سے نصیب ہوا۔ ہم تہی دامن رہ گئے۔ جو سیکھنا تھا وہ بھی نہ سیکھ پائے۔ لگتا ہے ابھی تک بابا جیؒ کی طرح ایک سجدہ بھی نصیب نہیں ہوا۔

ڈاڑھی اور بابا جیؒ کی دعا

ایک شام میں مغرب کی نماز پڑھ کے سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ سامنے بابا جیؒ کے حجرہ مبارک پر نظر پڑی۔ دروازہ خود بخود کھل گیا۔ کتنی دیر میں آپ کی زیارت کرتا رہا۔ میں نے فضا میں بابا جیؒ کی خوشبو محسوس کی۔ آپؒ ماہنامہ ''بینات'' کا مطالعہ کر رہے تھے۔ چہرے پر پھیلے نور کی روشنی سے ہر طرف نرم اجالا تھا۔ ڈیسک پر داہنی جانب ہفت روزہ ''ختمِ نبوۃ'' رکھا تھا۔ آپؒ نے نظر اٹھائی اور ساتھیوں کی جانب استفہامیہ نظروں سے دیکھا اور سوال کیا کہ یہ محمد حامد سراج کون ہے؟ عرض کیا کہ جی اپنا بھائی حامد ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''ختمِ نبوۃ'' میں اس کا خط شائع ہوا ہے۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب اٹامک انرجی کمیشن میں میری ملازمت کا اللہ نے بندوبست کیا۔ ایک دن شفٹ ڈیوٹی کے دوران ہم پانچ ساتھی تھے۔ مغرب کی نماز کے لیے اکٹھے ہوئے۔ مسئلہ امامت کا تھا۔ چار ساتھی بے ریش تھے اور میں ان دنوں ڈاڑھی ترشوایا کرتا تھا۔ ان کے اصرار پر میں نے نماز پڑھا دی۔ لیکن دل میں قلق تھا کہ جانے نماز ہوئی کہ نہیں۔ مسئلہ معلوم کرنے کے لیے میں نے مولانا یوسف لدھیانویؒ کو خط لکھا اور پوچھا کہ ایسی صورت میں نماز ادا ہوگئی یا نہیں۔ آپؒ نے جواب میں لکھا کہ آپ ڈاڑھی کیوں نہیں رکھ لیتے، آپ کو دوہرا اجر ملے گا، ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت زندہ کرنے کا اور دوسرا امامت کا۔

اور پھر یہ خط ہفت روزہ ختمِ نبوۃ میں بھی چھاپ دیا۔ بابا جیؒ یہ مکتوب پڑھ چکے تھے۔ اسی دن کی بات ہے یا اس سے اگلے دن کی، عصر کی نماز کے لیے جب آپؒ سیڑھیاں چڑھ

رہے تھے تو میں نے بابا جیؒ کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ بھئی تم نے مولانا یوسف لدھیانویؒ کو خط لکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی بابا جیؒ۔ آپؒ نے صرف اتنا ارشاد فرمایا کہ بھئی ڈاڑھی دو انگلیاں بھی رکھنی اور چار بھی۔

میں نے عرض کیا کہ بابا جیؒ! آج سے میں ڈاڑھی نہیں ترشواؤں گا، آپ استقامت کی دعا کریں۔ بابا جیؒ نے ارشاد فرمایا کہ بھئی اللہ استقامت عطا کرے۔

کچھ دن بعد نائی کی دکان پر گیا۔ خط بنانے کے بعد اس نے قینچی اٹھائی تو میں نے اسے روک دیا کہ جب تک مقدارِ مسنون ایک مٹھی پوری نہیں ہو جائے قینچی نہیں لگے گی۔ ایک دن ابو نے پوچھا کہ بیٹا! کئی دن سے تم نے خط نہیں بنوایا۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے ڈاڑھی رکھ لی ہے اور بابا جیؒ نے دعا فرمائی ہے۔

راقم کا کویت کا سفر اور بابا جیؒ کی توجہات

عمرِ رواں میں بابا جیؒ کی دعا، توجہ اور رہنمائی کی مشعل نے ہمیشہ مشکل آسان کی۔ یہ جو زمین و آسمان کے درمیان نوری سالوں کی مسافت بچھی ہے اسے صرف دعا ہی طے کر سکتی ہے۔ بھائی محمود اور میں ۱۹۸۲ء میں کویت گئے۔ یہ بیرونِ ملک پہلا سفر تھا۔ بابا جیؒ سے الوداعی ملاقات کی اور دعا کی درخواست کی تو آپؒ نے فرمایا، جہاں کوئی مشکل پیش آئے کثرت سے آپ نے "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" کا وِرد کرنا ہے، اللہ مشکل آسان کر دے گا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے جب ہم کویت ائر پورٹ پر اترے تو سب سے اہم مرحلہ ویزا لگنے کا تھا۔ ایک لمبی قطار تھی جس کے آخر میں ہم بھی کھڑے ہو گئے۔ سامنے تین کاؤنٹر تھے اور تینوں کاؤنٹرز پر لمبی قطار تھی۔ اندازہ تھا کہ ہماری باری آنے میں چار پانچ گھنٹے لگ سکتے ہیں۔ میں نے بھائی محمود سے کہا کہ بھائی! بابا جی نے فرمایا تھا کہ مشکل وقت میں یاد سے "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ" کا ورد کرنا ہے۔ ہم نے بابا جیؒ کے فرمان کے مطابق اس آیت کا ورد شروع کر دیا۔ بہ مشکل پانچ منٹ گزرے ہوں گے کہ چوتھا کاؤنٹر جو خالی تھا اس

پر ایک عربی آکر بیٹھ گیا۔ اس کے سر پر سفید رومال اور گول سیاہ ''رِنگ نما'' غطرہ تھا۔ اس نے ہمیں اشارہ کیا اور ''تعال'' کہا۔ ہم تیزی سے اس کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ ''پاسپورٹ کہاں ہے؟'' اس نے عربی میں سوال کیا۔ ہم نے پاسپورٹ اور ویزہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ دو منٹ میں اس نے پاسپورٹ پر مہر لگائی، ویزہ سٹیمپ کیا اور پاسپورٹ ہمیں واپس تھما دیے۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنی سیٹ سے اٹھا اور بغلی کمرے میں چلا گیا۔ ہم نے پلٹ کر دیکھا، ہماری قطار میں اور کوئی شخص نہیں تھا۔ ہمارا کام مکمل ہو چکا تھا۔ یہ بابا جی قبلہؒ کی کرامت تھی کہ اللہ نے ایک شخص کو بھیجا جو ہمارا کام نمٹا کر واپس چلا گیا اور ایک دنیا ابھی قطار میں کھڑی تھی۔ اللہ نے ہمیں انتظار کی کوفت اور پریشانی سے محفوظ رکھا۔ دعا ہے کہ قیامت کے دن بھی بابا جیؒ کے وسیلہ سے ہم حساب کتاب کی کسی قطار میں نہ ہوں اور ہمیں ہمارا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں تھما کے بلا حساب جنت میں بھیج دیا جائے۔

بابا جیؒ کی دعاؤں کا اثر

کویت کے قیام کے دوران ہی بابا جیؒ کی ایک اور کرامت دیکھنے میں آئی۔ بھائی محمود نے ڈرائیونگ لائسنس بنوانا تھا وہاں سفارش اور رشوت کے بغیر لائسنس کا تصور ہی نہیں تھا۔ لائسنس بنوانے پر ڈیڑھ سو دینار رشوت کا معمول تھا۔ بھائی کی ڈرائیونگ مسلّم ہے۔ بہت محتاط اور مہارت سے گاڑی چلاتے ہیں۔ ان کا تجربہ قریباً ایک لاکھ کلومیٹر سے اوپر ہو گا۔ مجھے یاد ہے، بھائی محمود نے رشوت اور سفارش کے بغیر ڈرائیونگ لائسنس کے لیے ٹیسٹ دینے کا فیصلہ کیا۔ کویت میں موجود سب احباب کا کہنا تھا کہ یہ ایک فضول کوشش ہے، ہم نے تو نہیں سنا کہ آج تک کسی پاکستانی کا لائسنس بغیر رشوت یا سفارش کے بن گیا ہو۔ وہ ایک روشن صبح تھی۔ نمازِ فجر کے بعد بھائی نے پہلا کام یہ کیا کہ پاکستان فون کیا اور بابا جیؒ سے دعا کی درخوست کی کہ اللہ مجھے ڈرائیونگ ٹیسٹ میں کامیاب کرے۔ پھر باوضو کار میں بیٹھے۔ قرآن مجید کا نسخہ ساتھ رکھا۔ ہم Testing Centre پہنچے۔ وہاں اِکا دُکا گاڑیاں آئی ہوئی تھیں۔ ڈرائیونگ کے احاطے کے چہار اطراف مضبوط جالی دار جنگلہ تھا۔

میں جالیوں پر دونوں ہاتھ دھرے بھائی کی ماہرانہ ڈرائیونگ کا نظارہ کر رہا تھا۔ٹیسٹ مکمل ہونے کے بعد شرطہ، بھائی کو اپنے ساتھ پولیس کیبن میں لے گیا۔جب دیر ہونے لگی تو مجھے وساوس نے گھیر لیا۔دھوپ میں تمازت بڑھنے لگی۔اچانک میں نے دیکھا کہ بھائی پولیس کیبن سے نکلے، ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔وہ بے تابانہ مجھ سے لپٹ گئے۔ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔

اللہ رب العزت سے بڑی سفارش اور کیا ہوسکتی ہے۔وہ اپنے بندوں کو مایوس نہیں کرتا۔ایک ولیِ کامل نے ہزاروں میل کی دوری سے جو توجہ کی اسے کہاں رائیگاں جانا تھا۔ اللہ اپنے دوستؒ کی کہی بات نبھاتا ہے۔بابا جیؒ کی دعا اور توجہ سے لائسنس بن گیا۔

بابا جیؒ کی کویت آمد

ہمارے کویت کے قیام کے دوران بابا جیؒ ایک بار کویت تشریف لائے۔ ہمارے لیے وہ دن عید تھے۔آپؒ نے چچا جان محمد زاہد کے گھر پر قیام کیا۔دن میں مختلف ساتھیوں کے ہاں مدعو ہونے کی وجہ سے مصروفیت رہتی۔کویت میں جتنے دن قیام رہا آپؒ فجر کی نماز گھر پر با جماعت ادا فرماتے اور فرضوں میں معوذتین کی تلاوت کرتے۔پہلی رکعت میں سورۃ الفلق اور دوسری رکعت میں سورۃ الناس (دورانِ سفر حضور ﷺ کا یہی معمول تھا)۔ نمازِ فجر کے لیے مسجد نہ جانے کی ایک وجہ یہ سمجھ میں آئی کہ مسجد قبا کے امام کی ریش سنت کے مطابق نہیں تھی۔ڈاڑھی ترشوانے کی وجہ سے آپؒ نے اس کی اقتداء کی بجائے گھر پر نماز با جماعت کو ترجیح دی۔جس روز آپؒ کی کویت سے واپسی تھی ہم بہت اداس تھے۔

کویت کے قیام کے دوران بابا جیؒ کے تحریر کردہ خطوط میرے پاس محفوظ ہیں۔ایک خط بھائی محمود کے نام ہے۔میں وہ گراں بہا متاع نذرِ قارئین کر رہا ہوں۔

مکتوبات بنامِ راقم

(۱)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے عزیز مکرم محمد حامد سلمہ اللہ الصمد مطالعہ کریں کہ آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ یاد آوری کا بہت بہت شکریہ۔ جَزَاکَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنَّا خَیْرَ الْجَزَآءِ. آپ دونوں کے خطوط سب کو باری باری مل رہے ہیں۔ اسی طرح ہوتا ہے۔ جب آدمی پہلی بار باہر نکلتا ہے تو گھر سے جدائی کے جذبات کا اظہار ان خطوط ہی کے ذریعے کرتا ہے۔ پھر جب کچھ عرصہ گزر جاتا ہے تو پھر جب جذبات متوازن ہو جاتے ہیں تو پھر خط لکھنے چھوٹ جاتے ہیں تو پھر ''گھر والیاں نوں انتظاراں ہوندیاں ہن جو بہوں ڈھاڑاں تھی گئیاں ہن کوئی خط نہ آیا۔'' بہت عرصہ ہوا فقیر نے ایک لاری پر سفر کیا۔ اُس پر شعر لکھا ہوا تھا:

واہ واہ وے ربا! تیرے کم چنگے ساڈیاں روزیاں دور کھلاریاں نی
اس روزی دی خاطر انسان پتہ نہ ہی کتھے کتھے تھڈے کھاندا ہے

سفر اور مسافری ایک عجیب چیز ہے۔ بہت سے تجربے ہوتے ہیں۔ عجیب عجیب واقعات پیش آتے ہیں۔ انسان کے سب سے زیادہ خیر خواہ اس کی اپنی قابلیت اور اس کے اچھے اخلاق اور عادات ہیں۔ جہاں بھی جاوے گا، اس کے کام، اس کی قابلیت اور اس کے اچھے اخلاق آگے کام آویں گے۔ اور سب سے بڑی دشمن انسان کی بری عادتیں ہیں۔ تمام دنیا ہمدردیاں کرنے والی ہو، لیکن اس کی بری عادتیں اس کو کہیں کا نہیں چھوڑتیں۔ اس لیے عزیزان من! اپنے میں قابلیت اور اچھی عادتیں پیدا کریں، جو ہر جگہ اور ہر وقت کام آنے والی چیزیں ہیں۔

فقیر کو پچھلے دو ہفتے تکلیف رہی اس لیے جواب میں تاخیر ہوئی۔ اب قدرے افاقہ ہے، لیکن نزلہ و کھانسی تو فقیر کے ساتھ لازم ہیں۔ یہاں کے حال احوال تو سب کے خطوط سے معلوم ہو جاتے ہوں گے؟

عزیز احمد نے گاڑی قسطوں پر بیچ دی ہے۔ اتنا عرصہ موٹر سائیکل پر سوار نہیں ہوتا تھا۔ ''علو والی''، ''دوآبہ'' اور ''پپلاں'' کی طرف سے مبارک اور وہ گئے، راستے میں کسی دوسرے موٹر سائیکل سے ٹکر ہوگئی۔ زخمی ہوگئے اور گھٹنوں اور کہنیوں پر خراشیں آئیں۔ ہڈی وغیرہ ٹوٹنے سے اللہ تعالیٰ نے بچالیا۔ چار روز سے بستر پر لیٹے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آئندہ فضل فرماوے اور حادثات سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

نئی گاڑی خریدنے کی مختلف تجویزیں ہیں۔ ابھی تک کوئی بات پک نہیں رہی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا، ہو جاوے گا۔ محمد قاسم سرگانہ کی شادی ۲۷، ۲۸/جنوری کو ہونا قرار پائی ہے۔ اس موقع (پر) محمد عارف صاحب، محمد حامد سلمہ اللہ تعالیٰ کی رسم منگنی تجویز کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ باعث برکت کرے۔ آمین۔

اپریل کے پہلے ہفتہ میں نور خان کی شادی پایۂ تکمیل کو پہنچے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ فوری ملازمت کا پڑھ کر سب گھر والوں کو مسرّت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آپ دونوں کو بہترین ملازمتوں سے مشرف فرماوے۔ اور اپنی حفاظت میں صحت و عافیت اور سلامتی کے ساتھ رکھے۔ اور عزت و آبرو اور جمعیت وسکون نصیب فرماوے۔ آمین۔ دو روز سے خلیل احمد بھی گھر آیا ہوا ہے۔ کل اس کو بخار ہوگیا۔ بخار ملیریا معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شفا عطا فرماوے۔ آمین۔

باقی سب گھر میں اور خانقاہ پاک میں ہر طرح عافیت ہے۔ سب چھوٹے بڑے راضی، خوشی اور صحت کے ساتھ ہیں... وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ. ملک منیر احمد کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور فرزند عطا فرمایا ہے۔ نام عبدالماجد رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ دونوں کو صلاح و فلاح سے مزیّن فرماوے۔ آمین۔

ملک محمد سلیم صاحب کے حالات سے کچھ خبر نہیں، نہ وہ گھر آئے اور نہ کسی کو خط لکھے۔ ملک محمد اکرم خیریت سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو صحت و عافیت اور سلامتی کے ساتھ رکھے۔ آمین۔ سب گھر والوں کی طرف سے آپ سب کو فرداً فرداً بہت بہت سلام و

دعوات۔ محمود اقبال صاحب کے لیے مضمون واحد۔

آپ سب کو تاکیداً تحریر ہے کہ نماز میں ہرگز ہرگز سستی اور کاہلی نہ کریں، اس کی پابندی بہت بہت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماوے۔ آمین۔ وظیفۂ سعدیہ کی اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ باعث برکت کرے۔ آمین۔ والسّلام

۲۲؍ربیع الاوّل ۱۴۰۳ھ ازخانقاہ سراجیہ

(۲)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے اعزی وارشدی محمد حامد سلمہ اللہ تعالیٰ مطالعہ کریں کہ فقیر نے آپ کے خط کے جواب میں تفصیلی خط لکھا تھا۔ آپ سب کے خطوط میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں کہ ملا ہے یا کہ نہیں؟ یہاں بفضلہٖ تعالیٰ ہم سب خیر و عافیت اور سلامتی کے ساتھ ہیں۔ اور سب خورد و کلاں راضی خوشی ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ. اور آپ سب کی صحت و عافیت اور سلامتی کے طالب ہیں۔ مولا پاک نصیب فرماوے۔ اور آپ سب کو بہترین ملازمتیں عطا فرماوے۔ اور آپس میں پیار و محبت اور اتفاق کے ساتھ رکھے۔ اور صلاح و فلاح سے مزیّن فرماوے۔ آمین۔

۲۶؍جنوری کو باگڑ میں آپ کی منگنی کی تقریب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے لیے باعث برکت کرے۔ آمین۔ صوفی محمد عبداللہ صاحب کا ۶، ۷؍فروری کی درمیانی شب کو اِنتقال ہو گیا۔ اور ہم لوگ اپنے ایک پرانے مخلص دعاگو رفیق کی رفاقت سے محروم ہو گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ. اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماوے۔ آمین۔

اٹامک انرجی کے باہر محمد عارف صاحب نے جو تین کوٹھیاں بنوائی تھیں وہ اور باقی سب آبادی جو کہ واپڈا گیٹ کے باہر تھی، حکومت نے زبردستی بلڈوزر چلا کر گرا دی ہے اور لوگوں کو اُٹھوا دیا ہے۔ وہ ملبہ اٹھا کر لا رہے ہیں، اس سے شاید آپ کے لیے دو کمرے تعمیر کروائیں۔ یہ گویا کہ شادی کی ابتدا ہو گی۔

آپ جب واپس آویں گے تو پھر اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ خوشی بھی نصیب فرماوے۔ آمین۔ بدھ ۲۳ر فروری کو سعید احمد اور نجیب احمد کا ختم قرآن پاک ہے۔اس خوشی کی آپ سب کو مبارک باد پیش ہے۔آپ تینوں ایسا پروگرام بنائیں جب کبھی اللہ تعالیٰ کو منظور ہو، تا کہ شادیاں اکٹھی ہو جاویں۔خلیل احمد کل (سے) گھر آیا ہوا ہے۔ جمعہ ۲۵ر فروری کو واپس ساہیوال جاوے گا۔انشاء اللہ تعالیٰ۔عزیز احمد، خلیل احمد...رشید احمد، سعید احمد، نجیب احمد اور اپنی پھوپھو کی طرف سے بہت بہت سلام و دعوات۔ والسّلام

۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ از خانقاہ سراجیہ

(۳)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے عزیز مکرم محمد حامد صاحب مطالعہ کریں کہ فقیر بفضلہٖ تعالیٰ بعافیت ہے۔ خانقاہ پاک میں ہر طرح عافیت ہے۔گھر میں سب راضی خوشی اور صحت و عافیت کے ساتھ ہیں۔وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ.

فقیر آپ سب کی صحت و عافیت اور سلامتی کا طالب ہے۔ مولا پاک نصیب فرماوے۔آپ سب کو آپس میں پیار و محبت اور اتفاق کے ساتھ رکھے۔اور صلاح و فلاح سے مزیّن فرماوے۔اور ہمیشہ اپنی حفاظت میں عزت و آبرو اور جمعیت و سکون کے ساتھ رکھے۔آمین۔

آپ سب پر لازمی ہے کہ نماز کی پابندی سب سے مقدم ہونی چاہیے۔فارغ وقت ٹی وی اور ریڈیو پر صَرف نہ ہو۔اچھا انسان اپنے اچھے اعمال ہی سے بنتا ہے۔اللہ تعالیٰ دارین کی اچھائیوں سے سرفراز فرماوے۔آمین۔

اس ہفتہ یہاں رونق رہی۔ باگڑ (سے) ایک ویگن باگڑ والوں کی بھر کر آئی۔تین چار روز خوب چہل پہل رہی۔آج ان کی واپسی ہوئی اور آپ کی والدہ ماجدہ بھی ان کے ہمراہ باگڑ تشریف لے گئی، تا کہ اپنی ہونے والی بہو سے مل آوے اور اپنے بیٹے کی جدائی

والے جذبات کو اِس طرح تسکین پہنچاوے۔

فقیر اِن دنوں بہت مصروف ہے۔ ایک دن گھر اور ہفتہ عشرہ سفر ہوتا ہے۔ آج بڑی مشکل سے یہ چند حروف لکھنے کا موقع ملا ہے۔ صبح ۶ رمئی کو پھر سفر کی تیاری ہے اور اس میں کم از کم ۱۵ر یوم لگ جاویں گے۔ ۲۷ر شعبان تک یہی سلسلہ جاری رہے گا۔ انشاء اللہ۔ آج خلیل احمد بھی اپنی سالانہ رخصتوں کی وجہ سے ملتان والی ''عطاء اللہ'' پر آ رہا ہے۔ اپنے مدرسہ میں بھی یکم شعبان کو چھٹیاں ہو جاویں گی۔ انشاء اللہ۔

اس (مرتبہ) بارشوں کی وجہ (سے) فصل کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ ہمارے رقبے ''نکیرہ'' میں تو بڑی سخت ژالہ باری ہوئی ہے اور ساری کھڑی فصل بالکل ختم ہوگئی ہے۔

فقیر کی طرف سے اور سب گھر والوں کی طرف سے آپ سب کو فرداً فرداً بہت بہت سلام و دعوات۔ عزیز القدر راشد میاں کو بہت بہت پیار، سعید، نجیب کی طرف سے بھی راشد میاں کو بہت بہت سلام۔ والسّلام

۲۲ر رجب ۱۴۰۳ھ ازخانقاہ سراجیہ

(۴)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے عزیز مکرم محمد حامد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ مطالعہ کریں کہ آپ کا خط ملا۔ حالات سے آگاہی ہوئی اور آپ سب کی خیریت و عافیت اور سلامتی کا پڑھ کر مسرّت اور جمعیت وسکون ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت میں خوشیوں اور مسرتوں کے ساتھ رکھے۔ اور بہترین ملازمتوں سے سرفراز فرماوے۔ اور صلاح وفلاح سے مزیّن فرماوے۔ اور ہر قسم کے مکروہات اور حادثات سے محفوظ و مصئون رکھے۔ آمین۔

نماز ہر حال میں پڑھنی لازمی ہے۔ وساوس کے ہجوم کے ساتھ نماز پڑھنا، اس کا بہت بڑا ثواب ہے۔ لہٰذا وساوس کی وجہ سے نماز نہ پڑھنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ بچاوے۔ اور نماز کا سختی (سے) پابند بناوے۔ آمین۔ تم سب کو نماز اور روزہ اور تراویح میں

بالکل کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اعمالِ صالحہ کا پابند بناوے۔ اور بُری عادتوں اور بُرے کاموں سے بچاوے۔ آمین۔

یہاں رمضان المبارک نہایت اطمینان سے گزر رہا ہے۔ پہلا عشرہ قاری عبدالرحیم صاحب نے سنایا۔ دوسرا عشرہ قاری فتح محمد صاحب سنا رہے ہیں۔ تیسرا عشرہ باگڑ والے قاری محمد عابد صاحب سناویں گے۔ انشاء اللہ۔

رشید احمد نے ہم سب کو مایوس کیا ہے۔ خیال تھا کہ چھوٹی تراویح میں قرآن پاک سناوے۔ لیکن ایسا نہ کرسکا۔ بس چند پارے سنائے گا۔ بیس سال عمر ہوگئی، ایک قرآن پاک نہ پڑھ سکا، جس کا کم از کم مجھے بڑا دُکھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ رحم فرماوے۔ آمین۔

گھر میں آپ کے والد صاحب اور والدہ صاحبہ اور دادی صاحبہ اور دونوں ہمشیرگان بالکل خیریت سے ہیں۔ آپ کی کمی کا احساس اثر انداز ہے اور یہ فطری بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی اور آپ سب کو بھی خیریت و عافیت اور سلامتی کے ساتھ رکھے۔ اور سب کو سب کی خوشیاں نصیب فرماوے۔ آمین۔ عزیز احمد، خلیل احمد، رشید احمد، نجیب احمد... امی جان سب کی طرف سے بہت بہت سلام و دعوات۔ والسّلام

۱۳ر رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ ازخانقاہ سراجیہ

(۵)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے عزیز مکرم محمد حامد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ مطالعہ فرماویں کہ آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ حالات وکوائف معلوم کر کے افسوس ہوا۔ اور آپ سب کی صحت و عافیت کا پڑھ کر خوشی ہوئی۔ مولا پاک آئندہ اور ہمیشہ آپ سب کو خیریت و عافیت اور سلامتی کے ساتھ رکھے۔ اور سب کو صلاح و فلاح سے مزیّن فرماوے۔ اور مستقل باعزت ملازمت کا سبب ازغیب پیدا فرما کر بہترین ملازمت نصیب فرماوے۔ اور ہمیشہ اپنی حفاظت میں عزت و آبرو اور جمعیت و سکون کے ساتھ رکھے۔

آپ نماز پابندی سے پڑھا کریں اور ہر نماز کے بعد جو تسبیحات پڑھی جاتی ہیں، ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمدللہ، ۳۴ بار اللہ اکبر اور ایک بار کلمہ شہادت، اس کے بعد ۳۳ بار ''یَارَبِّ'' پڑھ کر پھر اپنے مقصد کے لیے دعا کیا کریں۔ اس پر پابندی کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ فائدہ ہوگا۔

یہاں بفضلہٖ تعالیٰ عافیت ہے۔ گھر میں سب راضی، خوشی اور صحت (سے) ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِکَ. سب گھروں میں خیریت ہے...اپنے امتحانوں میں کامیاب ہوگئی ہیں۔...اپنی کلاس میں اوّل آئی ہے۔ آپ کے ابو اور اماں بھی بالکل خیریت سے ہیں۔ ۲۹/ مارچ کو دو تین روز کے لیے یہ سب پنڈی گئے تھے، بعافیت واپس آ گئے ہیں۔ البتہ آپ کی پھوپھی صاحبہ، سعید احمد کی والدہ کو آج کل تکلیف زیادہ ہے۔ ان دردوں والی تکلیف کے ساتھ ساتھ بخار بھی شروع ہو گیا ہے۔ علاج جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ فائدہ مند کرے۔ آمین۔

فقیر آج کل بہت مصروف ہے۔ قادیانیت کے مسئلہ نے سارے ملک کو پریشان کر رکھا ہے۔ فقیر کل ۱۲/ اپریل کو لاہور، کوئٹہ، کراچی، حیدر آباد کے لیے روانہ ہو رہا ہے۔ ایک ہفتہ کا یہ سفر ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ فقیر کی طرف سے جناب محمد زاہد صاحب، ملک محمد نعیم صاحب، ملک محمد اقبال صاحب...عزیزی راشد میاں سب کو بہت بہت سلام ودعوات۔

والسّلام

۸/ رجب المرجب ۱۴۰۴ھ　　　　از خانقاہ سراجیہ

مکتوب بنام محمود اقبال

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے مکرم ملک محمود اقبال صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ مطالعہ کریں کہ آپ کا خط ملا۔ ملازمت ملنے کا پڑھ کر از حد خوشی ہوئی۔ مولا پاک مبارک کرے۔ اور آپ سب کو صحت

وعافیت اور سلامتی کے ساتھ رکھے۔ اور آپس میں پیار و محبت اور اتفاق کے ساتھ رکھے۔ اور صلاح وفلاح سے مزیّن فرماوے۔ اور ہر قسم کے مکروہات وحادثات سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

ملازمت کے سلسلے میں اس کا خیال رہے کہ جو ملازمت مستقل اور لمبے عرصے کے لیے ہو، اگر چہ تنخواہ کچھ کم ہو، اس کو ترجیح دینی چاہیے۔ جو کوائف اس ملازمت کے آپ نے لکھے ہیں یہ بھی اُسی قسم کی معلوم ہوتی ہے۔ بہتر سے بہتر کی تلاش میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ ہر جگہ اپنی قابلیت کام آتی ہے۔ آپ اپنا کام وقت اور محنت کے ساتھ کریں گے تو اس کی قدر و قیمت ہوگی۔ اس کے علاوہ اپنے نفع ونقصان کی تمیز بھی لازمی ہے۔

ملازمت مل جانے کے بعد کھلونوں پر روپیہ ضائع نہ کریں، یہاں سے فرمائشات کی بھی کوئی حد نہیں رہے گی۔ آپ نے اپنی دنیا خود ہی بنانی ہے اور زندگی کے جملہ لوازمات خود فراہم کرنے ہیں۔ حالات ہمیشہ ایک طریقے کے نہیں رہتے۔ انسان جب اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتا ہے تو اس کی قدر و قیمت بھی ہوتی ہے۔ ورنہ ہر کوئی نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نفع ونقصان اور اپنے خیر خواہوں اور بدخواہوں میں تمیز عطا فرماوے۔ آمین۔

۷ر فروری کو صوفی محمد عبداللہ صاحب کا اِنتقال ہو گیا ہے۔ اور ہم لوگ اپنے ایک پرانے مخلص دعا گو رفیق سے محروم ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ. اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماوے۔ آمین۔

...کو باگڑ سے واپسی کے بعد بخار ہوا، اور خسرہ نکلا۔ اب اگر چہ آرام ہے، لیکن طبیعت چڑ چڑی ہوگئی ہے اور اکثر اوقات روتی رہتی ہے۔ تمہاری والدہ کا علاج حکیم محمد رفیق صاحب میانوالی سے شروع ہے۔ پہلے دو ہفتے منزج ہوا، پھر دو جلاب دیے۔ اب ایک معجون عرق کے ساتھ صبح نہار منہ لینا پڑتا ہے۔ یہی علاج جاری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ فائدہ مند کرے۔ آمین۔

عزیز احمد، خلیل احمد نے محمد خان خاکوانی سے موٹر کا سودا کیا ہے۔ مزدا ۷۶، ۷۷ ماڈل ہے۔ ۱۸۰۰ سی سی ہے۔ ۷۰ ہزار روپیہ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فائدہ مند کرے۔ آمین۔

بدھ ۲۳؍فروری کو سعید احمد، نجیب احمد کا ختم قرآن پاک ہے۔ خلیل احمد اِسی سلسلے میں گھر آیا ہوا ہے، اچھا خاص اہتمام کیا جا رہا ہے۔ آپ کو بھی اس کی مبارک ہو۔ محمد قاسم صاحب کو فقیر کی طرف سے بہت بہت سلام و دعوات۔ اس کی ہمشیرہ صاحبہ خیریت سے ہیں۔ قاری عبدالرحیم صاحب نے اپنی ہمشیرہ صاحبہ، جو کہ مولوی شیر محمد صاحب کی بیوہ ہے، کے ساتھ حج کی درخواست دی ہے۔ اپریل میں قرعہ اندازی ہوگی۔ محمد خان، محمد عارف صاحب کے ٹریکٹر پر کام کرتا ہے اور خیریت سے ہے۔

آپ سب کو یہ ہدایت ہے کہ نماز میں ہرگز ہرگز سستی نہ ہو۔ آپ لوگ نماز کی پابندی کریں گے تو بہت سی آفات سے بچے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماوے۔ آمین۔

ہم سب بفضلہٖ تعالیٰ بعافیت ہیں۔ گھر میں بھی سب راضی خوشی اور صحت و عافیت کے ساتھ ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ. آپ (کو) والدہ صاحبہ، عزیز احمد، خلیل احمد، رشید احمد... سعید احمد، نجیب احمد، بشیر احمد... سب کی طرف سے بہت بہت سلام و دعوات۔ اور ہر طرح عافیت ہے۔

والسّلام

۸؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ

از خانقاہ سراجیہ

مکتوب بنام ملک محمد نعیم

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے محترم و مکرم ملک محمد نعیم صاحب مطالعہ کریں کہ آپ کا رجسٹری گرامی نامہ موصول ہوا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ ایک ہزار روپے کا ڈرافٹ بھی مل گیا تھا۔ وہ ہزار روپیہ جنابہ ہمشیرہ صاحبہ آپ کی والدہ کو دے دیا تھا۔ وہ اگر مناسب سمجھیں تو پانچ سو روپے... کو دے دیں۔ اب معلوم نہیں کیا کہ انہوں نے دیا یا نہیں دیا؟

گھر میں سب خیریت ہے۔ ملک محمد منیر صاحب اور اُن کے دونوں بچے بیوی خیریت سے ہیں۔ ملک محمد اکرم صاحب مظفر آباد کالونی میں بدستور ہیں اور خیریت سے

ہیں۔ ملک محمد سلیم صاحب مظفر آباد آزاد کشمیر میں ہیں۔ سسرال سے صلح ابھی تک نہیں کی۔ اکیلے کس طرح وقت گزار رہے ہیں، کم از کم اس فقیر کو تو کوئی پتہ نہیں؟ حج سے واپسی کے بعد صرف ایک دفعہ ملاقات، وہ معمولی طور پر ہوئی۔ فقیر کے پوچھنے پر کچھ نہیں بتایا۔ آپ کی والدہ صاحبہ بھی بالکل خاموش ہیں۔ انہوں نے بھی کبھی کوئی بات نہیں کی۔ حالانکہ والدہ کو تو ایسے کاموں میں بہت فکر ہوتا ہے۔ چھوٹے بچے کی کوئی فکر ہونی چاہیے تھی۔ بہر حال اس معاملے میں کیا سوچ رکھا ہے، کچھ معلوم نہیں؟ اللہ تعالیٰ بہتری کرے۔ آمین۔

۱۱ر جون کو رمضان المبارک سے صرف دو دِن پہلے عزیزم خلیل احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کی منگنی کی گئی، اس کی مبارک باد قبول کریں۔ آپ سب اکٹھے تیاری کر کے آئیں، جب آنے کا پروگرام بنے، تا کہ اکٹھا سب کا مسئلہ حل کیا جاوے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کی خوشیاں نصیب فرماوے۔ آمین۔ فقیر بفضلہٖ تعالیٰ بعافیت ہے۔ گھر میں بھی سب راضی خوشی اور صحت کے ساتھ ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ. ہم سب آپ سب کی صحت و عافیت اور سلامتی کے طالب ہیں۔ مولا پاک نصیب فرماوے۔ آمین۔ سب گھر والوں کی طرف سے بہت بہت سلام و دعوات۔

والسّلام

۱۳ر رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ

از خانقاہ سراجیہ

مکتوب بنام حافظ محمد زاہد

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے مکرم و محترم جناب حافظ محمد زاہد صاحب مطالعہ فرماویں کہ آپ کا گرامی نامہ چار دسمبر کا لکھا ہوا یہاں یکم جنوری کو موصول ہوا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ دوسرے روز محمد عارف کو چیک دے دیا۔ اور وہ بیس ہزار روپے کا ڈرافٹ بنا کر مطلوبہ آدمی کے نام رجسٹری کر آئے ہیں۔ اطمینان فرماویں۔ محمد عارف صاحب نے بھی شاید اطلاع دی ہوگی۔ معلوم نہیں اس دفعہ ڈاک میں کیا گڑ بڑ ہے، بڑی دیر سے خطوط مل رہے ہیں۔

یہاں بفضلہٖ تعالیٰ ہر طرح سے عافیت ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ. ہم سب آپ سب کی صحت و عافیت اور سلامتی کے طالب ہیں۔ مولا پاک نصیب فرماوے۔ اور ہمیشہ اپنی حفاظت میں عزت وآبرو اور جمعیت وسکون کے ساتھ رکھے۔ آمین۔

عزیزان محمد حامد اور محمود اقبال کے متعلق آپ نے جو محنت فرمائی اس کا بہت بہت شکریہ۔ جَزَاکَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنَّا اَحْسَنَ الْجَزَآءِ. اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کے بخت و مقدر بہتر کرے۔ اور بہترین ملازمتوں سے سرفراز فرماوے۔ آمین۔ محمد حامد کی ملازمت سے سب کو بہت خوشی ہوئی۔ آئندہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شاملِ حال ہووے۔ آمین۔

راشد میاں تو بہت خوش ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کو دارین کی خوشیاں اور سعادتیں نصیب فرماوے۔ آمین۔ ہم سب کی طرف سے عزیزہ... راشد میاں سلمہ اللہ تعالیٰ اور ملک محمد نعیم صاحب کو بہت بہت سلام ودعوات۔ محمد قاسم آیا کرے تو اُس کو بھی بہت بہت سلام۔

والسّلام

۲۲/ربیع الاوّل ۱۴۰۳ھ

از خانقاہ سراجیہ

خانوادۂ حضرتِ اعلیٰؒ سے وابستگی

ہمارے گھرانے سے باباجیؒ کا تعلق، محبت، اپنائیت، خلوص اور پیار کا رشتہ سب سے منفرد تھا۔ میرے جدّ امجد مولانا ابوالسعد احمد خانؒ نے اپنی سب سے چھوٹی بیٹی خدیجہؒ بی بی کا عقد باباجیؒ سے کیا۔ زندگی بھر انہوں نے خاندان اور لنگر پر جان نچھاور کی۔ ان سے اللہ کریم نے دو بیٹیاں کلثوم بی بیؒ اور میمونہ بی بیؒ اور چار بیٹے محمد صادق، عزیز احمد، خلیل احمد اور رشید احمد عطا کیے۔ میمونہ بی بی اور محمد صادق سب بچوں سے بڑے تھے۔ دونوں بچپن ہی میں وفات پا گئے۔ ان کی قبور خانقاہ سراجیہ کے قبرستان میں ہیں۔ ان کے انتقال کے بعد میرے والد صاحب (صاحبزادہ محمد عارفؒ، جو حضرتِ اعلیٰؒ کے پوتے ہیں) نے اپنی ہمشیر حمیدہ بی بی کا باباجیؒ سے عقد کر دیا۔ انہوں نے بھی لنگر کا انتظام عمدگی سے چلایا۔ خاندانی رشتوں کا احترام اور ان کی اہمیت مقدم رکھی۔ ان سے ربِ کریم نے سعید احمد اور نجیب احمد عطا کیے۔

راقم کے والد صاحبؒ اور خانقاہ کے انتظامی اُمور

جب تک میرے والد حیات رہے، باباجیؒ خانقاہ سراجیہ کے تمام انتظامی امور اُن کی مشاورت سے طے فرماتے۔ شفقت کی یہ انتہا کہ کبھی میرے والد محترمؒ کو گھر بلا کر کوئی مشورہ نہ کیا، بلکہ ہمیشہ خود تشریف لاتے اور تمام امور پر بات فرماتے۔ والد صاحب عالم باعمل تھے۔ زندگی سادگی، درویشی اور خاموشی کے ساتھ گزاری۔ خانقاہ کے انتظامی امور پر کڑی نگاہ رکھتے۔ کسی بھی مشکوک شخص کو خانقاہ میں برداشت نہ کرتے۔ ان کی نظر رہتی کہ کون کہاں سے آیا ہے اور اس نے کتنے دن قیام کرنا ہے؟ آنے کا مقصد کیا ہے؟ کیا وہ سلوک کی منازل طے کرنے آیا ہے یا وہ صرف وقت گزارنا چاہتا ہے۔ کوئی اجنبی خانقاہ کی حدود سے

گزرتا تو آپ اس کا تعارف پوچھتے۔ رات کو خانقاہ کی حویلی کے تمام دروازے خود چیک کرتے۔ بابا جیؒ کے گھر اور لنگر کے دروازے کا تالا دیکھ بھال کے پھر سوتے۔ آپ کی اس خوبی کی وجہ سے بابا جیؒ کو ہمیشہ اطمینان رہتا۔

بابا جیؒ کا والد صاحبؒ سے انجکشن لگوانا

والد صاحب کو اللہ نے مریضوں کی دیکھ بھال اور خبر گیری کا وصف عطا کیا تھا۔ علاقے کے باسیوں اور رشتہ داروں کے علاج اور تیمارداری میں کوئی کسر نہ چھوڑتے تھے۔ اس دور میں علاج کی سہولیات میسر نہیں تھیں۔ ابو کی الماری میں نیلے گتے کی ایک ڈبیا تھی جس میں شیشے کی سرنج اور انجکشن لگانے کی سوئیاں رکھی ہوتیں۔ آپ کے ہاتھ میں ایسی تاثیر تھی کہ انجکشن کی سوئی چبھنے کا احساس تک نہیں ہوتا تھا۔ بابا جیؒ کو دورانِ علالت انجکشن لگوانا پسند نہیں تھا۔ لیکن جب ناگزیر ہو جاتا تو فرماتے، ''محمد عارف صاحب کو بلائیں، مجھے ان کے سوا کسی اور سے انجکشن نہیں لگوانا۔'' جب تک والد صاحب زندہ رہے بابا جیؒ ان کے علاوہ کسی سے انجکشن نہیں لگواتے تھے۔

بابا جیؒ اور ریڈیو پر بی بی سی کی خبریں

والد صاحب گھر کے سودا سلف اور دیگر کاموں کے لیے تقریباً روزانہ کندیاں جایا کرتے، واپسی پر اخبار ضرور لاتے۔ یہ ایوب خان اور فاطمہ جناح کے الیکشن کا زمانہ تھا۔ والد صاحب روزانہ رات کا کھانا کھا کر اخبار اور ریڈیو لے کر بابا جی کی خدمت میں جایا کرتے۔ پہلے وہ بابا جیؒ کو اخبار پڑھ کر سناتے اور پھر کچھ دیر بعد بی بی سی لندن کی خبروں کا وقت ہو جاتا۔ بابا جیؒ اطمینان سے خبریں سنتے۔ حالاتِ حاضرہ کے پروگرام ''سیر بین'' کا کچھ حصہ سن کر آپ وضو فرماتے۔ پھر عشاء کی نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔

راقم کے والد صاحبؒ کا انتقال اور بابا جیؒ کی بے چینی

۱۱؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ/ ۲۶؍ مارچ ۱۹۹۱ء سرگودھا جاتے ہوئے قائد آباد کے قریب والد صاحب کا ایکسیڈنٹ ہوا۔ وہ اکیلے اپنی کار میں سفر کر رہے تھے۔ جب خانقاہ

شریف حادثے کی خبر پہنچی تو کہرام مچ گیا۔ بابا جیؒ آرام فرما رہے تھے۔ جیسے ہی ان کو خبر دی گئی آپؒ بے چینی میں اٹھے، بنیان میں ننگے پاؤں گیٹ پر تشریف لائے اور پوچھا کہ محمد عارف صاحب کی کیا خبر ہے؟ عرض کیا گیا، لالہ عزیز احمد، خلیل احمد، محمود اقبال سب قائد آباد روانہ ہوگئے ہیں۔ بابا جی نے پوچھا کہ کیا محمد زاہد صاحب ساتھ گئے ہیں؟ عرض کیا کہ وہ ابھی روانہ ہو رہے ہیں۔ والد صاحب کو نشتر ہسپتال ملتان لے جایا گیا۔ لیکن زخموں سے زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے وہ جانبر نہ ہوسکے اور ۱۲/ رمضان المبارک کی صبح، جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ مغرب کے بعد اُن کا جنازہ بابا جیؒ نے پڑھایا۔ رات کو جب گھر تشریف لائے تو فرمایا کہ "عزیز احمد خیال رکھنا محمد عارف صاحب کے گھر چولہا نہ جلے۔ مہمانوں کو ہم نے سنبھالنا ہے۔" عید کے تین دن بعد تک، مسلسل اکیس دن سحری و افطاری اور رات کا کھانا بابا جیؒ کے گھر سے آتا رہا۔ تعزیت کرنے والوں کا تانتا بندھا رہا۔ سبحان اللہ! بابا جیؒ کو نسبتوں، رشتوں کے احترام اور صلہ رحمی کا کتنا خیال تھا۔ آپؒ کے ہر ہر عمل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے کریمانہ اخلاق کی جھلک نظر آتی ہے۔

بابا جیؒ میرے والدؒ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ اسفار کے دوران والد صاحب سے رابطے میں رہتے اور باقاعدہ خط لکھ کر تمام امور پر نگاہ رکھنے کا فرماتے۔ ذیل میں بابا جیؒ کے چند مکتوبات درج کیے جاتے ہیں جو انہوں نے والدِ محترم کو لکھے تھے۔

مکتوبات بنام صاحبزادہ محمد عارفؒ

(۱)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر خان محمد عفی عنہ کی طرف سے عزیز مکرم صاحبزادہ محمد عارف صاحب مطالعہ فرماویں کہ ہم سب بفضلہٖ تعالیٰ بخیر و عافیت ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ. والمسول من اللہ تعالیٰ سلامتکم وعافیتکم علیٰ جادۃ الشرعۃ والسنۃ المصطفویۃ علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والتسلیم. آمین. ہم سب آپ کی طرف سے غافل نہیں ہیں۔ اور دعائیں جاری ہیں۔

اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اثرِ قبولیت ظاہر فرماوے۔ آمین۔ آپ فصلات وغیرہ کی کٹائی وغیرہ میں مصروف ہوں گے۔ اس طرح محمد افضل صاحب بھی مصروف ہوں گے۔ اس لیے یاد نہیں کیا۔ پندرہ ذوالحجہ تک مدینہ منورہ جانا ہو سکے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں کے سب ساتھی سب کو سلام مسنون کہتے ہیں۔ والسّلام

۲؍ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ/ ۲۶؍اپریل ۱۹۶۳ء — ازمکہ مکرمہ

(۲)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر خان محمد عفی عنہ کی طرف سے عزیز مکرم صاحبزادہ محمد عارف صاحب مطالعہ فرماویں کہ ہم سب بخیر و عافیت یہاں پہنچ آئے ہیں۔ اور یہاں ہر طرح عافیت ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ.

فقیر آپ سب کی خیریت و عافیت اور سلامتی کا طالب ہے۔ مولا پاک نصیب فرماوے۔ اور ہمیشہ اپنی حفاظت میں عزت و آبرو اور جمعیت و سکون کے ساتھ رکھے۔ آمین۔

کل مہر محمد صاحب کا خط ملا، جس سے معلوم ہوا کہ بجلی کے بل آ گئے ہیں۔ لہٰذا اس کے متعلق گزارش ہے کہ مہربانی فرما کر وہ بل ادا کر دیں۔ اور روپے کی تفصیل فقیر کو بھیج دیں۔ ممکن ہو سکا تو یہاں سے روپے بھیج دیے جاویں گے۔ ورنہ خانقاہ پاک پہنچنے کے بعد ادا کر دیے جاویں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ امید ہے کہ آپ اس سلسلہ میں تساہل سے کام نہیں لیں گے۔ علاوہ ازیں اور بھی ہر طرح کا خیال رکھیں گے۔ یہاں سب کی طرف سے آپ سب کو بہت بہت سلام۔ حامد اور میمونہ کو پیار و دیدہ بوسی۔ والسّلام

۲۵؍ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ — ازمانسہرہ

(۳)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر خان محمد عفی عنہ کی طرف سے عزیز مکرم صاحبزادہ محمد عارف صاحب مطالعہ فرماویں کہ آپ کا گرامی نامہ

موصول ہوا۔ حالات سے اطلاع دے کر احسان فرمایا۔ جَزَاکَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنَّا خَیْرَ الْجَزَآءِ۔ ہم سب بفضلہٖ تعالیٰ بعافیت ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ. ہم سب آپ سب کی خیریت و عافیت اور سلامتی کے طالب ہیں۔ مولا پاک نصیب فرماوے۔ اور ہمیشہ اپنی حفاظت میں عزت و آبرو اور جمعیت و سکون کے ساتھ رکھے۔ آمین۔

یہاں بارشوں کا سلسلہ ابھی تک نہیں ہوا۔ معمولی بونداباندی دو تین دفعہ ہوئی ہے، جس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔ یہاں والوں کے نزدیک، یہاں گرمی اِس سال زیادہ ہے۔ ہمارے نزدیک تو اوران بہشت است والا معاملہ ہے۔

ہم سب کی طرف سے سب کو فرداً فرداً درجہ بدرجہ سلام مسنون اور بچوں کو دعوات۔

والسّلام

۲ / جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ　　　　از مانسہرہ

راقم کی والدہ پر بابا جیؒ کی شفقت

میری والدہ ماجدہؒ بھی بابا جیؒ کی خدمت میں بلاناغہ جایا کرتی تھیں۔ اکثر جو خواب دیکھتیں وہ بابا جیؒ کی خدمت میں جا کر سنا دیا کرتی تھیں۔ آپؒ فرماتے کہ بی بی! اللہ یہ خواب مبارک کرے۔

ایک بار بابا جیؒ کے ساتھ ہم عمرہ پر گئے۔ والدہ ماجدہؒ، پھپھو (والدہ سعید احمد)، میری اہلیہ، بی بی کلثوم، برادرم عابدؒ اور برادرم خلیل احمد شریکِ سفر تھے۔ حرمین کے سفر کے دوران بابا جیؒ کا یہ معمول رہا کہ آپ پہلے مدینہ پاک حاضری دیتے پھر مکہ واپس لوٹ کر عمرہ ادا فرماتے۔ عبادات کے باوجود عشاء کی نماز کے بعد آپ خواتین کے کمرے میں سب کو مکمل وقت دیتے۔ باتیں کرتے، گھل مل جاتے۔ ایک رات ہم سب بیٹھے تھے۔ میری امی کا نام لے کر فرمایا کہ عمرے پر ہم سب سے زیادہ عبادت رضیہ بی بی نے کی ہے۔

مکتوب بنام ماموں سلیم

ماموں سلیم کے نام ایک مکتوب میں آپؒ نے میری والدہ کو جن الفاظ میں یاد رکھا ہے

وہ گنجِ گراں مایہ سے کم نہیں۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوةِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر خان محمد عفی عنہ کی طرف سے اعزی وارشدی محمد سلیم سلمہ اللہ تعالیٰ مطالعہ کریں کہ آپ کا کامیابی کا مژدہ لیے خط ملا تھا، جس سے ازحد مسرّت وخوشی ہوئی تھی۔ دعا ہے کہ مولا پاک آئندہ بھی اپنے انعامات سے مشرف فرماوے۔ اور دارین کی راحتوں اور مسرتوں اور کامیابیوں سے ہمکنار کرے۔ اور والدین کی حقیقی مسرتوں کی آماجگاہ بناوے۔ آمین۔

فقیر ۱۹ر جولائی کی شام کو باگڑ پہنچا ہے۔ ۲۸ر جولائی کی صبح کو انشاء اللہ تعالیٰ واپس خانقاہ پاک پہنچ جاوے گا۔ عزیزہ رضیہ سلمہا اللہ تعالیٰ کے دو خط فقیر کو ملے تھے۔ عزیزہ کی یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ۔ جَزَاکَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنَّا خَیْرَ الْجَزَآءِ. فقیر کو تو وہ بہت پیاری ہے۔ اور فقیر اُس کے لیے بہت دعائیں کرتا ہے۔

فقیر کی طرف سے والدین کی خدمت میں سلام عرض کریں۔ اور باقی جملہ عزیزاں کو دعوات و پیار۔

والسّلام

۱۸ر صفر ۱۳۸۲ھ

از باگڑ سرگانہ

مکتوب بنام ماموں اکرم

مکتوبات کی تلاش میں سرگرداں تھا کہ باباجیؒ کا ایک نایاب مکتوب ماموں اکرم کے نام بھی دستیاب ہوگیا۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوةِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر خان محمد عفی عنہ کی طرف سے عزیزی محمد اکرم خاں سلمک اللہ تعالیٰ مطالعہ کریں کہ آپ کا خط ملا۔ اور بعد میں آپ کا سفارشی خط عزیزہ رضیہ کا بھی پہنچا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ آپ سب آپس کی نوک جھونک سے بالکل نہ گھبرائیں۔ یہ باتیں تو بھائیوں میں ہوتی رہتی ہیں۔ خوب لڑا جھگڑا کریں۔ اور بعد میں آپس میں لڑائی سے زیادہ پیار و محبت بھی کیا کریں۔ یہ لڑائی بھی آپس میں محبت کی علامت ہے۔ گھر میں اگر ایسی باتیں نہ ہوں تو وہ پھر انسانوں کا گھر نہیں ہوگا،

بلکہ فرشتوں کا گھر بن جاوے گا۔ فقیر کے پاس ایسا کوئی تعویذ نہیں ہے جو آپ سب کو اِنسانیت سے نکال کر فرشتہ بنا دے۔

یہاں بفضلہٖ تعالیٰ ہر طرح عافیت ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِکَ. آپ کی ماسی کو بھی اب آرام ہے۔ مولا پاک آئندہ بھی فضل فرماوے۔ آمین۔

فقیر آپ سب کی خیریت و عافیت اور سلامتی کا طالب ہے۔ مولا پاک نصیب فرماوے۔ اور سب کو اپنی حفاظت میں جمیع مکروہات سے بچاوے۔ اور اپنی تعلیم میں محنت و شوق سے مصروف رکھے۔ اور دنیا و آخرت کی سعادتوں سے سرفراز فرماوے۔ آمین۔

مولوی عطا محمد صاحب کا لڑکا پیدا ہوا تھا۔ بچارہ دس روز دنیا کی زندگی گزار کر والدین کے لیے شفاعت کا ذخیرہ بن گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اِس کا نعم البدل عطا فرماوے۔ آمین۔

فقیر کی طرف سے والدہ صاحبہ کو بہت بہت سلام۔ اور جملہ بہن بھائیوں کو دعوات و دیدہ بوسی، عزیز حامد اور اسماء کو مزید پیار۔

اُس عورت کے لیے تعویذ اَرسال ہے۔ والسّلام

۲۲رذی الحجہ ۱۳۸۳ھ از خانقاہ سراجیہ

مکتوب بنام والدہ محمد حامد سراج

ان نایاب خطوط کو کھوجتے ہوئے مجھے والدہ ماجدہؒ کے ٹرنک سے بابا جیؒ کا ایک خط ملا جو میں نے برسوں سے سنبھال رکھا تھا۔ امی کے نام وہ اپنی نوعیت کا منفرد خط ہے جس سے روح اور ایمان کو کمال تازگی میسر آتی ہے۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر خان محمد عفی عنہ کی طرف سے عزیزہ رضیہ سلمہا اللہ تعالیٰ کریں کہ آپ کا خط فقیر کو خانقاہ پاک سے روانگی کے وقت موصول ہوا۔ فقیر ۲۳ر جولائی کو لاہور پہنچا ہے۔ لاہور سے گوجرانوالہ، راولپنڈی کا قصد ہے۔ ہفتہ عشرہ لگ تک خانقاہ پاک واپسی ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

پاؤں پر زخم کا معلوم کر کے افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ شفائے کاملہ عطا فرماوے۔ اور اپنی رضامندی کے ماتحت پُرمسرّت زندگی گزارنے کے مواقع نصیب فرماوے۔ آمین۔ دنیا خود فانی ہے۔ اور اِس کی سب رونقیں بھی آنی جانی اور فانی ہیں۔ انسانیت اِسی میں ہے کہ ان عارضی رونقوں میں دل نہ لگائے۔ اور اپنے مولائے حقیقی سے غافل نہ ہو جائے۔

ظفرؔ اُسے آدمی نہ جانئے گا خواہ کتنا ہی ہو صاحبِ فہم و ذکا

جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی اور طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

اِس دنیا میں آنے کا واحد مقصود اللہ جل شانہٗ کی رضامندی حاصل کرنا ہے۔ اگر اپنے اس مقصد میں کامیاب ہے تو پھر دنیا کی سب چیزیں اُس کے لیے راحت کا سامان ہیں۔ اور اگر خدانخواستہ انسان اپنے اس مقصدِ اصلی سے بالکل غافل ہے تو دنیا کی سب چیزیں، آسائشیں اور رونقیں اُس کے لیے وبالِ جان ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرماوے اور دنیا و آخرت کی سعادتوں سے سرفراز فرماوے۔ آمین۔

عزیزہ کلثوم فاطمہ کی خیریت و عافیت سے اطلاع دے کر احسان کیا۔ **جَزَاکَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنَّا خَیْرَ الْجَزَآءِ.** عرب لوگ اولاد کے متعلق کہتے ہیں کہ اولاد جگر کے ٹکڑے ہیں جو زمین پر چل پھر رہے ہیں۔ کلثوم فاطمہ تو میرا سب سے بڑا جگر کا ٹکڑا ہے۔ فقیر جب روانہ ہوا تھا تو خانقاہ پاک میں ہر طرح عافیت تھی۔ سب خورد و کلاں بعافیت تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ سب کو اپنی حفاظت میں عافیت و سلامتی اور صحت کے ساتھ رکھے۔ آمین۔

فقیر کی طرف سے والدین بزرگوارین کی خدمت میں سلام مسنون عرض کریں۔ اور حامد و اسماء و دیگر جمیع عزیزوں کو دعوات و دیدہ بوسی۔

والسّلام

۱۵ر ربیع الاوّل ۱۳۸۴ھ

از لاہور

مکہ اور مدینہ میں خریداری کی تاکید

مکہ مکرمہ میں ہماری آخری رات تھی۔ میں اہلیہ کے ساتھ خریداری کر کے لوٹا۔ کیونکہ

بابا جی نے فرمایا تھا کہ مکہ اور مدینہ سے خریداری ضرور کیا کریں۔ اور مدینہ شریف کے قیام کے دوران تو تاکیداً فرمایا کہ بھئی یہ مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، یہاں سے خریداری ضرور کرنا ہے۔

راقم کی مدینہ میں چالیس نمازیں

مجھے ایک اور بات یاد آ رہی ہے۔ جب ہم مدینہ شریف پہنچے تو ٹیکسی نے ہمیں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اتارا۔ میں وہ کیف آج تک نہیں بھولا جو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی نگاہ کے دوران نصیب ہوا۔ ہم سامان اتار کر سڑک کے کنارے کھڑے تھے۔ غالباً صبح نو بجے کا وقت تھا۔ لالہ عابدؒ اور لالہ خلیل احمد ہوٹل کی تلاش میں نکلے۔ تھوڑی دیر میں لالہ عابدؒ لوٹ آئے اور ہمیں ساتھ لے کر ایک ہوٹل کے استقبالیہ میں لے گئے۔ وہاں صوفے رکھے تھے۔ کہا کہ آپ سب یہاں آرام کریں، ہم ہوٹل میں کمرہ تلاش کر لیں۔ ساتھ ہی بابا جیؒ کو بتایا کہ واپسی کی سیٹیں فلاں تاریخ کی کنفرم ہو گئی ہیں۔ میں بابا جیؒ کے ساتھ صوفے پر بیٹھا تھا۔ انگلیوں پر شمار کیا تو چھ دن مدینہ کا قیام بنتا تھا۔ دل میں درد کی لہر اُٹھی کہ چالیس نمازوں کا کیا ہو گا؟ اچانک بابا جیؒ نے میرے گھٹنے پر ہاتھ رکھا، زور سے دبایا اور کہا کہ بھئی فکر نہیں کرنا، تم نے ابھی زندگی میں مدینہ شریف اور مکہ میں بہت سی نمازیں پڑھنی ہیں۔ میرے دل کو قرار آ گیا۔ اور جب چند سال بعد میں حج کے لیے گیا تو مجھے بابا جیؒ کے الفاظ یاد آئے، ''بھئی فکر نہیں کرنا، تم نے ابھی زندگی میں مدینہ شریف اور مکہ میں بہت سی نمازیں پڑھنی ہیں۔'' حج کے دوران جس دن ہم مکہ سے مدینہ گئے، بس طلوع آفتاب سے پندرہ منٹ پہلے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکی۔ فلیٹ قریب تھے۔ میں نے گھڑی دیکھی اور سیدھا مسجد میں داخل ہوا کہ صبح کی نماز کے سجدے نصیب ہو جائیں۔

وقت کے قطب

ایک دن عصر کی نماز کے بعد بابا جیؒ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں سلام عرض کرنے جا رہے تھے۔ میں چند قدم پیچھے تھا۔ ایک اجنبی شخص آپ سے پُر جوش عقیدت سے

ملا۔ جس ستون کے پاس میں کھڑا تھا وہاں دو آدمی کھڑے تھے۔ پہلے نے دوسرے سے کہا کہ تم ان بزرگوں کو جانتے ہو؟ دوسرے نے کہا کہ نہیں جانتا۔ جس پر پہلے شخص نے کہا کہ روئے زمین پر اِس وقت ان کا ثانی نہیں ہے۔ زیارت کرلو۔ آپ اپنے وقت کے قطب ہیں۔ آپ کا اسم گرامی حضرت خواجہ خان محمدؒ ہے، خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف سے آپ کا تعلق ہے۔

دورانِ طواف مولانا اسعد مدنی سے ملاقات

عمرہ کے دوران دیکھا کہ بابا جیؒ حرم پاک میں میزابِ رحمت کی سمت بیٹھتے اور وہیں نمازیں ادا کرتے تھے۔ ایک دن بابا جیؒ کے ساتھ میں طواف کر رہا تھا، اچانک آپؒ رُکے اور پوچھا کہ بھئی کتنے چکر ہوگئے؟ عرض کیا کہ بابا جیؒ! چار چکر مکمل ہوگئے ہیں۔ اگلے چکر میں ایک بزرگ احرام باندھے طواف کے دوران ملے اور بڑی گرم جوشی سے بابا جیؒ سے بغل گیر ہوئے اور کہا، ''اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر! حضرت! میری خوش نصیبی کہ اس مقام پر آپ کی زیارت نصیب ہوگئی۔'' بابا جیؒ نے فرمایا کہ یہ میری خوش بختی ہے کہ اللہ نے اپنے گھر میں آپ کی زیارت نصیب کر دی۔ تھوڑی دیر بعد ہم پھر طواف کرنے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ بابا جیؒ! آپ کی جن سے ملاقات ہوئی، یہ کون بزرگ ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ مولانا سیّد اسعد مدنی ہندوستان سے۔

ادب کا اعلیٰ مقام

مکہ شریف سے جس دن واپسی تھی، ظہر کی نماز کے بعد میں بابا جیؒ کے ساتھ تھا۔ ایک عجیب کیفیت دیکھی۔ ادب کا وہ اعلیٰ مقام دیکھا کہ حیران رہ گیا۔ بابا جیؒ کا وہ عمل آج بھی میرے دل، میری روح میں روشن ہے۔ خانہ کعبہ میں نماز ادا کرنے کے بعد جب آپؒ مسجد الحرام سے نکل رہے تھے تو خانہ کعبہ سے اُلٹے قدموں بابِ عبد العزیز تک آئے تا کہ خانہ کعبہ کی طرف پشت نہ ہو۔ اور جو بھی مسجد کے برآمدے کا ستون سامنے آتا تو آپؒ بے چین ہو کر اَشک بار نگاہیں خانۂ کعبہ پر ڈالتے۔ اللہ کے گھر کی جدائی آپ پر عجیب طرح سے

اثر انداز تھی۔ یہاں تک کہ آپ بابِ عبدالعزیز سے الٹے پاؤں نکلے اور پھر آپؒ نے جوتے پہنے۔حرم پاک میں لاکھوں لوگ موجود ہوتے ہیں، کتنے ہیں جو اِس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ خانہ کعبہ کی جانب پشت نہ ہو۔

امانت کی حفاظت

مجھے میری ہمشیر (اہلیہ لالہ خلیل احمد) نے بتایا کہ بھائی! چھوٹی پھوپھی جیؒ (بابا جیؒ کی پہلی اہلیہ محترمہ) کو بابا جیؒ نے اس وقت چالیس تولے زیور کا ایک سیٹ بنوا کر دیا۔ جب زیور اُن کے لیے بن کے آیا تو انہوں نے کہا تھا کہ کچھ بھی ہو میں نے خلیل احمد کے لیے محمد عارف کی بیٹی ہر حال میں لینی ہے۔ میری عمر ایک سال تھی۔ بابا جیؒ موجود تھے۔ ان سے کہا کہ نہ صرف میں نے یہ رشتہ لینا ہے بلکہ یہ زیور امانت ہے، میں مر بھی جاؤں تو آپ نے اسے خلیل احمد کی دلہن کے سوا کسی کو نہیں دینا۔ (بہن کو یہ بات میری والدہ نے بتائی) وقت گزرتا رہا۔ اللہ کی شان لالہ خلیل احمد کی والدہؒ چوالیس سال کی عمر میں اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ بابا جیؒ نے دوسرا عقد کر لیا۔ میری سگی پھوپھی آپؒ کے عقد میں آئیں۔ آپؒ نے وہ زیور اُن کو نہیں دیا۔ لالہ عزیز احمد کا پہلا نکاح اپنے چچا ملک محمد افضل کی صاحبزادی سے ہوا۔ وہ زیور بابا جیؒ نے سنبھالے رکھا اور فرمایا کہ یہ خدیجہ بی بی کی امانت ہے۔ لالہ عزیز احمد کا نکاحِ ثانی میاں خان محمد سرگانہ کی بیٹی سے ہوا۔ بابا جیؒ نے اُس وقت بھی زیور دینے سے انکار فرما دیا۔ والدہ سعید احمد نے پوچھا کہ اس زیور کو ہوا کب لگے گی؟ فرمایا کہ یہ خدیجہ بی بی کی امانت ہے، خلیل احمد کی شادی پر اُس کی دلہن کو پہنانا ہے۔ پھر جب لالہ خلیل احمد کی شادی ہوئی تو آپؒ نے وہ زیور، وہ امانت اپنی بہو کے حوالے کر دی۔

چچا جان صاحبزادہ محمد زاہد، مدرسہ کے مہتمم

چچا جان محمد زاہد صاحب کے ساتھ آپؒ کو قلبی لگاؤ اور اُنس تھا۔ ہمارے بچپن میں مدرسہ کے تمام امور چچا جان محمد زاہد کے سپرد تھے۔ وہ نہ صرف مدرسہ کے مہتمم تھے بلکہ آپ طلبہ کو اَسباق بھی پڑھاتے تھے۔ مدرسے کا کھانا چچا جان کے گھر سے پک کر جایا کرتا تھا۔

اس دور میں خالہ حیا تاں مدرسے کے طلبہ کے تندور میں روٹیاں لگاتی تھی اور سالن کا چچا جان کو اِتنا خیال رہتا تھا کہ مدرسے کے طلبہ جب کھانا لینے کے لیے آتے تو آپ پہلے خود چند لقمے لے کر سالن کا ذائقہ چکھتے۔

مسجد کی تزئین و آرائش

مزید برآں مسجد کی تعمیر و تزئین کے تمام کام بابا جی نے چچا محمد زاہد کے سپرد کر رکھے تھے۔ اس کا اظہار اُن مکتوبات سے بھی ہوتا ہے جو اَسفار کے دوران بابا جیؒ نے آپ کے نام لکھے۔

مکتوبات بنام صاحبزادہ محمد زاہد

(۱)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر خان محمد عفی عنہ کی طرف سے اعزی حافظ محمد زاہد صاحب مطالعہ فرماویں کہ فقیر کل بدھ کو بعافیت پہنچ گیا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ. اور یہاں سے اتوار کے دن ۲۲؍ اکتوبر کو راولپنڈی جانا ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ راولپنڈی سے بدھ کے دن ۲۵؍ اکتوبر کو گوجرانوالہ اور گوجرانوالہ سے انشاء اللہ تعالیٰ ۲۷؍ اکتوبر تک لاہور پہنچنا ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس جمعہ کے بعد ۲۷؍ اکتوبر تک کی ڈاک لاہور مولوی ضیاء الدین صاحب مسجد چترال، میرہ منڈی کی معرفت بھیجتے رہیں۔ بعد کی ڈاک وہاں اپنے پاس جمع رکھیں۔

فقیر آپ سب کی خیریت و عافیت اور سلامتی کا طالب ہے۔ مولا پاک نصیب فرماوے۔ آمین۔ فقیر نے جو خانیوال سے خط لکھا تھا، وہ مل گیا ہوگا۔ پلنگ ضرور احتیاط سے بلٹی کر دیویں۔

فقیر کی طرف سے جملہ احباب وطلاب کو سلام مسنون پہنچیں۔ گھر میں بھی سب کو سلام مسنون پہنچیں۔ جملہ عزیزان کو دعوات۔

والسّلام

۱۹؍ اکتوبر ۱۹۶۱ء

از خانقاہ سراجیہ

(۲)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَارْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر خان محمد عفی عنہ کی طرف سے اعزی واکرمی حافظ محمد زاہد صاحب مطالعہ کریں کہ فقیر نے کل ایک خط لکھا ہے، وہ مل گیا ہوگا۔ آج جو ڈاک خانقاہ پاک سے ہو کر یہاں موصول ہوئی ہے، اُس میں ملک محمد اسلم صاحب کا خط کوئٹہ سے ملا ہے۔ وہ بعینہٖ ارسال ہے۔ اُس کے اندراج کے مطابق زیورات وہاں پہنچ گئے ہوں گے۔ آپ اِس خط کو پڑھ کر سب گھر والے آپس میں مشورہ کر کے جو اَمر طے ہو جاوے، اُس سے فقیر کو بہاولپور کے پتہ پر اِطلاع دیں، تا کہ فقیر ملک صاحب کو جواب بھی دے سکے اور بہاولپور خان صاحب کو جو کچھ کہنا ہو کہہ دیوے۔

فقیر بفضلہٖ تعالیٰ عافیت سے ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ. پروگرام وہی ہے جو کل لکھ دیا گیا ہے۔ فقیر کی طرف سے سب کو سلام مسنون پہنچیں۔ والسّلام

۳۰/اپریل ۱۹۶۲ء ازصادق آباد

(۳)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَارْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر خان محمد عفی عنہ کی طرف سے اعزی وارشدی حافظ محمد زاہد صاحب مطالعہ فرماویں کہ فقیر کے خانقاہ پاک سے رخصت ہونے تک آپ نہیں پہنچے تھے۔ لیکن جب حافظ غلام علی صاحب راولپنڈی پہنچے تو اُنہوں نے بتایا کہ اُس شام والی گاڑی سے آ گئے تھے۔ مولا پاک کے فضل وکرم سے کلس چڑھ گیا ہوگا۔ آپ جبلی استغنا کو بالائے طاق رکھ کر نہایت سمجھ اور سوچ اور تدبر سے کام کروا دیں۔ اور مستریوں کی ہر ضرورت کا خیال رکھیں۔ اور جو جو سامان کہیں، فوراً مہیا کرنے کی سعی کیا کریں۔ مسجد اور مدرسہ کے روپے حافظ احمد دین صاحب کو دے آیا تھا۔ وہ انہوں نے دے دیے ہوں گے۔ حساب نہایت چستی سے رکھیں۔ مزدوروں کی حاضری ہر روز نہایت احتیاط سے لگا دیں۔ اور جب بھی وہ روپے مانگیں، دینے میں سستی ہرگز نہ کریں۔ فارسی والے طالب علم کمزور ہیں، ان کے ساتھ نہایت جانفشانی کی محنت کی ضرورت ہے۔

ان بیچاروں پر ترس کریں اور اُن کو خوب محنت سے پڑھاویں۔ گندم کے متعلق محمد عارف صاحب کی خدمت میں گزارش کریں کہ وہ پانچ چھ بوری برداشت کروادیویں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ واپسی پر آپس میں حساب کرلیں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

فقیر آج ملکوال پہنچا ہے۔ کل ۲۶/اپریل جمعرات کو صوفی احمد یار صاحب کے پاس جانا ہوگا۔ پھر ۲۸/اپریل ہفتہ کے دن صبح کو بھلوال سے چناب پر سوار ہوکر سیدھا صادق آباد جاوے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اُس طرف ہفتہ عشرہ لگ جاوے گا۔ آپ تا اِطلاع ثانی ڈاک معرفت رحمانیہ کمپنی، غلہ منڈی، رحیم یار خان کے پتہ پر بھیجتے رہیں۔ نیز خانقاہ پاک کے جمیع حالات سے بھی فوری اطلاع دیتے رہیں۔ فقیر بفضلہٖ تعالیٰ ہر طرح عافیت سے ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ.

فقیر آپ سب کی خیریت و عافیت اور سلامتی کا طالب ہے۔ مولا پاک نصیب فرماوے۔ آمین۔ راولپنڈی ملک صاحب کی کیفیت عزیز احمد کے خط میں لکھ چکا ہوں۔ فقیر کی طرف سے سب احباب اور طلبہ کو سلام مسنون پہنچیں۔ اور گھر میں بھی سب کو سلام و دعوات۔

مدرسہ کی بڑی کلاس کے لیے کتابوں کی ضرورت ہے۔ وہ اُن سے دریافت کر کے منگوادیں۔ نیز مولوی قطب الدین صاحب سے دریافت کرلیں کہ اُنہوں نے کتابوں کے لیے خط تو نہیں لکھا۔ اگر نہ لکھا ہو تو پھر لکھ دیں۔ والسّلام

۱۸/ذی قعدہ ۱۳۸۱ھ ازخانقاہ سراجیہ

بعد میں چچا جان روزگار کی تلاش میں کویت چلے گئے۔ بابا جیؒ مدرسے کے تمام امور کی نگرانی خود فرماتے رہے۔ جب لالہ عزیز احمد اور لالہ خلیل احمد تعلیم مکمل کر کے آئے تو مدرسے کے کئی اسباق ان کے ذمہ تھے۔ اور وہ تندہی اور جاں فشانی سے تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ مدرسے کی ساری ذمہ داری لالہ خلیل احمد کے

کاندھوں پر ڈال دی گئی۔

دو خط نانا جان ملک محمد اسلم مرحوم کے نام ہیں۔ ان کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپؒ کی نظر نہ صرف خاندانی مسائل اور اُمور پر رہتی تھی بلکہ آپ مسائل کو حل فرمانے میں خصوصی شفقت فرماتے تھے۔

مکتوب بنام نانا جان (ملک محمد اسلمؒ)

بخدمت رضی المکرّم جناب ملک صاحب سلمک اللہ تعالیٰ!

السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ! بعد از سلام مسنون کے گزارش ہے کہ فقیر آپ حضرات سے رخصت ہو کر راستہ میں چند جگہوں پر ٹھہرتا ہوا ۲۳/ اگست کو بعافیت خانقاہ پاک میں پہنچ آیا تھا۔ اور یہاں ہر طرح عافیت ہے۔ جملہ عزیزان سلمہم اللہ تعالیٰ بھی من کل الوجوہ عافیت سے ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ. ہر روز اِرادہ کرنے کے باوجود عریضہ ارسال کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ آج ہمت کر کے عریضہ ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ یہاں پہنچ کر کئی طرح کے امور در پیش آ جاتے ہیں۔ اُن کی اصلاح میں کافی وقت صَرف ہو جاتا ہے۔ سفر کی تھکاوٹ پر یہاں کے امور کا اختلال مزید تکاہل و تساہل کا باعث ہو جاتا ہے۔ بھائی محمد علی صاحب اور عمو یم ملک محمد امیر صاحب والا معاملہ کچھ اصلاح پذیر معلوم ہوتا ہے۔ ہفتہ عشرہ تک دن مقرر ہو جاویں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ملک عمر حیات والا معاملہ کچھ ڈھیلا معلوم ہوتا ہے۔ ہمشیرہ صاحبہ اور عزیز خان تو اپنے وعدہ پر پختہ ہیں، البتہ ملک عمر حیات صاحب بعض لوگوں کے کہنے پر حیلے بہانے بنانے لگ گئے ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ اپنی والدہ کو ہمشیرہ صاحبہ کے پاس بھیجا کہ جب تک آپ ملک شیر محمد صاحب وغیرہ سے صلح نہ کریں، میں یہ کام نہیں کرتا۔ پھر جب ہم واپس آئے تو حافظ محمد زاہد صاحب کو ڈِنگ بھیجا یہی کہلا کر۔ حافظ صاحب کو ڈِنگ سے بھی یہی جواب ملا۔ اور مجھے بھی حافظ صاحب نے کہا تو میں نے یہی جواب دیا کہ یہ نہیں ہو سکتا۔ ہم کسی طرح بھی اُن لوگوں کی منتیں سماجتیں کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں۔ ویسے آپ لوگوں کی مرضی ہے، کریں یا نہ

کریں۔ باقی اِس طرف سے بات پختہ ہے۔ اگر اب ساری دنیا میں شہرت ہو جانے کے بعد یہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچے تو نہایت ہی ناموزوں بات ہوگی۔ اور اُن لوگوں کے حوصلے خود بخود بڑھ جائیں گے اور بہت سی مخلوق کی پریشانی کا باعث ہوں گے۔ باقی اُن لوگوں کی زبانی بکواس کے علاوہ اور کچھ بھی ہونے کی توقع نہیں ہے۔ اور نہ وہ کر سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں گزارش ہے کہ بھائی محمد علی صاحب نے پانچ صد روپیہ فقیر سے مانگا ہے۔ فقیر کا معاملہ تو جیسا کچھ ہے وہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ آپ حسب وعدہ پانچ صد روپے فقیر کو بھیج دیں۔ جب بھی آپ مطالبہ کریں گے، انشاء اللہ تعالیٰ اُسی وقت واپس ہوگا۔

فقیر کی طرف سے سب پرسان احوال کو سلام مسنون پہنچیں۔ جنابہ ہمشیرہ صاحبہ کو بھی سلام مسنون پہنچا دیویں۔ جملہ عزیزان سلمہم اللہ تعالیٰ کو دعوات و پیار۔

والسّلام

فقیر خان محمد عفی عنہ

از خانقاہ سراجیہ

۲۹؍ربیع الاوّل ۱۳۸۱ھ

معمولات

اذان کا احترام

ایک مرتبہ حضرت بابا جیؒ بیت الخلاء میں داخل ہوئے۔ ابھی دروازہ بند ہی فرمایا تھا کہ اذان شروع ہوگئی۔ آپ اذان کی آواز سن کر باہر آ گئے اور سکون سے تمام کلمات کا جواب دیا۔ اس کے بعد مسنون دعا پڑھی اور دوبارہ بیت الخلاء میں داخل ہوئے۔

[حاجی محمد یعقوب]

وضو

وضو نماز کا دیباچہ، شہنشاہِ کائنات کے دربار میں حاضری کا پروانۂ راہداری اور صحتِ نماز کی اوّلین شرط ہے۔ اہتمامِ وضو کا اندازہ حضورِ انور ﷺ کی اس دعا سے لگایئے، **اللھم انی اسئلک تمام الوضوء وتمام الصلوٰۃ وتمام رضوانک.**
ترجمہ: اے اللہ! میں آپ سے مکمل وضو، مکمل نماز اور آپ کی مکمل خوشنودی کا سوال کرتا ہوں۔

خیر القرون میں شہادتین کے اقرار کے بعد سب سے پہلے وضو سکھایا جاتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خدمتِ بابرکت میں تابعینؒ حاضر ہو کر سوال کرتے، **کیف کان وضوء رسول اللہ ﷺ.** حضورِ اکرم ﷺ کا وضو کیسا تھا؟ وہ پانی منگواتے اور عملاً وضو کر کے دکھاتے پھر ارشاد فرماتے، **ھٰکذا کان وضوء رسول اللہ ﷺ.** حضورِ اکرم ﷺ یوں وضو فرمایا کرتے تھے۔

بابا جیؒ کا وضو مندرجہ ذیل حدیثِ پاک کا نمونہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اس طرح وضو فرمایا کہ پہلے اپنے دونوں ہاتھوں پر تین دفعہ پانی ڈالا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی لے کر اُس کو نکالا اور ناک کی صفائی کی اور پھر تین دفعہ اپنا پورا چہرہ دھویا۔ اس کے بعد داہنا ہاتھ کہنی تک تین مرتبہ دھویا۔ پھر اسی طرح بایاں ہاتھ کہنی تک تین مرتبہ دھویا۔ اس کے بعد سر کا مسح کیا، پھر داہنا پاؤں تین دفعہ دھویا، پھر اسی طرح بایاں پاؤں تین دفعہ دھویا (اس طرح پورا وضو کرنے کے بعد) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل میرے اس وضو کی طرح وضو فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جس نے میرے وضو کے مطابق وضو کیا اور پھر دو رکعت نماز (دل کی پوری توجہ کے ساتھ) ایسی پڑھی جو حدیثِ نفس سے خالی رہی (یعنی دل میں اِدھر اُدھر کی باتیں نہیں سوچیں) تو اُس کے پچھلے سارے گناہ معاف ہو گئے۔ [صحیح بخاری و صحیح مسلم]

حضرت بابا جی قبلہ کو میں نے زندگی میں متعدد بار وضو کرتے ہوئے غور سے دیکھا کہ اللہ ہمیں بھی آپ جیسا وضو اور آپ جیسی نماز نصیب فرما دے۔ ایک بار آپؒ اپنے حجرے کے باہر لکڑی کے ایک تختے پر بیٹھے وضو فرما رہے تھے۔ غالباً عصر کی نماز کا وقت تھا۔ آپ نے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں پر تین بار پانی ڈالا۔ پھر دائیں جانب رکھا ہوا مسواک اٹھایا۔ مسواک کرتے ہوئے آپ نے کبھی عجلت نہیں کی۔

لوگ انواع و اقسام کی مسواکیں استعمال کرتے ہیں۔ مگر حضرت پیلو کی جڑ کی مسواک استعمال کرتے تھے کہ یہ مسنون ہے۔ سفر ہو یا حضر حضرت زیرِ استعمال مسواک کے علاوہ بھی مسواکوں کا وافر ذخیرہ ہمراہ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ عمرہ کے سفر پر جدے پہنچ کر کسٹم والوں نے سامان چیک کیا۔ اللہ کی شان! سوٹ کیس میں باقی سامان کے اوپر مسواکیں رکھی ہوئی تھیں۔ جونہی سوٹ کیس کھولا گیا تو کسٹم آفیسر مسواک دیکھ کر خوش ہو گیا اور باقی سامان چیک نہیں کیا۔ [حاجی محمد یعقوب]

تین بار کلی کی، تین بار ناک میں پانی ڈالا اور بائیں ہاتھ کی چھنگلی ناک میں گھمائی۔ پانی اچھی طرح نتھنوں میں چڑھایا، تین بار چلّو میں پانی لے کر منہ دھویا اس طرح کہ پیشانی

سے اوپر تک ہاتھ پھیرا اور کانوں کے نیچے تک ڈاڑھی مبارک پکڑ کر مبادا کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے۔ پھر تین بار ڈاڑھی کو تَر کیا، دائیں کہنی پر چلّو میں پانی لے کر پہنچایا اور کہنی کی ہڈی سے لے کر کچھ حصہ بازو کا تر کیا، اتنے اطمینان اور اہتمام سے کہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے، بعینہٖ یہی عمل باہنے بازو پر دہرایا۔ پھر سر اور گردن کا مسح کیا۔ تانبے کے کوزے میں موجود پانی ختم ہو چکا تھا۔ خادم نے بڑھ کر دوسرا کوزہ سامنے رکھ دیا۔ آپ نے پاؤں انگلیوں کی جانب سے دھونے شروع کیے۔ پہلے داہنا پاؤں، ایڑی کو مَل کے دھویا اور کچھ حصہ پنڈلی کا، اسی طرح پھر آپؒ نے بایاں پاؤں دھویا۔

لقیط بن مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے وضو کی بابت بتایئے (کہ کن باتوں کا وضو میں مجھے خاص طور پر اہتمام کرنا چاہیے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک تو یہ کہ پورا وضو خوب اچھی طرح اور کامل طریقہ سے کیا کرو جس میں کوئی کمی کسر نہ رہے، اور دوسرے یہ کہ ہاتھ پاؤں دھوتے وقت ان کی انگلیوں میں خلال کیا کرو اور تیسرے یہ کہ ناک کے نتھنوں میں پانی چڑھا کے اچھی طرح ان کی صفائی کیا کرو، اِلا یہ کہ تم روزے سے ہو (یعنی روزے کی حالت میں ناک میں پانی زیادہ نہ چڑھایا کرو)۔

[سنن ابی داؤد، جمع ترمذی وسنن نسائی]

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ میں بابا جیؒ کو وضو کرتے ہوئے اس لیے غور سے دیکھ رہا تھا کہ دیکھوں کہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیسے وضو فرمایا کرتے تھے۔ پاؤں دھوتے ہوئے آپؒ نے پاؤں کی انگلیوں کے درمیانی حصے کو خوب ملا۔ اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ بابا جی ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی (چھنگلیا) سے ان حصوں کو مَل رہے ہیں۔

مستور بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تو ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی (چھنگلیا) سے پاؤں کی انگلیوں کو (یعنی ان کے درمیانی حصوں کو) ملتے تھے۔ [جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ]

پھر جب میری آنکھیں اپنے شیخ بابا جی قبلہ خواجہ خان محمدؒ کے چہرے پر تھیں آپؒ نے

چہرہ اس طرح دھویا اور ریش مبارک میں پانی ایسے پہنچایا جیسے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب وضو فرماتے تو ایک ہاتھ سے پانی لے کر ٹھوڑی کے نیچے ریش مبارک کے اندرونی حصہ میں پہنچاتے اور اس سے ریش مبارک میں خلال کرتے (یعنی ہاتھ کی انگلیاں اس کے درمیان سے نکالتے) اور فرماتے کہ میرے رب نے مجھے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ [سنن ابی داؤد]

میں نے باباجیؒ کو بعینہٖ ایسا ہی کرتے دیکھا۔ اور پھر جب آپؒ سر کا مسح فرما رہے تھے تو یہ آئینہ سامنے تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (وضو میں) اپنے سر مبارک کا مسح فرمایا اور اس کے ساتھ دونوں کانوں کا بھی (اس طرح) کہ کانوں کے اندرونی حصے کا تو انگوٹھوں کے برابر والی انگلیوں سے مسح فرمایا اور اوپر کے حصہ کا دونوں انگوٹھوں سے۔ [سنن نسائی]

ربیع بنتِ معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو (کانوں کا مسح کرتے ہوئے) دونوں کانوں کے سوراخوں میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیاں ڈالیں۔

[سنن ابی داؤد، مسند احمد، سنن ابن ماجہ]

لوٹے سے وضو کرنا مسنون ہے مگر افسوس یہ سنت اب تقریباً متروک ہو چکی ہے۔ حضرت باباجیؒ اور مولانا نذر الرحمٰن صاحب کو اس کا اہتمام کرتے دیکھا کہ وہ لوٹے سے وضو کرتے۔ ۱۹۸۴ء میں ہندوستان کا سفر ہوا۔ وہاں دارالعلوم دیوبند میں لوٹوں سے وضو کا منظر دیکھا۔ لوٹے سے وضو جہاں سنت ہے وہیں پانی کے اسراف سے بچنے کا بھی بہترین ذریعہ ہے۔ [روایت حبیب الرحمٰن ہاشمی]

ایک مرتبہ کسی خادم نے عرض کیا کہ بیسن پر کھڑے ہو کر وضو فرمالیں۔ آپ نے فرمایا بیٹھ کر وضو کرنا مسنون ہے۔ آپ وضو کے لیے لوٹا اور چوکی ہمراہ رکھتے۔ جب تک صحت بحال تھی کچی مٹی کے مخصوص ڈھیلے آپ کے بیگ میں ہوتے، جب آپ قضائے حاجت

کے لیے جاتے تو تین ڈھیلے ساتھ لے جاتے۔ بعد میں جب ٹشو پیپر کا رواج ہوا تو آپ ٹشو پیپر کے تین ٹکڑے ساتھ لے جاتے تھے۔ [حاجی محمد یعقوب]

عدمِ اسراف

ایک بار میں بابا جی کے ساتھ اسلام آباد سے کار پر واپس آ رہا تھا۔ جب ہم تلہ گنگ سے گزرنے لگے تو عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ ایک پٹرول پمپ پر کار روکی۔ بابا جی قبلہ نے وضو کرنا تھا۔ پیٹرول پمپ کی مسجد کے ساتھ وضو کی جگہ تھی۔ ٹونٹیاں ایک قطار میں لگی تھیں۔ بابا جی نے دو اینٹیں رکھ کر اپنے لیے جگہ بنائی۔ بازو اُڑس کر وضو شروع کیا۔ میں پورے انہماک سے بابا جی کو دیکھ رہا تھا کیونکہ آپ کی پوری زندگی حضور اکرم ﷺ کی سنت کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ بابا جی نے ہاتھ کا چلّو بنا کر پانی لیا اور ہاتھ دھوتے ہوئے ٹونٹی بند کر دی۔ ہر بار کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالتے وقت آپ چلّو میں تھوڑا پانی لیتے اور ٹونٹی بند کر دیتے۔ اسی طرح جب چہرہ دھونے لگے تو دائیں ہاتھ کے چلّو میں پانی لے کر بائیں ہاتھ سے ٹونٹی بند کر دیتے۔ آپ نے پانی کا ایک قطرہ ضائع کیے بغیر وضو مکمل کیا۔ آپ نے اتنا پانی استعمال کیا جتنا گھر میں اپنے تانبے کے کوزے میں استعمال فرماتے تھے۔ میں سوچتا رہا کہ جب ہم مسجد کی ٹونٹیوں اور گھر کے واش روم میں بیسن پر وضو کرتے ہیں تو ٹونٹی کو کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔ پانی ضائع ہوتا رہتا ہے اور ہم شپاشپ وضو کرتے رہتے ہیں۔ اللہ ہمیں اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرے۔

بابا جیؒ کا دورانِ وضو پانی کا اسراف نہ کرنا بھی ایک ایسا عمل ہے جو نبی ﷺ کی سنت ہے۔ ہم میں سے کتنے ہیں جو اِس بات کا اہتمام اور خیال کرتے ہیں کہ وضو کے دوران بے بہا پانی بہا ڈالنا اسراف میں آتا ہے۔ ہمیں وضو کرتے ہوئے حضور خاتم النبیین ﷺ کی یہ حدیث مبارک ذہن میں رکھنی چاہیے:

حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وضو

کر رہے تھے (اور اس میں پانی کے استعمال میں فضول خرچی سے کام لے رہے تھے)۔ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا، سعد! یہ کیسا اسراف ہے؟ (یعنی پانی بے ضرورت کیوں بہایا جا رہا ہے)۔ انہوں نے عرض کیا، حضور ﷺ! کیا وضو کے پانی میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ (یعنی کیا وضو میں پانی زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف میں داخل ہے؟) آپ ﷺ نے نے فرمایا، ہاں یہ بھی اسراف میں داخل ہے اگرچہ تم کسی جاری نہر کے کنارے ہی پر کیوں نہ ہو۔ [مسند احمد، سنن ابن ماجہ]

ایک بار آپؒ اپنے حجرے کے باہر لکڑی کے ایک تختے پر بیٹھے وضو فرما رہے تھے۔ غالباً عصر کی نماز کا وقت تھا۔ جب آپؒ نے وضو مکمل کیا تو خادم نے آگے بڑھ کر تولیہ آپ کو پکڑایا۔ آپؒ نے چہرہ خشک فرمایا، پھر داہنا بازو، اس کے بعد بایاں بازو، باری باری دونوں پاؤں خشک فرمائے۔ اس عمل سے حدیث پر آپ نے مکمل نمونہ پیش فرمایا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ وضو فرماتے تو اپنے ایک کپڑے کے کنارے سے چہرہ مبارک پونچھ لیتے۔ [جامع ترمذی]

عطر

حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، چار چیزیں پیغمبروں کی سنتوں میں سے ہیں؛ ایک حیاء، دوسرے خوشبو لگانا، تیسرے مسواک کرنا، اور چوتھے نکاح کرنا۔ [جامع ترمذی]

باباجیؒ خوشبو میں عود اور عنبر کا عطر استعمال فرماتے تھے۔ آپ اتنا اعلیٰ، نفیس اور مناسب مقدار میں عطر لگایا کرتے کہ آپ کی خوشبو سے روح کو تازگی ملتی اور قلب نیکی کی جانب مائل ہوتا۔ آپؒ کی خوشبو سے مشامِ جاں معطر ہو جاتی تھی۔

مولانا منظور احمد صاحب نعمانیؒ مصنف ''معارف الحدیث'' اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ''تعطر'' یعنی خوشبو لگانا بڑی محبوب صفت ہے۔ انسان کے روحانی اور ملکوتی تقاضوں میں سے ہے۔ اس سے روح اور قلب کو ایک خاص نشاط حاصل ہوتا ہے۔ عبادت

میں کیف اور ذوق پیدا ہوتا ہے اور اللہ کے دوسرے بندوں کو بھی راحت پہنچتی ہے۔ اس لیے تمام انبیاء علیہم السّلام اور اللہ کے سارے اچھے بندوں کی محبوب سنت ہے۔

عَطر کی پہچان؟

ایک بار حضرت باباجیؒ کی خدمت میں کسی نے عَطر پیش کیا۔ پھر پوچھا کہ حضرت! کیا اس میں جان بھی ہے؟ فرمایا، ہاں ہے۔ اس نے عرض کیا، حضرت! خالص عَطر کی پہچان کیا ہے؟ فرمایا، جس عطر کے لگانے سے سر میں درد ہو وہ میرے نزدیک خالص عطر نہیں۔ [حبیب الرحمٰن ہاشمی]

نماز

نماز مومن کی معراج ہے۔ نماز اللہ اور بندے کے درمیان براہِ راست رابطہ ہے۔ نماز میں انہماک، خشوع وخضوع انسان کو بارگاہِ الٰہی میں مقبول بنادیتا ہے۔ باباجیؒ کی نماز کی ادائیگی کا انداز اتنا مکمل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق اتنا اعلیٰ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ چودہ سو سال کے کاملین کی نمازوں کے ذوق وشوق اور انہماک کے جو واقعات کتابوں میں مطالعہ کیے، باباجیؒ کی نمازیں ان کا حسین وجمیل مرقع تھیں۔

بحمد للہ! خانقاہ کی مسجد میں نمازوں میں مسنون قرأت کا معمول ہے اور اس کا شدت سے اہتمام ہے۔ حضرت فرماتے تھے کہ مسنون قرأت کیا کریں اور ہمیشہ پوری سورۃ پڑھیں، ادھوری سورۃ نہ پڑھیں۔ نمازوں میں مسنون قرأت یہ ہے کہ فجر اور ظہر کی نماز میں طوالِ مفصل (سورۃ حجرات سے سورۃ بروج تک)، عصر اور عشاء کی نمازوں میں اوساطِ مفصل (سورۃ الطارق سے سورۃ البینہ تک) اور مغرب کی نماز میں قصارِ مفصل (سورۃ زلزال سے آخر تک) پڑھی جائیں۔ ایک بار ارشاد فرمایا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے نماز میں کوئی مستحب چھوٹ گیا۔ آپ نے اس نماز کو متعدد بار دہرایا، پھر آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ آج کل آئمہ مساجد مسنون قرأت کا بھی اہتمام نہیں کرتے۔

مسجد میں داخل ہونا

باباجیؒ جب مسجد کی سیڑھیاں چڑھ لیتے تو بائیں پاؤں سے جوتی اتار کے اپنا پاؤں مبارک جوتی پر رکھ دیتے۔ پھر داہنا پاؤں جوتی سے نکال کر اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ کہہ کر داہنا پاؤں مسجد میں رکھتے اور السّلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے۔ مسجد سے نکلتے وقت آپ پہلے بایاں پاؤں جوتی پر رکھتے اور پھر دائیں پاؤں میں جوتی پہن لینے کے بعد بائیں پاؤں میں جوتی پہنتے اور مسجد سے نکلنے کی دعا، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ پڑھتے۔

نماز میں قیام

آپؒ کی نماز میں کمال کا ٹھہراؤ تھا۔ فجر، ظہر اور عصر کی نمازوں میں طویل سورتوں کا معمول تھا۔ کھڑے ہونے کا انداز عاجزانہ تھا۔ قیام کے دوران آپ کا کوئی بھی عضوِ بدن سرِ مو حرکت نہ کرتا۔ مکمل یکسوئی سے اپنے اللہ سے ہم کلام ہوتے۔

رکوع اور سجود میں تسبیحات کا شمار

باباجی کی نمازوں میں رکوع اور سجود میں ٹھہراؤ جزوِ اعظم تھا۔ ہم نے ہمیشہ آپ کی امامت میں رکوع میں ۱۱، ۱۱ دفعہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ، اور سجود میں ۱۱، ۱۱ دفعہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی شمار کیں۔

بڑھاپے میں دورانِ نماز قیام

ضعیفی کے دنوں میں آپ کی کمر مبارک جھک گئی لیکن آپ پھر بھی نماز میں طویل قیام فرماتے۔ رمضان المبارک میں ساری رات تراویح کے دوران بھی قیام میں خلل نہ آتا۔ ساتھیوں کے اصرار کے باوجود آپ نے بیٹھ کر تراویح پڑھنے کو ہمیشہ ناپسند فرمایا۔ کسی ساتھی نے عرض کیا، بڑھاپے اور ضعف کی بنا پر آپ بیٹھ کر تراویح پڑھ لیجیے۔ مزاحاً فرمایا، میں بیٹھ گیا تو میرے مرید لیٹ جائیں گے۔ رخصت کے بجائے عزیمت پر عمل آپ کے ہاں بکمال دیکھا۔

نماز میں استغراق

نماز میں انہماک اور استغراق کے متعدد واقعات جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صلحاءِ امت سے منقول ہیں وہ کتابوں میں پڑھے مگر اس کی عملی صورت بابا جیؒ کی نماز میں دیکھی۔ گرمیوں کے دن تھے، رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ نمازِ فجر کی امامت بابا جیؒ خود فرما رہے تھے۔ میں ان کی اقتدا میں پہلی صف میں بائیں جانب تھا۔ آپ نے پہلی رکعت میں سورۃ التکویر تلاوت کی۔ دوسری رکعت میں جب سورۃ الناس شروع کی تو مجھے وسوسوں نے گھیر لیا کہ بابا جیؒ کا معمول نہیں ہے، آپ تو سورۃ التکویر کے بعد دوسری رکعت میں سورۃ الانفطار تلاوت فرماتے ہیں، اللہ خیر کرے۔ لیکن رکوع، سجود، قومہ، جلسہ، تشہد میں وہی ٹھہراؤ جو خانقاہ سراجیہ میں بابا جیؒ کی نمازوں کا خاصہ ہے۔

آپ نے جیسے ہی سلام پھیرا ساتھی قریب جمع ہو گئے، دو ساتھی بھاگ کے چارپائی اٹھا لائے۔ میں بابا جیؒ کے بالکل ساتھ بیٹھا تھا۔ عرض کیا، ''بابا جیؒ خیریت؟ طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' فرمایا، ''بھئی پہلی رکعت میں بھڑ قمیص میں گھس گئی، وہی ڈنک مارتی رہی۔'' سبحان اللہ! ایک زہریلی بھڑ کے کاٹنے کے باوجود نماز میں استغراق کا یہ عالم کہ خبر ہی نہیں کہ جسم کے ساتھ کیا گزری۔

نمازِ مغرب کے بعد معمول

بابا جیؒ قبلہ کے مزاج میں اخفا تھا۔ آپ کی عبادات اور تسبیحات کے معمول میں بھی اخفا رہا۔ مغرب کی نماز کے بعد دو سنت ادا فرما کر تقریباً آدھا گھنٹہ مسجد میں معتکف رہتے اور پھر طویل دعا کے بعد گھر تشریف لے جاتے۔

نمازِ عشاء کے بعد معمول

بعینہٖ جو معمول مغرب کی نماز کے بعد تھا وہی عشاء کے بعد تھا۔ آدھا پونا گھنٹہ تسبیحات میں مصروف رہتے۔ کوئی ساتھی بیعت کی درخواست کرتا تو بیعت فرما لیتے۔ اس کے بعد حجرہ مبارک میں تشریف لے جاتے۔

نمازِ فجر کے بعد مراقبہ اور اِشراق

باباجیؒ کا خانقاہ شریف کے قیام کے دوران ہمیشہ معمول رہا کہ آپ نماز فجر کے بعد ختمِ خواجگان شریف مکمل فرماتے پھر مریدین کے ہمراہ طویل مراقبہ فرماتے۔ اور پھر اشراق کے نوافل پڑھ کر گھر تشریف لے جاتے۔

آپ کی ضعیفی اور لفٹ کا اہتمام

ایک بار کوہاٹ تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں کار کو حادثہ پیش آ گیا، جس کی وجہ سے آپ کی ریڑھ کی ہڈی میں تکلیف ہوگئی۔ ڈاکٹرز نے مسجد کی سیڑھیاں چڑھنے سے منع کر دیا، لیکن آپ مسجد میں نماز پڑھنے پر مُصر رہے۔ چنانچہ آپ کے لیے مسجد کے حاشیے کے ساتھ ہائیڈرالک لفٹ لگوائی گئی۔ آپ لفٹ کے سہارے مسجد تشریف لے جاتے۔

آخری برسوں میں وہیل چیئر پر

بیماری اور ضعف نے زور پکڑا اور آپ کے لیے کھڑے ہونا، چلنا دشوار ہو گیا۔ آپ کے آرام کے لیے وہیل چیئر کا اہتمام کیا گیا، تاکہ آپ کو باہر حجرہ شریف اور مسجد تشریف لے جانے میں آسانی ہو۔

ریڑھ کی ہڈی میں تکلیف اور نماز

آخری مہینوں میں تکلیف اتنی بڑھ گئی کہ مسجد جانا چھوٹ گیا، آپ کو تکیوں کے سہارے بٹھانا پڑتا۔ آپ چارپائی پر بیٹھ کر نماز باجماعت ادا فرماتے لیکن اس دوران تکیے ہٹا لینے کی ہدایت فرماتے۔ اصرار کے باوجود آپ نے ایک نماز بھی ٹیک لگا کر ادا نہیں فرمائی۔ ایسی حالت میں جب جسم میں لرزہ طاری رہنے لگا، آپ رکوع اور سجود اُسی خشوع و خضوع سے ادا فرماتے۔

ایک لطیفہ

گرمیوں میں ایک بار آپ عصر کی نماز کی امامت فرما رہے تھے، سہو ہو گیا اور آپ تیسری رکعت میں تشہد میں بیٹھ گئے۔ کسی نے لقمہ نہیں دیا۔ سلام پھیرنے کے بعد باباجیؒ نے

پوچھا کہ ''میں نے کتنی رکعت پڑھائی ہیں؟'' ساتھیوں نے عرض کیا، حضرت! تین رکعت۔ فرمایا، ''آپ نے تو خیال کرنا تھا۔'' پہلی صف کی داہنی سمت میں ایک صاحب نے کہا، ''حضرت! ہم اس لیے نہیں بولے کہ تین رکعت میں کوئی حکمت ہوگی۔'' بابا جی نے فرمایا، ''لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ!'' اور دوبارہ جماعت کرائی۔

سفر میں نماز کا اہتمام

جب بھی آپ سفر کے لیے نکلتے آپ کے بیگ میں وضو کے جملہ لوازمات اہتمام سے رکھے جاتے۔ تانبے کے قلعی شدہ دو لوٹے، مسواک، تولیہ، صابن، کنگھی، سوئی دھاگہ، چپل سب چیزیں سنبھال کر رکھی جاتیں تھیں۔ سفر کے دوران آپ اہتمام سے وضو کرتے تھے۔ نماز قصر ادا فرماتے۔ ہم نے سفر میں کبھی آپ کو سنتیں ادا فرماتے ہوئے نہیں دیکھا۔

بارش میں نماز

بقول ماموں نعیم ایک بار موسلا دھار بارش ہو رہی تھی، آپؒ چھتری لیے برآمدے میں کھڑے تھے۔ صرف چند لمحے بارش تھمنے کا انتظار کیا لیکن وہ چھاجوں برس رہی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ بھئی یہ رکتی نہیں، آؤ ہم چلیں۔ چنانچہ آپؒ نے چھتری سنبھالی اور مسجد کی راہ لی۔

رمضان المبارک

رمضان المبارک تمام مہینوں کا سردار ہے۔ رجب ہی سے حضورِ پاک ﷺ اس کا انتظار شروع فرما دیتے اور رمضان کو پالینے کے لیے یہ دعا مانگتے:

اللھم بارک لنا فی رجب و شعبان و بلغنا الی رمضان. (بیھقی)

ترجمہ: ''اے اللہ! رجب اور شعبان میں ہمیں برکت عطا فرمائیے اور عافیت سے رمضان تک پہنچا دیجیے۔''

اس مبارک دعا سے آپ کا اشتیاق و انتظار کس قدر ظاہر ہو رہا ہے۔ شعبان کے آخری دنوں میں حضورِ اکرم ﷺ اہتمامِ رمضان کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تیار فرماتے۔

چنانچہ ہر دور میں علماء و مشائخ اپنی مصروفیات مکمل ترک فرما کر اِس مہینے کی برکات سمیٹنے میں جُت جاتے۔ کوشش ہوتی کہ کوئی لمحہ ضائع نہ ہو۔ اپنے اکابر و اسلاف کے اتباع میں بابا جیؒ، گھر کے تمام افراد، خانقاہ سراجیہ کے مقیم اور بیرون سے آئے ہوئے احباب شعبان کے آخر میں عبادت کے لیے یکسو ہو جاتے۔ ۲۷/شعبان سے قافلے آنا شروع ہو جاتے۔ ٹرین، بسیں، کاریں، جس کو جو سواری میسر آتی وہ کوشش کرتا کہ ۲۷/شعبان تک خانقاہ پہنچ جائے۔ مہمانوں کی آمد سے قبل ان کی رہائش، آرام، سحری افطاری کے ممکنہ انتظام مکمل کر لیے جاتے۔ رمضان المبارک میں مدرسے کی تعطیلات ہوتیں، چنانچہ مدرسے کے تمام کمرے، درس گاہیں، مسجد کے سامنے مقیمینِ خانقاہ کے سارے کمرے، تسبیح خانہ، مہمان خانہ اور کتب خانہ مہمانوں کے لیے مختص کر دیے جاتے۔ مہمانوں کو اُن کے کمرے میں سحری و افطاری پہنچانے کا اعلیٰ انتظام ہوتا۔ بحمداللہ! یہ سلسلہ باحسن و خوبی جاری ہے۔

بہت سے عشاق ایسے ہیں جو سال ہا سال سے پورا مہینہ خانقاہ سراجیہ کی مسجد میں گزارتے ہیں۔ پرانے ساتھیوں میں مجھے کندیاں کا عبدالرحمٰن ارائیں یاد آ رہا ہے، جس کی

کندیاں بازار میں کپڑے کی دکان تھی۔ اسے خانقاہ اور باباجیؒ سے والہانہ محبت تھی۔ وہ پینتیس چالیس سال سرد گرم موسموں میں کندیاں سے خانقاہ تراویح پڑھنے آتا رہا۔ کراچی سے کیپٹن خالد صاحب کی جب تک صحت ٹھیک رہی وہ ایک عشرہ خانقاہ پاک گزارتے۔ باگڑ سرگانہ سے حکیم ذوالفقار صاحب مرحوم اور میاں مقبول سرگانہ صاحب، میاں خان محمد سرگانہ صاحب، میاں عبدالقادر سرگانہ صاحب، میاں عبدالرحیم سرگانہ، بکھر بار سے حکیم امیر صاحب مرحوم، حکیم غلام علی صاحب، اٹامک کالونی سے رمضان صاحب، ان کا بیٹا عمران اور کنور زاہد فاروق، حاکم خان اور غلام قاسم ہلالی اور ملتان سے حبیب الرحمٰن ہاشمی، شیخ جابر علی اور پروفیسر ڈاکٹر محمد عنایت اللہ، یہ سب وہ عشاق ہیں جو اپنی مصروفیات کے باوجود رمضان المبارک کی راتیں خانقاہ کی مسجد میں گزارتے ہیں۔ غلام قاسم کا کہنا ہے کہ خانقاہ سراجیہ کی تراویح میں قرآن پاک جس ترتیل اور سکون سے تلاوت کیا جاتا ہے اس کے بعد حرمین شریفین کے علاوہ کہیں بھی تراویح میں دل نہیں لگتا۔

ترکِ اسفار اور رمضان کا معمول

باباجیؒ اس مہینے میں اسفار ترک فرما کر مکمل مہینہ اللہ کے ذکر، عبادت، تلاوت، تسبیح، تراویح، مراقبے اور مطالعۂ حدیث میں گزارتے۔ بفضلہٖ تعالیٰ رمضان المبارک کا اہتمام و احترام اور قرآنِ پاک سے اشتغال و اعتناء خانقاہ شریف کا طرۂ امتیاز ہے۔ رمضان المبارک کے شب و روز باباجیؒ یوں گذارتے تھے:

فجر کے بعد: فجر کی نماز اور ختم خواجگان کے بعد آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ، اور عادات و خصائل پر مشتمل امام ترمذیؒ کی مشہور اور جامع کتاب ''الشمائل'' کا متن اور اس کے ساتھ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کا ''خصائل نبوی'' کے نام سے اردو ترجمہ و تشریح پڑھ کر سنایا جاتا، جس میں محدثینِ کرام کا طریقہ ''قرأت علی الشیخ'' ملحوظ رہتا۔ کوئی ایک فاضل پڑھتے، جبکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک نسخہ تپائی پر رکھا ہوا ہوتا جس سے دیکھ کر نہ صرف حضرتؒ سماع فرماتے، بلکہ حسب موقع پڑھنے والے کی

فروگزاشتوں پر تنبیہ بھی فرماتے۔ اس سے آپ کے حدیث شریف سے شغف اور علمی رسوخ کا اندازہ ہوتا تھا۔ خلفاء اور دیگر علماء کرام کے ہاتھ میں بھی کتاب کے نسخے دیے جاتے۔ اس طرح ایک طرف تو قرون اولیٰ کے درسِ حدیث کی یاد تازہ ہوجاتی، اور دوسری طرف حضور اقدس ﷺ کے شمائلِ حسنہ اور خصائلِ طیبہ کی عملی و تطبیقی جھلک حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں سامنے آتی رہتی۔ جو کچھ کتاب میں پڑھا سنا جاتا، وہ سب مجسم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سراپا میں نظر آتا، جس سے کتاب اللہ کے ساتھ سلسلہ رجال اللہ کے امتزاج کی اہمیت کھل کر سامنے آتی تھی۔ عموماً یہ درس تقریباً آدھ گھنٹہ تک جاری رہتا۔ اگر کبھی ماہ رمضان کے اختتام سے قبل ہی کتاب مکمل ہوجاتی تو اس کی جگہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''ریاض الصالحین'' کا کچھ حصہ پڑھا جاتا۔ اس کے بعد امامِ ربانی مجدد الفِ ثانیؒ کے مکتوبات کا درس ہوتا۔ پھر اشراق کے نفل پڑھ کر حضرت گھر تشریف لے آتے۔ دو سے تین گھنٹے آرام فرماتے۔ پھر اُٹھ کر وضو فرماتے اور برآمدے میں بیٹھ کر تلاوت فرماتے۔ بارہ اور ایک بجے کے درمیان باہر تشریف لے آتے۔ خطوط دیکھتے۔ ان کے جواب لکھتے۔ ظہر کی نماز ادا فرماتے۔

ظہر کے بعد: ظہر کی نماز اور ختم خواجگان کے بعد تصوف کی کوئی کتاب مثلاً ''ھدایة الطالبین'' یا ''ایضاح الطریقة'' وغیرہ بھی اسی طرز پر پڑھی جاتی تھیں، جو عام طور پر صاحبزادہ حضرت مولانا عزیز احمد صاحب دامت برکاتہم پڑھا کرتے تھے۔

عصر کے بعد: عصر کی نماز اور ختم خواجگان کے بعد امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریف پڑھے جاتے، جو عام طور پر حضرت کے خلیفۂ مجاز حضرت حاجی عبدالرشید صاحب دامت برکاتہم ضعف و ناتوانی کے باوجود کانپتے ہاتھوں، اور ہانپتے لہجے کے ساتھ پڑھتے، اور بسا اوقات کسی حسب حال جملے پر بے اختیار ''سب کہو سبحان اللہ'' کا نعرۂ مستانہ بھی بلند کر جاتے تھے۔

مسجد میں یہ معمولات، ایمان کی تازگی اور عملِ صالح کا محرک بنتے۔

افطاری سے پہلے: افطاری سے پندرہ منٹ پہلے حجرہ میں تشریف لاتے۔ آپ کی تشریف آوری سے قبل دسترخوان لگ چکا ہوتا۔ لالہ عزیز احمد، لالہ خلیل احمد، لالہ رشید احمد، سعید احمد، نجیب احمد، آپ کے خلیفہ بابو عبدالرشید صاحب، لالہ حاکم اور راقم موجود ہوتے۔ چھوٹے بچے بھی بابا جی کے پاس آ کر بیٹھ جاتے۔ سعید احمد گلاسوں میں دودھ گھوٹا (دودھ اور باداموں کا آمیزہ) ڈال کر سب سے پہلے بابا جیؒ کے سامنے رکھتے۔ ساتھ کھجوریں، فروٹ چاٹ اور پکوڑے دسترخوان پر موجود ہوتے۔ آپؒ بہت کم تناول فرماتے۔ ایک سے تین کھجوریں، تین چار چمچے فروٹ چاٹ، ایک دو چمچے حلوہ چکھتے اور دودھ گھوٹے کا گلاس پی کر مسجد تشریف لے جاتے۔

مغرب کے بعد: مغرب کی نماز کے بعد آپ گھر تشریف لاتے۔ کھانے کے بعد گھر والوں کو مکمل وقت دیتے۔ وقت ملتا تو عشاء کی نماز سے پہلے کچھ آرام فرما لیتے۔

تراویح

مذکورہ بالا مصروفیات تو دراصل اہلِ علم سالکین کے لیے دلیلِ راہ یا زادِ راہ تھیں، جبکہ ہم جیسے مبتدی طلبہ یا عوام الناس ان میں حصولِ برکت کی نیت سے شریک تو ہو جاتے لیکن باتیں ساری ''اوپر'' سے ہی گزر جاتی تھیں۔ البتہ ایک معمول ایسا بھی تھا جس میں ہر عام و خاص کے لیے کشش تھی، وہ خانقاہ شریف کی تراویح کا معمول تھا۔ افطار کے بعد نمازِ مغرب اور پھر کھانے سے فارغ ہو کر آرام کا موقع دیا جاتا تھا۔ رات ساڑھے نو بجے اذان، دس بجے نمازِ عشاء اور سنتوں سے پندرہ منٹ بعد تراویح شروع ہو جاتیں۔ چنانچہ حضرتِ اعلیٰ مولانا ابوالسعد احمد خانؒ کے دور سے رات کے اکثر حصہ میں تراویح پڑھنے کا معمول ہے۔ **كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ،** اور **تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا** کی عملی تفسیر یہاں دکھائی دیتی ہے۔ بیس تراویح میں روزانہ تین پارے تلاوت ہوتی ہے۔ چنانچہ ہر عشرے میں ایک قرآن مجید ختم ہوتا ہے۔ یوں مہینے میں تین قرآن کے ختم کا معمول ہے۔ جتنی دیر چار تراویح پڑھنے میں لگتی ہے، چار تراویح کے

بعد اُسی مقدار کا وقفہ (ترویحة)[1] ہوتا۔ جس میں باباجیؒ اور آپ کے مریدین مراقب رہتے۔

فقہاء کے نزدیک ترویحة مستحب ہے۔ بقول عالمِ نبیل، فقیہِ جلیل حضرت مفتی عبدالستار صاحبؒ، مستحب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے پسندیدہ عمل کو کہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے پسندیدہ اعمال چھوڑنے کے لیے نہیں ہوتے، کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ (روایت مفتی عبداللہ صاحب) اس مستحب کا یہاں جس قدر اہتمام و التزام دیکھا ہے میری معلومات میں شاید دنیا میں کہیں نہیں۔

اس دوران ہم جیسے بے ہمت نوجوان اپنے پیروں کو سہلاتے اور نیند بھگانے کو آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارتے نظر آتے۔ نیز چائے کے عادی حضرات اس وقت کو غنیمت جان کر اُس سے شوق فرما لیتے۔ اس طرح یہ ریاضت تقریباً تین، ساڑھے تین گھنٹہ تک جاری رہتی، جس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف اوّل تا آخر تک شریک رہتے، بلکہ بڑھاپے کے باوجود تمام تراویح کھڑے ہو کر ادا فرماتے۔ مجھے یاد نہیں کہ باباجیؒ نے کبھی تراویح کی ایک رکعت بھی بیٹھ کر پڑھی ہو۔

رات تین بجے کے لگ بھگ وتر پڑھ کے تراویح مکمل ہوتیں، وتروں میں بھی مسنون قرأت کا اہتمام ہوتا۔ باباجیؒ دعا فرماتے، پھر اپنے حجرے میں تشریف لاتے اور پانی کے ایک گلاس میں شہد نوش فرماتے۔ تھوڑی دیر حجرہ میں قیام کے بعد گھر تشریف لے جاتے۔ بقولِ صاحبزادہ نجیب احمد صاحب گھر آ کر دودھ نوش فرماتے۔ پھر قدرے آرام فرماتے جو پندرہ منٹ سے آدھ گھنٹہ تک ہوتا۔ پھر تہجد کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ (یہ صرف سردیوں کا معمول تھا۔ گرمیوں میں وقت کی قلت کی وجہ سے ایسا ممکن نہیں تھا)۔ پھر سحری

۱۔ ترویحة کا لغوی مطلب آرام و سکون، دل کی خوشی اور کلفت کا دور ہونا ہے۔ ترویحة کی جمع تراویح ہے۔ اس کو ترویحہ اس لیے کہتے ہیں کہ ہر چار رکعت کے بعد لوگ آرام کر لیں۔ (لسان العرب، لابن منظور الافریقی، مادہ روح، ج ۵، ۶، ص ۲۵۶)

تناول فرماتے۔ جیسے ہی اذان ہوتی دس منٹ بعد گھر پر فجر کی دو سنت ادا فرما کر نماز کے لیے مسجد تشریف لے جاتے۔

سحری وافطاری کا انتظام

جب تک آپا جیؒ حیات رہیں، سحری اور افطاری کے وقت لنگر اور مطبخ خود سنبھالتیں تھیں۔ ہم وقت پر مطبخ میں پہنچ جاتے۔ لالہ خلیل چنگیر میں سے روٹیاں گن گن کر رومال میں لپیٹتے۔ لالہ عزیز تمام کمروں کے ڈونگے ترتیب سے رکھتے، ہم لکڑی کی سینی اٹھا کر اپنی تیاری مکمل کرتے۔ آپا جی خود، یا جس کے ذمہ ڈیوٹی ہوتی سالن ڈالتا، ساتھ اس سینی میں لالہ خلیل حساب سے لپیٹی ہوئی روٹیاں دیتے۔ سعید احمد، نجیب احمد اور لالہ رشید احمد، ہم باہر لنگر میں کھانا پہنچاتے۔ بعد کے برسوں میں لالہ عزیز احمد اور خلیل احمد کی ڈیوٹی سعید احمد اور نجیب احمد نے سنبھال لی۔ اب ماموں خورشید کے بیٹے شکیل احمد، عقیل احمد اور ماموں منیر کے بیٹے ماجد منیر ماہِ رمضان میں یہ خدمت سرانجام دیتے ہیں۔

مریضوں کی سحری وافطاری

کھانے میں مریضوں کا خاص خیال رکھا جاتا۔ بلڈ پریشر کے مریضوں کا کھانا الگ ہوتا۔ شوگر کے مریض کی چائے بغیر چینی کے جاتی۔ کسی بیمار یا ضعیف شخص نے چاول یا موٹی روٹی کھانی ہو تو اُس کا اہتمام کیا جاتا۔ **وللہ الحمد!**

اعتکاف

خانقاہ سراجیہ کی مسجد میں رمضان کے مہینے میں معتکف حضرات کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہو رہا ہے۔ گزشتہ چند سال سے سو کے لگ بھگ افراد معتکف ہوتے ہیں۔ افطاری کے لیے مسجد کے کشادہ وسیع وعریض صحن کی مغربی سمت دسترخوان بچھتا ہے۔ اور معتکف حضرات میں ہر ایک کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ مخدوم کی بجائے خادم بنے۔ گزشتہ کئی برس سے لالہ عزیز احمد ہر سال باقاعدگی سے اعتکاف کا اہتمام کرتے ہیں۔ مغرب کی نماز کے بعد مسجد کے برآمدے میں جنوبی سمت ستون سے ٹیک لگائے نظر آتے ہیں۔ چونکہ لالہ جی کی

شخصیت میں ذوقِ مطالعہ یوں رچا ہوا ہے جیسے برگِ گل پہ بادِ سحرگاہی کا نم، اس لیے اعتکاف کے دوران کتابیں آپ کے سرہانے رہتی ہیں۔ ذوقِ خوش لباسی کے باوجود باباجیؒ کی طرح سادہ لباس کو ترجیح دیتے ہیں۔ ۲۷/اور ۲۹/رمضان المبارک کو مسجد میں نمازیوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ امام کا مصلیٰ برآمدے میں بچھانے کے باوجود صحن میں گنجائش نہیں ہوتی۔ نمازی سیڑھیوں سے نیچے ریت پر رومال بچھا کر نماز ادا کرتے ہیں۔

ختمِ قرآن کی طویل دعا

باباجیؒ تیسرے ختمِ قرآن کی تراویح کے بعد ہر سال طویل دعا کرتے اور مسجد کی خاموش فضا میں سسکیوں اور آہوں کی آوازیں سنائی دیتیں۔ ختم کے بعد بسیں، ویگنیں، کاریں، ٹیکسیاں تیار کھڑی ہوتیں۔ باباجیؒ سے مصافحہ کرنے والوں کی کثیر تعداد کے باعث پون گھنٹہ لگ جاتا۔ اس کے باوجود صبح کی نماز میں دو اڑھائی صفیں اس بات کی گواہ ہوتیں کہ یہ تمام احباب عید باباجیؒ کے ساتھ کریں گے۔

بیماری کے ایام میں رمضان

آخری سالوں میں جب آپ صاحب فراش تھے اور وہیل چیئر پر آپ کو گھر سے لایا اور لے جایا جاتا تھا، آپ کے لیے چونکہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ممکن نہیں تھا، آپ اپنے کمرے میں بیٹھ کر نماز پڑھتے۔ پہلے قاری انیس الرحمٰن مرحوم جماعت کراتے تھے بعد میں یہ ذمہ داری قاری ریحان صاحب نے نبھائی۔ ایک صاحب تشریف لائے، آپ کے ضعف کی کیفیت دیکھ کر عرض کیا کہ آپ ٹیک لگا لیا کریں۔ تو باباجیؒ نے انکار فرما دیا۔ ان صاحب نے روایت بیان کی کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک تکلیف کے دوران ٹیک لگا کر نماز پڑھی۔ لیکن آپ نے آخری سانس تک ٹیک لگا کر نماز ادا نہیں فرمائی۔ میں نے ایک سال مکمل تراویح قاری ریحان صاحب کی امامت میں باباجیؒ کے ساتھ ان کے کمرے میں ادا کیں۔ بقول ڈاکٹرز باباجیؒ کے لیے جوس، پانی انتہائی ضروری تھا۔ بہت کوشش کی کہ آپ روزہ نہ رکھیں کیونکہ آپ کی صحت متحمل نہیں، آپ کو شرعی رخصت حاصل ہے۔ لیکن آپ نے ایک

بھی روزہ قضا نہ فرمایا۔ میں نے اپنا معمول بنالیا کہ آٹھ تراویح کے بعد بابا جیؒ کو پانی کا گلاس پیش کر دیتا۔ انکار آپؒ کا مزاج نہیں تھا۔ ہمیں تسلی ہو جاتی کہ اسی بہانے آپ نے دو تین گھونٹ نوش فرما لیے ہیں۔

ایک دن چھ تراویح کے بعد ہم نے پلٹ کر دیکھا تو آپؒ کی طبیعت بہت نڈھال تھی۔ سعید احمد نے آپ کو لٹا دیا۔ میں نے آہستگی سے عرض کیا کہ بابا جی! اجازت ہو تو بقیہ تراویح میں آخری سورتیں پڑھ لی جائیں؟ فرمایا کہ ضرور پڑھ لی جائیں۔ پانچ سات منٹ بعد سعید احمد نے آپ کو سہارا دے کر بٹھا دیا اور نجیب احمد نے سوال کیا کہ بابا جی! بھائی حامد نے آپ سے تیسویں پارے کی آخری سورتوں کا پوچھا ہے، کیا وہی باقی تراویح میں پڑھ لیں؟ لبوں پر تبسم ابھرا اور فرمایا کہ بھئی کیا حامد تھک جاتا ہے؟ پھر قاری صاحب نے منزل وہیں سے شروع کی جہاں سے چھوڑی تھی اور ہم نے ۲۹؍رمضان کی رات کو ختم کیا۔ ایک اہم بات کہ ضعیفی کے باوجود قاری صاحب کو یہ ہدایت تھی کہ تراویح میں قرآن ترتیل سے پڑھا جائے۔ اور بابا جی کے رکوع و سجود میں وہی ٹھہراؤ تھا جو صحت کے زمانے کی نمازوں میں معمول تھا۔

قاری مفتاح الاسلام کی قرأت

ماضی قریب سے تراویح کی امامت کے لیے ہر سال نئے قراء منتخب ہوتے ہیں۔ یوں تو خانقاہِ سراجیہ کے تمام ائمۂ تراویح ترتیل و تجوید سے صاف اور رواں تلاوت کرتے ہیں لیکن قاری مفتاح الاسلام صاحب کی دلکش حجازی لہجے میں مسحور کن، وجد آفریں تلاوت سن کر دِل جھوم جھوم جاتا ہے۔ پختگی، ٹھہراؤ، صاف اور صریح تلفظ، قواعد کی بلا تصنع رعایت، سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی آواز، روانی اور تسلسل قاری صاحب کی تلاوت کا جزوِ لازم ہے۔ اس پر سونے پر سہاگہ ہے مسجدِ خانقاہ کا روحانی و عرفانی ماحول، جہاں اکابرین (حضرتِ اعلیٰؒ، حضرتِ ثانیؒ اور ہمارے حضرتِ خواجہؒ) کے انفاس طیبہ رچے بسے ہیں۔ یہاں ان کی قرأت میں تراویح کا مزہ دوبالا ہو جاتا ہے۔ بارہا یوں محسوس ہوا کہ یہ گناہ گار جسم زمانۂ

نزولِ قرآن میں جا پہنچا۔

ع یہ نصیب، اللہ اکبر، لوٹنے کی جائے ہے

قاری مفتاح الاسلام کا بہت سالوں سے آخری عشرہ میں پڑھنے کا معمول تھا۔ چند سال سے قاری صاحب گلے کی تکلیف کی وجہ سے آخری عشرہ کی بجائے پہلے عشرے میں سناتے ہیں۔ میرے والد صاحبؒ اپنی دن بھر کی مصروفیات کے باوجود آخری مکمل عشرہ قاری مفتاح الاسلام کی اقتدا میں پڑھتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہماری خانقاہ کی خوش نصیبی ہے کہ قاری صاحب موصوف نہ صرف ہمارے مدرّس ہیں، بلکہ امام بھی ہیں۔ آپ کی تلاوت کے دوران نہ اونگھ آتی ہے نہ تھکن قریب پھٹکتی ہے۔

بابا جیؒ کی قاری مفتاح الاسلام سے محبت وشفقت

قاری صاحب کا کہنا ہے کہ ایک بار نماز پڑھاتے ہوئے دوسری رکعت میں میری آواز بالکل بیٹھ گئی۔ نماز کے بعد بابا جیؒ نے اپنے حجرہ میں بلوایا۔ ایک معجون کی نفیس سی ڈبیا عنایت کی۔ فرمایا کہ قاری صاحب! آپ یہ استعمال فرمائیں، اللہ کرم کرے گا۔ انشاء اللہ تکلیف رفع ہو جائے گی۔ قاری صاحب کا کہنا ہے کہ رات میں نے اس معجون کی چوتھائی چمچ خوراک لی۔ بابا جیؒ کی دعا کی برکت اور اللہ کے کرم سے صبح کی نماز میں جب میں نے امامت کرائی تو گلا بالکل ٹھیک تھا، ایسے جیسے کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔

عید

نقارہ

ہمارے بچپن میں وضو خانے کی چھت پر ایک بیضوی شکل کا "نقارہ" رکھا رہتا تھا، جس پر چمڑہ مڑھا ہوا تھا۔ افطار کے اعلان کے لیے ہم اسے بجاتے تھے۔ تب بابا جیؒ کے کمرے کے سامنے برآمدہ تعمیر نہیں ہوا تھا۔ ہم وضو خانے کی چھت پر چڑھ کر نظریں بابا جیؒ پر جما لیتے کہ کس وقت آپ نقارہ بجانے کا حکم دیتے ہیں۔

عیدالفطر کا چاند

۲۹ر رمضان کو غروبِ آفتاب کے بعد سب کی نظریں آسمان کی جانب ہوتی تھیں۔ تب خانقاہ سراجیہ میں نہ تو ٹیلی فون کی سہولت موجود تھی اور نہ ہی اس وقت رویتِ ہلال کمیٹی کا وجود تھا۔ چنانچہ چاند کو تلاشتے اور کھوجتے نگاہیں تھک جاتیں۔ باحسرت و یاس ایک VILLY JEEP پر کندیاں جانے کی ترتیب بنتی۔ ابو، عزیز احمد، خلیل احمد، رشید احمد، بشیر اور ایک دو ساتھی ہمراہ ہوتے۔ مشرقی سمت، نہر کے کنارے کندیاں تک گھنے شیشم کے سایہ دار درخت تھے۔ ہم جیپ پر سوار عازمِ کندیاں ہوتے اور خواہش یہ ہوتی کہ چاند جلدی سے نظر آئے تاکہ بابا جیؒ کو جلد اُس کی اطلاع دی جائے۔ بابا جیؒ مسجد میں عشاء کی نماز پڑھ کر ہماری واپسی کا انتظار فرمایا کرتے تھے۔

کندیاں ایکسچینج پہنچ کر ہم وہاں ٹوٹی پھوٹی کرسیوں اور چارپائیوں پر براجمان ہو جاتے۔ زیادہ سے زیادہ دو یا تین نمبر ملانے ہوتے، جن کے ملانے پر آپریٹر کو کہیں اڑھائی تین گھنٹے لگ جاتے۔

کندیاں پہنچ کر تمام وقت ہمارے ذہن خانقاہ میں اٹکے رہتے کہ بابا جیؒ کو جا کر جلد اطلاع کرنی ہے اور پھر نقارہ بھی بجانا ہے۔ آپریٹر نے کہا، یہ لیں جی، کوئٹہ کال مل گئی ہے۔ وہاں ایک عالمِ دین سے ابو کی بات ہوئی اور انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس دو شہادتیں چاند

دیکھنے کی آئی ہیں، آپ قبلہ خواجہ خان محمد صاحبؒ کی خدمت میں عرض کر دیں۔ ہم خوشی سے اچھل پڑتے۔ واپسی کا سفر خوشی میں کٹ جاتا۔ بھاگتے سیڑھیاں پھلانگتے اور پھولے ہوئے سانس کے ساتھ بابا جیؒ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کرتے، بابا جی! چاند نظر آ گیا ہے۔ آپؒ نقارہ بجانے کا حکم فرما دیتے۔ اور ہم وضو خانے کی چھت پر چڑھ کر چوب سنبھال لیتے اور خوب خوب نقارہ بجاتے۔ بصورت دیگر تراویح میں تین سیپاروں کا معمول پورا کیا جاتا۔

عید کے روز ہم شرینہ (سِرَس کا درخت، جس کے پھول زردی مائل ہوتے ہیں، ان کی بھینی بھینی خوشبو ہوتی ہے) کے مضبوط ٹہنے پر پینگ ڈال کر جھولا بھی جھولتے تھے۔

راقم کے گھر عید

۱۹۵۶ء میں مسند نشین ہونے کے بعد بابا جیؒ کا یہ معمول رہا کہ آپؒ عید ہمیشہ ہمارے گھر مناتے۔ عید کے روز آپ اُجلا لباس زیب تن فرماتے، عطر کی بھینی بھینی مسحور کن خوشبو میں بسے آپ نمازِ فجر کے لیے تشریف لے جاتے۔ خلیل احمد تیار ہو کر ہمیشہ آپ کے ساتھ جاتے۔ نماز کے بعد جب ختمِ خواجگان کا معمول مکمل ہو جاتا تو آپ سب ساتھیوں سے عید ملتے۔ تھوڑی دیر اپنے حجرہ مبارک میں قیام فرماتے۔ متعلقین اور مریدین کی تواضع مدینہ شریف کی کھجور اور آبِ زم زم سے کی جاتی۔ بعد میں سویاں، پراٹھے اور چائے آ جاتی۔ تمام زائرین سے عید مل کر بابا جی قبلہؒ ہمارے غریب خانے پر تشریف لاتے۔ سب سے کشادہ کمرے میں دستر خوان لگتا۔ آپ کی تشریف آوری سے پورا گھر نور سے معمور ہو جاتا۔ بابا جیؒ کی تشریف آوری سے قبل آپ کی بیٹی بی بی کلثوم موجود ہوتیں اور بے چینی سے بابا جیؒ کا انتظار کرتیں۔ بابا جیؒ کے پہنچتے ہی وہ ساتھ بیٹھ جاتیں اور پھر وقفے وقفے سے عزیز احمد، رشید احمد، سعید احمد، نجیب احمد، ماموں نعیم، ماموں خورشید، بھائی سہیل اور ان سب کے ساتھ ان کے گھر والے اور بچے آنا شروع ہو جاتے۔ کشادہ کمرا بھر جاتا، گھر کی تمام خواتین، مرد، بچے جمع ہوتے اور بابا جیؒ کی موجودگی میں خوشی کا سماں صرف دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، بیان ممکن نہیں ہے۔ بابا جیؒ اپنی پلیٹ میں مرغی کے سالن کی ایک چھوٹی سی بوٹی اور آدھا، کبھی پورا

کباب، کلیجی کے دو تین قتلے رکھتے، روٹی کے دو چار لقمے نوش فرماتے۔ اسی دوران خلیل احمد چائے کا شعبہ سنبھال لیتے۔ سب سے پہلی پیالی اہتمام سے بابا جیؒ کے لیے تیار کرتے۔ تین سے چار چمچے چینی بابا جیؒ چائے میں پسند فرماتے تھے۔ عزیز احمد کی شستہ اور شگفتہ گفتگو سے محفل کشتِ زعفران بن جاتی۔ بابا جیؒ کو چائے دے کر خلیل احمد سب کو چائے بنا کر دیتے۔ کسی برس یہ ذمہ داری سعید احمد نبھاتے۔ کشادہ کمرے میں گنجائش نہ رہتی تو خواتین اور بچوں کے لیے دوسرے کمروں میں دستر خوان لگا دیے جاتے۔ ناشتے کے بعد بابا جیؒ ہمارے فراخ برآمدے میں تشریف لے آتے اور گھر کی ساری خواتین، بڑے، بچے سب بابا جیؒ کے ارد گرد جمع ہو جاتے۔ سب کو عیدی کا انتظار ہوتا۔ بابا جیؒ گھر کی خواتین کو پانچ پانچ سو روپیہ عیدی دیتے۔ حویلی کی تمام بیٹیوں کو سو سو روپے اور بچوں میں دس دس روپے بانٹتے۔

باہر درویشوں میں ناشتہ بھیجنے کی ذمہ داری جوانی میں تو ہم نبھاتے تھے اب چند برسوں سے یہ ذمہ داری شکیل، عقیل اور ماجد نبھاتے ہیں۔ وہ اس وقت ہمارے گھر آتے جب بابا جیؒ کے جانے کا لمحہ ہوتا۔ ان کے لیے ہم الگ سے دستر خوان لگاتے اور وہ ناشتہ کرتے۔

بابا جیؒ ہمارے گھر سے اپنے گھر آرام کے لیے تشریف لے جاتے کیونکہ نو بجے کے بعد برادری کے بزرگ حضرات عید ملنے کے لیے آنا شروع ہو جاتے۔

دسترخوان

بقول مولانا سیّد محمد سلیمان ندویؒ، ''آدمی کی پہچان دسترخوان پر ہوتی ہے۔'' یعنی آدمی کتنا مہذب ہے، اِس کا جواب دسترخوان پر ملتا ہے۔ بقول شیخ سعدیؒ، ''کھانا زندگی کے لیے ہے، زندگی کھانے کے لیے نہیں۔'' اس پر حضرت بابا جیؒ کا کس قدر عمل تھا۔

برادرم خلیل احمد صاحب فرماتے ہیں، حضرت بابا جیؒ جہاں کم گو تھے وہاں کم خوراک بھی تھے۔ عین صحت کے زمانے میں بھی ۲۴ گھنٹوں میں اڑھائی چپاتی سے زیادہ تناول نہیں فرماتے تھے۔ پوری زندگی کبھی کھانے میں نقص نہیں نکالا اور نہ کبھی کوئی فرمائش کی۔

حافظ محمد عابد صاحبؒ حضرت بابا جیؒ کے ہم رکاب تھے۔ عجلت میں ہمارے گھر تشریف لائے اور فرمایا، حضرت نے آرام کرنا ہے، جلدی سے گھر میں جو پکا ہے وہ پیش کردو۔ گھر میں جو کھانا تھا وہ پیش کر دیا گیا۔ رخصتی پر والدہ نے معذرت کی کہ ہم آپ کی کوئی خدمت نہ کر سکے۔ آپؒ نے فرمایا، بھئی! فقیر اپنے گھر میں یہی دال ساگ کھاتا ہے۔ [ڈاکٹر عابد خاکوانی]

بابا جیؒ نہایت شائستگی، وقار اور سیر چشمی کے ساتھ کھانا نوش فرماتے۔ لقمہ اٹھانا، لینا، چبانا اس میں ایک سبھاؤ ہوتا تھا۔ بقول پروفیسر ڈاکٹر محمد علی صاحب، مولانا خان محمد صاحبؒ کو میں نے حریصانہ انداز میں کھاتے نہیں دیکھا۔

بابا جیؒ کو میٹھی چیزیں مرغوب تھیں۔ پھلوں میں آم اور انگور پسند تھے۔ چائے کا بہت عمدہ ذوق تھا۔ سیپاریٹ چائے (دودھ علیحدہ اور قہوہ علیحدہ) نوش فرماتے جس کے دو ہی وقت تھے، صبح ناشتے میں اور شام کو عصر سے قبل۔ سردیوں میں تہجد کے بعد بھی ایک پیالی چائے نوش فرماتے جو میری والدہ بناتیں، ان کے انتقال کے بعد یہ خدمت بندہ انجام دیتا۔ رات کو دودھ نوش فرماتے، سردیوں میں گرم اور گرمیوں میں ٹھنڈا۔ ناشتے میں سردیوں میں تلا ہوا انڈا اور گرمیوں میں بالائی اور شہد کے ساتھ آدھا پراٹھا تناول فرماتے۔

[صاحبزادہ خلیل احمد صاحب]

''ایک آدمی نے بے خیالی میں دسترخوان پر پاؤں رکھ دیا۔ حضرت قبلہ بابا جیؒ نے فرمایا، بھائی! اس پر پاؤں نہیں رکھتے یعنی اس کا بھی ادب ہے۔''

''ملتان میں ایک صاحب کے ہاں دعوت تھی۔ انواع و اقسام کے پر تکلف کھانے حضرتؒ کے لیے تیار کرائے گئے۔ اللہ کی شان! حضرت کے بالکل سامنے ساگ کا ڈونگا آ گیا۔ حضرت بابا جیؒ نے اسی میں سے سالن لیا، کسی اور سالن کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا، نہ کسی سے فرمائش کی بس اپنے سامنے سے کھاتے رہے۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ **کُل مما یلیک** (جو تمہارے قریب ہے اس میں سے کھاؤ) پر عمل ہو رہا ہے۔''

[حبیب الرحمٰن ہاشمی]

برادرم سعید احمد کی نمکین چائے

انگلستان کے سفر میں ایک دوست کے ہاں قیام تھا۔ صبح کی چائے کا وقت تھا اور برادرم سعید احمد صاحب نے حضرت بابا جیؒ کے ذوق کے مطابق چائے دم کی اور ساقی گری کا فریضہ انجام دینے لگے۔ باورچی خانے میں شکر اور نمک ہم شکل ڈبوں میں ساتھ ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ اللہ کی شان! سعید احمد صاحب چینی سمجھ کر نمک چائے میں ڈالتے رہے۔ چونکہ حضرت بابا جیؒ ''لب دوز'' یعنی نہایت شیریں چائے نوش فرماتے تھے، اسی بنا پر سعید صاحب نے متعدد چمچے ڈالے اور اپنے زعم میں نہایت شیریں چائے حضرت بابا جیؒ کو پیش کی۔ بابا جیؒ نے وہ نمکین چائے پینی شروع کر دی۔ باقی حضرات کے ساتھ بھی یہی نمکین سلوک ہوا مگر جب سعید صاحب نے اپنی پیالی لبوں سے لگائی تو احساس ہوا کہ میں جسے چینی سمجھ رہا تھا وہ تو نمک تھا اور حضرت کس قدر نمکین چائے خاموشی سے نوش فرما رہے ہیں۔ عرض کیا، بابا جیؒ! آپ نے بتلایا نہیں۔ آپؒ نے فرمایا، بھئی! میں نے سوچا کہ تمہارے ہاتھوں کتنی میٹھی چائے پی ہیں، ایک یہ بھی سہی۔ نیز مجھے یہ بھی خیال آیا کہ تم جب پیو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

ظرافت وخوش طبعی

ظرف اور ظرافت میں ایک معنوی ربط ہے یعنی ظریف کو صاحبِ ظرف ہونا چاہیے۔ظرف جس قدر اعلیٰ ہوگا ظرافت اتنی ہی معیاری ہوگی جبکہ تنگ ظرفی،ظرافت کو نچلی سطح پر لے آئے گی۔عالی ظرف کے ہاں ظرافت میں اک سلیقہ شعاری،ایک شائستگی اور ایک تہذیب کا رَچاؤ ہوگا۔اس کے مزاح میں تمسخر،پھبتی اور بد مذاقی نہیں ہوگی۔

[ڈاکٹر عاصی کرنالی]

حضرت بابا جیؒ محض خشک صوفی ہی نہ تھے، بلکہ ساتھیوں کی مجلس میں لطیف مزاح بھی فرماتے۔محمد یوسف نے قبلہ حضرت بابا جیؒ کا ایک مزاحیہ جملہ سنایا کہ ایک دن سفر میں آپ کی عصر کی چائے کو کافی دیر ہوگئی۔میزبان نے عرض کیا کہ حضرت بابا جیؒ چائے کو کافی دیر ہو گئی ہے تو حضرت بابا جیؒ نے فرمایا، بلکہ چائے قضا ہو رہی ہے۔

ایک دعوت میں ایک ساتھی، جو حافظ بھی تھے،حضرت بابا جیؒ کے شریکِ طعام تھے۔فرنی کا پورا ڈونگا حافظ صاحب نے اپنی رکابی میں انڈیل لیا۔حضرت بابا جیؒ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔آپؒ نے فرمایا، اپنی رکابی میں انڈیلنے کا آپ نے تکلف ہی فرمایا۔اسی میں کھا لیتے۔

[برادرم عزیز احمد صاحب]

ایک مجلس میں ایک ساتھی حضرت کو سیب کاٹ کر کھلا رہا تھا۔سیب کاٹتے ہوئے وہ چھلکے اتار کر دوسری پلیٹ میں رکھ رہا تھا۔اس موقع پر حضرت بابا جیؒ نے ایک مشہور لطیفہ سنایا کہ ایک دفعہ ایک شخص سیب کے چھلکے اتار رہا تھا، دوسرا شخص چھلکوں کے طبی فوائد بیان کرنے لگا کہ اس میں فلاں فلاں وِٹامن ہوتے ہیں۔ پہلے شخص نے چھلکوں کے طبی فوائد بیان کرنے والے سے کہا کہ اگر اِس کے اتنے ہی فوائد ہیں تو یہ تم کھا لو، میں تو سیب کے اندر والا حصہ ہی کھاؤں گا۔اس موقع پر حضرت بابا جیؒ نے ساتھیوں سے مزاحاً پوچھا کہ آپ لوگوں میں سے تو چھلکوں کے طبی فوائد بیان کرنے والا کوئی نہیں؟ حضرت بابا جیؒ کی اس

بات پر کافی دیر تک مجلس خوشگوار رہی۔ [سیّد مقصود علی صدیقی]

مولانا افتخار الحسن صاحب (مرحوم) کے صاحبزادے کے انتقال پر ہمارے حضرت بابا جیؒ اور صاحبزادہ محمد عابد صاحبؒ تعزیت کے لیے گئے۔ مولانا سے تعزیت کی تو مولانا فرمانے لگے کہ افسوس تو یہ ہے، اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا نہیں۔ اگر اس کا کوئی بیٹا فوت ہوتا تو پھر پتا چلتا کہ بیٹا مرنے کا کتنا دکھ ہوتا ہے۔

جب طبیعت بحال ہوگئی تو مولانا نے حضرت بابا جیؒ سے پوچھا کہ چائے دیوبندیوں والی پیو گے یا بریلویوں والی؟ حضرت نے پوچھا، اس میں کیا فرق ہے؟ تو مولانا نے کہا کہ دیوبندیوں کی چائے یہ ہے کہ فقط چائے کی پیالی آجائے گی اور بریلویوں والی چائے کے ساتھ مٹھائیاں بھی اڑتی ہوئی چلی آئیں گی۔ گویا مولانا کا غم بھی ہنسی مذاق سے بھرا ہوا تھا۔

[حاجی محمد یعقوب]

مکہ مکرمہ میں صاحبزادہ محمد عابد صاحب اور راقم الحروف کھانے پکانے کی چیزیں خریدنے گئے۔ ہمیں چائنا کا بنا ہوا ایک خوبصورت مگ نظر آیا جس پر ربڑ کا ڈھکنا تھا۔ صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ یہ مگ حضرت بابا جیؒ کے لیے لے لیتے ہیں، وہ اس میں چائے نوش فرمائیں گے۔ ہم خوشی خوشی مگ لے کر مکان پر پہنچے اور حضرت بابا جیؒ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے عرض کیا کہ حضرت! یہ مگ صرف آپ ہی استعمال فرمائیں گے، کوئی اور اسے استعمال نہیں کرے گا۔ حضرت نے فرمایا، ابھی سے میرے برتن علیحدہ کر رہے ہو۔ یہ سن کر ہم پر اُوس پڑ گئی۔

پٹھان سیدھے سادے مسلمان ہوتے ہیں اور ان کے لطائف بہت مشہور ہیں۔ ایک ساتھی نے کسی پٹھان کا لطیفہ سنایا کہ وہ قبرستان میں بیٹھا نشہ کر رہا تھا۔ اچانک ایک سپاہی ادھر آنکلا۔ خان صاحب نے وہ چیزیں ایک طرف چھپا دیں اور ایک قبر پر فاتحہ پڑھنے لگا۔ سپاہی نے پوچھا، کیا کر رہے ہو؟ خان صاحب نے جواب دیا کہ والد صاحب کی قبر پر ایصال ثواب کر رہا ہوں! سپاہی نے کہا، یہ قبر تو کسی بچے کی ہے۔ خان صاحب نے

جواب دیا کہ وہ بچپن میں ہی فوت ہو گیا تھا۔

ایک مرتبہ ہمارے حضرت بابا جیؒ نے فرمایا کہ ایک خان صاحب کے گھر اُن کے پیر صاحب تشریف لائے۔ خان صاحب نے اپنے دوستوں کو بلا رکھا تھا۔ جب پیر صاحب بیٹھ گئے تو خان صاحب نے تعریف شروع کی کہ ہمارے پیر صاحب پانی پر چلتے ہیں، ہوا میں اڑتے ہیں، اولاد دیتے ہیں، صحت اور بیماری دیتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ پیر صاحب برابر تردید کر رہے تھے کہ نہیں میں ایسا نہیں ہوں، یہ آدمی غلط بات کر رہا ہے۔ خان صاحب نے کہا کہ حرامزادہ کسر نفسی می کند و لے خدا است! (یہ حرام زادہ انکساری سے کام لے رہا ہے ورنہ یہ خدا ہے، معاذ اللہ!)

حضرت بابا جیؒ گزشتہ ۲۱ سال سے ہمارے غریب خانے پر تشریف لا رہے ہیں، عموماً دو تین دن قیام فرماتے۔ بعض دفعہ ایک مہینے میں دو تین بار بھی تشریف لائے۔ ایک دن مجھے قریب بُلا کر فرمایا، حاجی صاحب! ہمیں بھگانا چاہتے ہو؟ میں نے پوچھا، کیسے حضرت! فرمایا، ہمیں بھگانا چاہتے ہو تو سالن میں مرچیں دبا کے ڈالو۔ مجھے اس کی ایسی سمجھ آئی کہ مرچ پھر کبھی زیادہ نہ ہوئی۔

حضرت نے ایک حاجی صاحب کا واقعہ سنایا کہ حج سے فارغ ہوئے تو دعا کرنے لگے، یا اللہ! ہمارے ہاں کوئی آدمی غلط کرتا ہے تو اس کے کپڑے اتار لیے جاتے ہیں، تُو نے ہمارے کپڑے اتار دیے ہیں، ہمیں احرام پہنایا۔ پھر اس مجرم کا سر مونڈ دیا جاتا ہے، تُو نے ہمارا سر منڈوا دیا۔ پھر اس کو گدھے پر بٹھایا جاتا ہے، تو نے ہمیں گدھے پر بٹھا کر منیٰ، عرفات کا سفر کرایا ہے۔ پھر اس کا منہ کالا کر دیا جاتا ہے، یا اللہ! مہربانی فرمانا، ہمارا منہ کالا نہ کرنا۔ اس عذاب سے بچانا۔ یا اللہ! تیری رضا مندی کے لیے ہم نے سارے کام کیے، اب اتنی مہربانی فرما کہ مجھے یہاں حرم کی موت عطا فرما۔ ابھی اس کے لفظ ختم نہیں ہوئے تھے کہ سخت بخار چڑھ گیا۔ کہنے لگا، یا اللہ! مجھے کیا پتا آپ میری دعا قبول فرمانے کے لیے انتظار میں بیٹھے تھے۔ مہربانی فرما کر مجھے صحت عافیت سے بچوں میں پہنچا۔ حضرت خوب تبسم

فرما رہے تھے۔ [حاجی محمد یعقوب]

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا اجلاس جامع مسجد شیرانوالہ گیٹ، حضرت لاہوری کی بیٹھک میں ہوا، جس کے میزبان حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب تھے اور ہمارے حضرت بابا جیؒ کے علاوہ مولانا عبدالستار نیازی، علامہ علی غضنفر کراروی اور علامہ احسان الٰہی ظہیر بھی تھے۔ کھانے میں راقم الحروف بھی شامل تھا۔ سب خوب مزے سے کھانا کھا رہے تھے کہ علامہ احسان الٰہی ظہیر نے حضرت کو مخاطب کر کے کہا کہ حضرت! اس طرح کا کھانا ہر ماہ ہونا چاہیے۔ حضرت نے پوچھا کہ کیوں؟ علامہ نے جواب دیا کہ جب اس طرح مل کر کھانا کھا لیتے ہیں تو پھر دو مہینے تک ایک دوسرے کے خلاف بولنے کو جی نہیں چاہتا۔ حضرت یہ بات سن کر بہت محفوظ ہوئے اور تمام ساتھی بھی خوب ہنسے۔

گول گول

ایک مرتبہ حضرت خانقاہ شریف میں تشریف فرما تھے کہ ایک صاحب نے حضرت سے عرض کیا کہ میرے دوستوں کو فرمائیں کہ وہ میرے لیے اولادِ نرینہ کی دعا کریں۔ حضرت نے فرمایا، ان کو گول گول دو۔ پوچھا گیا، حضرت! گول گول کیا ہیں؟ فرمایا، جب حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ بالاکوٹ میں لڑ رہے تھے تو دشمن کا پلہ بھاری تھا۔ حضرت شہید کو کسی نے بتایا کہ ایک مجذوب دشمن کے لیے دعائیں کر رہا ہے، اس لیے وہ غالب آ رہے ہیں۔ حضرت موقع پا کر اُس مجذوب کے پاس پہنچے اور شکایت کی کہ آپ مسلمانوں کی بجائے سکھوں کے لیے دعائیں کر رہے ہیں۔ اس نے جوب دیا کہ وہ مجھے مٹھائی کے گول گول لڈو پیش کرتے ہیں، اس لیے ان کے لیے دعا کرتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت شہید نے باقاعدہ لڈوؤں کے ڈبے بھیجنے شروع کیے، پھر کام بنا۔

گھڑی کا میوزک

قاری عبدالرحمٰن کے حجرے میں سکوت طاری تھا۔ حجرے کی دیوار پر لگی ہوئی گھڑی نے میوزک بجانا شروع کر دیا جو کئی منٹ تک جاری رہا۔ جب میوزک بند ہوا تو حضرت بابا

جیؒ نے مسکراتے ہوئے سوالیہ انداز میں ارشاد فرمایا، کیا اس گھڑی کا تعلق سلسلۂ چشتیہ سے ہے؟ یہ سن کر حاضرین مسکرا دیے۔

فرشتوں کا نقارہ

مولانا ضیاء القاسمی (مرحوم) بہت سخی تھے۔ ۱۹۸۴ء کی تحریکِ ختمِ نبوت میں مجلسِ عمل کا اجلاس ان کے گھر پر تھا۔ انہوں نے پُر تکلف دعوت کا اہتمام کیا تو حضرت بابا جیؒ نے حضرت ثانیؒ کا ایک لطیفہ سنایا کہ جب کوئی عالمِ دین کسی عالمِ دین کی دعوت کرتا ہے تو آسمان پر ایک فرشتہ نقارہ بجاتا ہے، باقی فرشتے پوچھتے ہیں کہ کیا انہونی ہوئی؟ تو وہ کہتا ہے کہ ایک عالم نے دوسرے عالم کی دعوت کی ہے۔ اس کے بعد بابا جیؒ نے فرمایا کہ آج مولانا کی دعوت پر تو کئی فرشتوں نے نقارے بجائے ہوں گے۔ آپؒ نے مولانا کے دسترخوان کی وسعت بیان کر کے مجلس کو کشتِ زعفران بنا دیا۔ [مولانا اللہ وسایا صاحب]

ایک دیہاتی نے حصولِ اولاد کے لیے تعویذ مانگا۔ آپ نے تعویذ دے کر اُس دیہاتی کا ہاتھ پکڑ کر مسکراتے ہوئے فرمایا، ''نری تعویذ تے نہ رکھیں'' (فقط تعویذ پر ہی انحصار نہ کرنا)۔

گول گپے

حضرت قبلہ بابا جیؒ کبھی کبھی خوش طبعی کی بات بھی فرما دیتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ لوگوں کی عقل کے مطابق بات کرنی چاہیے۔ فرمایا کہ ایک مولوی صاحب دیوبند سے دورہ حدیث شریف کر کے تشریف لا رہے تھے، بازار میں ایک صاحب گول گپے بیچ رہے تھے، اس سے پوچھا کہ میاں! عدداً بیچتے ہو کہ وزناً بیچتے ہو؟ اس بیچارے کے پلّے کچھ نہ پڑا کہ مولانا کیا پوچھ رہے ہیں، اس لیے فوراً کہا کہ نہ عدداً بیچتا ہوں اور نہ وزناً بیچتا ہوں، میں تو گول گپے بیچتا ہوں! [مولانا اللہ وسایا صاحب]

عزیز احمد سے پوچھو

جب کبھی کوئی شخص آ کر اپنے گھریلو حالات بیان کر کے دوسری شادی کے بارے

مشورہ یا اجازت طلب کرتا تو حضرت قبلہ باباجیؒ کا معمول یہ تھا کہ اس شخص کو فرماتے کہ اس مسئلے میں عزیز احمد کو تجربہ ہے، ان سے مشورہ کریں۔ یہ بڑے لطف کی بات بھی تھی اور سو فیصد حقیقت بھی، کیونکہ صاحبزادہ عزیز احمد صاحب کی دو شادیاں ہیں۔

[مولانا اللہ وسایا صاحب]

تصوف اور حضرت بابا جیؒ

مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ (حضرت بابا جیؒ) سلسلۂ نقشبندیہ سراجیہ کی ایک بڑی خانقاہ کے مسند نشین تھے۔ان سے ہزاروں افراد نے استفادہ کیا،جن میں بڑی تعداد دینی کارکنوں اور علماء کرام کی ہے۔

وہ صاحبِ علم صوفی تھے۔تصوف کے رموز واسرار سے نہ صرف آشنا تھے بلکہ ان کے ثقہ شارح بھی تھے اور ان جیسے نفوس کے دم قدم سے ہی تصوف کا یہ جہاں آباد ہے۔ایک نومسلم امریکی خاتون گوجرانوالہ آئیں جو فلسفہ کی پروفیسر تھیں اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے علوم سے خاص دلچسپی رکھتی تھیں۔انہوں نے حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ سے ملاقات کے دوران تصوف کے بعض حساس اور دقیق مسائل پر تبادلۂ خیال کیا اور دریافت کیا کہ تصوف کے علمی مسائل اور اشکالات پر مجھے مزید کس بزرگ سے بات کرنی چاہیے؟ حضرت مولانا عبدالحمید سواتیؒ نے دو بزرگوں کے نام لیے؛(۱) حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ، (۲) حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ۔ان میں سے آپ جس بزرگ سے ملیں گی،آپ کو اپنے سوالات اور اشکالات کا تسلی بخش علمی جواب ملے گا۔ [مولانا زاہدالراشدی]

نوٹ: تصوف کی معرکۃ الآراء اصطلاح ''وحدت الوجود'' کے بارے میں محترم جناب مولانا رشید الحق صاحب کے استفسار پر حضرت بابا جیؒ نے وفات سے چوبیس سال قبل یہ مکتوب تحریر فرمایا۔

مکرم ومحترم جناب رشید الحق صاحب مطالعہ فرمائیں کہ آپ کا گرامی نامہ وصول

ہوا۔ آپ نے جس مسئلہ کے متعلق فقیر سے رجوع فرمایا ہے، وہ مسئلہ علمی ہونے کے ساتھ ساتھ ذوقی اور وجدانی بھی ہے اور من لم یذق لم یدر کا مصداق ہے اور یہ فقیر دونوں سے عاری ہے۔ ''وحدت الوجوذ'' اور ''وحدت الشہوذ'' یہ تصوف کے معرکے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ الاقدس سے پہلے صرف ''وحدت الوجوذ'' کی ہی بحث چلتی تھی۔ ہمارے علماءِ اسلام دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ ''وحدت الوجوذ'' کے قائل ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے دونوں اصطلاحوں میں تطبیق دینے کی سعی فرمائی جو اس دور کے نقشبندی مجددی حضرات نے قبول نہیں فرمائی اور اب یہ مسئلہ صرف کتابوں میں رہ گیا ہے۔ اس کا ذوق اور وجدان رکھنے والے اگر موجود ہیں تو ہمیں معلوم نہیں۔ حضرت شیخ اکبرؒ سے بعض مسائل میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اختلاف کیا ہے لیکن اختلاف کے باوجود ان کے متعلق اپنے مکتوبات میں فرمایا ہے کہ وہ مقبولان بارگاہ الٰہی میں نظر آتے ہیں۔

''وحدت الوجوذ'' کی آسان سی تعبیر ''ہمہ اوست'' سے کی جاتی ہے اور ''وحدت الشہوذ'' کی ''ہمہ از اوست'' سے۔ ان تعبیرات سے با آسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ قرآن وسنت کے قریب کونسی اصطلاح پڑتی ہے۔ بہت مدت ہوئی مولانا محمد عبداللہ دھرم کوٹی مرحوم، جو کہ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے خلفاء میں سے تھے، کے ساتھ ایک رات گزارنے کا اتفاق ہوا۔ وہ سحری کے وقت اٹھے اور تہجد کے بعد اپنے معمول کے مطابق ذکر جہر شروع کر دیا۔ وقفے وقفے کے بعد وہ یہ بھی ترنم کے ساتھ کہتے تھے:

ع   جس طرف دیکھتا ہوں، ادھر تو ہی تو ہے

اس طرح امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں ہے:

من تو شدم، تو من شدی، من تن شدم، تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد از ایں من دیگرم تو دیگری

یہ اسی ''ہمہ اوست'' کی کیفیت کا پَرتو ہے اور اسی سے بے دین لوگوں نے اتحاد، حلول اور تجسیم کے غلط مسائل پیدا کیے ہیں اور تصوف کے منکرین نے انھی غلط چیزوں کو

دیکھ کر کہا ہے کہ تصوف میں ہندوستان کے جوگیوں کے اثرات ہیں۔

''وحدت الوجود'' اور ''وحدت الشہود'' تصوف کی اصطلاحات ہیں جس کی تعبیر قرآن وسنت میں موجود ہے۔ یہ اصطلاحیں اس کے اعتبارات ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے ''وحدت الوجود'' کا انکار نہیں فرمایا، وہ فرماتے ہیں:

بعض سالکینِ راہ پر یہ کیفیت وسط میں وارد ہوتی ہے اور بعض پر وارد نہیں ہوتی اور انتہا میں اس کی بجائے ''وحدت الشہود'' کی کیفیت وارد ہوتی ہے۔

اسی لیے حضرات نے لکھا ہے کہ جس پر یہ کیفیات وارد نہ ہوں، اس کو اس پر کلام نہیں کرنا چاہیے! احتیاط کے پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے فقیر اس سے زیادہ لکھنے کی اپنے اندر طاقت نہیں رکھتا۔ افسوس ہے کہ فقیر اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکا۔ فقیر بفضلہٖ تعالیٰ بعافیت ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ. فقیر آپ سب کی صحت، عافیت اور سلامتی کا طالب ہے۔ مولا پاک نصیب فرمائے۔ آمین۔

فقیر کی طرف سے سب حضرات کی خدمت میں سلام مسنون۔ والسّلام۔

نوٹ: یہ مکتوب حضرت باباجیؒ نے چند اہم سوالات یعنی قوتِ متخیلہ، قلب، نفس، خطرات و وساوس کا محل، تجلی فعلی، فناءِ نفس، حضرت مرزا شہیدؒ کے ارشاد کا مطلب، قطب، فرد اور اوتاد وغیرہ کی وضاحت میں تحریر فرمایا۔

مکرم ومحترم مولانا رشید الحق صاحب مطالعہ فرمائیں کہ سفرِ حج سے واپسی کے بعد آپ کا گرامی نامہ وصول ہوا۔ واپسی کے بعد سفر کی تھکان اور احباب کی کثرت نے ڈاک دیکھنے کا موقع نہ دیا۔ بعد میں دیگر مصروفیات نے گھیر لیا تا آنکہ صدیق آباد (ربوہ) کانفرنس کا وقت آ گیا۔ وہاں کانفرنس کے موقع پر کسی صاحب نے ایک لفافہ ہاتھ میں دیا۔ وہ لفافہ ہفتہ عشرہ کے بعد کھولنے اور پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس فقیر کو ایسی ایسی مصروفیتوں سے اچانک اور بے ارادہ واسطہ پڑ جاتا ہے کہ جس کا وہم وگمان نہیں ہوتا۔ آپ کے گرامی نامے ایسے تو

تھے نہیں کہ قلم برداشتہ جواب لکھ دیا جاتا۔ اس لیے جواب میں تاخیر ہوتی رہی۔

آپ نے صدیق آباد ملنے والے گرامی نامہ میں فقیر کے ایک ساتھی کا ذکر کیا ہے۔ اُن کے جواب اور مضمون کو ذہن میں نہ رکھیں۔ آپ کے گرامی نامے میں والدہ مرحومہ کے انتقال کا ذکر تھا جس کا افسوس ہوا۔ اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ. اللہ پاک مرحومہ کی مغفرت فرمائیں اور ان کو اپنی قبر میں جنت کی آسائشیں اور راحتیں عطا فرمائیں اور آپ سب کو اس صدمے پر اَجرِ عظیم عطا فرمائیں اور صبر وسکون کی توفیق عطا فرمائیں! آمین۔

(۱) حضرات مشائخِ نقشبندیہ مجددیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ہاں اور اس فقیر کے خیال میں جملہ صوفیائے عظامؒ کے ہاں قوتِ متخیلہ کوئی چیز نہیں، یہ معقولیوں کی وضع کردہ ایک اصطلاح ہے۔ شریعتِ مطہرہ اور حضراتِ صوفیائے کرامؒ کے ہاں فہم وادراک کے دو محل، جسدِ عنصری میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ کے پیشِ نظر مقرر فرمائے ہیں؛ ایک قلب اور دوسرا نفس۔ لہٰذا شریعتِ مطہرہ میں قلب کی کیفیت، تصدیق اور اذعان یقین کے طور پر آتے ہیں اور نفس کے متعلق بھی اَمّارہ، لوّامہ اور مطمئنہ کے الفاظ سے اس کی کیفیات کا بیان ہوتا ہے۔ ان دو محل فہم وادراک میں اوّلین حیثیت قلب کو حاصل ہے اور نفس ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔

لہٰذا حضراتِ مشائخؒ نے خطرات و وساوس کا محل پہلے قلب کو قرار دیا ہے۔ لہٰذا فرماتے ہیں کہ اوّل اوّل خطرات و وساوس کا محل قلب کا جوف ہے۔ ذکر واذکار کی برکت سے اور اپنے شیخ کی توجہات کی بدولت خطرات و وساوس جوف قلب سے ہٹ جاتے ہیں اور قلب پر وارد ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر قلب سے ہٹ کر حوالیِ قلب پر آتے ہیں۔ پھر یہ خطرات و وساوس دماغ پر وارد ہوتے ہیں۔ یہی دماغ نفس کا محل ہے۔ پھر محنت وریاضت اور ذکر کی برکت سے خطرات و وساوس دماغ سے بھی مرتفع ہو جاتے ہیں۔ پھر کہاں وارد ہوتے ہیں؟ یہ مسئلہ بڑا معرکۃ الآرا ہے کیونکہ جب تک انسان بشریت کے لباس میں رہتا ہے، خطرات و وساوس کا وارد ہونا لازمی ہے۔ ذکر واذکار کی برکت اور شیخ کی

توجہات اور ریاضت و مجاہدہ کے ثمرات میں خطرات و وساوس کا محل بدلتا رہتا ہے اور ان کے موذی اثرات سے انسان ذاکر و سالک محفوظ رہتا ہے۔

سالک جب ذکر و اذکار کا طریقہ اختیار کرتا ہے اور جب سالک کا بدن ذکر الٰہی سے مانوس ہو جاتا ہے تو پہلے ذکر کے دوران سالک پر عدمیت کی کیفیت وارد ہوتی ہے۔ اس عدمیت کا مطلب یہ ہے کہ ذاکر اپنے آپ کو اور اپنے وجود کو معدوم محسوس کرتا ہے۔ جب ذکر کے دوران یہ کیفیت وارد ہو تو ذاکر ذکر بند کر دے اور اس کیفیت کی طرف متوجہ رہے۔ ابتدا میں یہ کیفیت لمحوں کی صورت میں آتی ہے۔ پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ سالک اپنے آپ کو ہمہ دم معدوم پاتا ہے۔ اس کیفیت کو عدمیت کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے بعد تجلی فعلی کا دور ہوتا ہے۔ تجلی فعلی کا مطلب یہ ہے کہ اپنے فعل و عمل اور حرکت کو سالک اپنی طرف منسوب نہیں کرتا۔ جب اس کیفیت کو پختگی حاصل ہوتی ہے تو اس کے بعد وساوس و خطرات میں کمی آنے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ وساوس و خطرات قلب سے بالکل مرتفع ہو جاتے ہیں اور فنائے قلب کے اثرات شروع ہو جاتے ہیں۔ فنائے قلب کے رسوخ کے لیے مدتِ مدیدہ درکار ہے جیسا کہ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہیدؒ کا ارشاد آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ بہر حال فنائے قلب کے لیے حضور و یادداشت لازمی ہے اور ان کے بغیر فنائے قلب متصور نہیں۔

(۲) فنائے نفس تو تمام لطائف کی فنا کو متضمن ہے۔ یہ صحیح ہے لیکن فنائے قلب بغیر فنائے نفس کے متصور ہے۔ لیکن صرف لطائف کے ذاکر ہو جانے سے فنا متصور نہیں ہوتی۔ لطائفِ عشرہ کے بعد مشائخِ عظام نفی و اثبات کا ذکر کراتے ہیں۔ اس کے بعد ولایتِ صغریٰ کے مراقبات شروع کراتے ہیں۔ ان مراقبات کے دوران فنائے قلب کا عمل بھی ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ انعام فرماتے ہیں۔ ذکر و اذکار کے نتیجے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہوتا ہے وہ وہبی ہے، البتہ اس کے ذرائع کسبی ہیں۔ بعض سالکین کو ذکر و اذکار کرتے کرتے مدتیں گزر جاتی ہیں، کچھ بھی احساس نہیں ہوتا۔ ایسے سالکین کے لیے ان کا شیخ اگر

صاحبِ کشف ہے تو وہ شیخ اپنی صوابدید کے مطابق تربیت کرتا ہے۔

(۴) حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہیدؒ کا فرمان کہ ''سلوکِ مقامات عنقریب مسدود ہو جائے گا'' اپنے انتقال کی طرف اشارہ ہے۔ یہ مطلب حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ نے لیا ہے۔

حضرت شاہ دہلویؒ، حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کے سجادہ نشین ہیں اور اپنے دور میں اس سلسلے کے امام ہیں اور تمام ممالک اسلامیہ میں حضرت کے خلفاء موجود رہے ہیں اور ہندوستان میں اس دور میں حضرت شاہ صاحب کے ہم پلہ کوئی شیخ نہیں تھا۔ اس کے باوجود حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں: بدانکہ ایں ولایاتِ ثلاثہ و ایں کمالاتِ ثلاثہ و حقائقِ سبعہ و دیگر مقامات، ہمہ متوسلانِ ایں خاندان شریف را میسر نیست۔ بعضے بولایتِ کبریٰ و قلیلے بہ کمالاتِ ثلاثہ و نادرے بحقائقِ سبعہ و جزآں فائز می شود۔ از ایں است کہ در حالات و تاثیرات ایں عزیزاں تفاوت ہا است کہ حالات و علوم ہر مقام جدا است۔

حضرت مرزا صاحب کے کلام کا مطلب بھی یہی لیا جا سکتا ہے کہ ان مقامات کی پوری پوری تکمیل والے حضرات قلیل ہوں گے، اکثر اس راہ پر چلنے والے ان مقامات پر فائز نہیں ہوں گے۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہیدؒ کا یہ فرمان جو آپ نے تحریر فرمایا ہے: تیس سال کے سلوک اور پینتیس سال تسلیک کے گزر چکے ہیں۔ یہ فرمان حضرت نے اپنی بے نفسی کی بنیاد پر فرمایا ہے لیکن ہر مقام کے بے شمار مدارج ہیں۔ ممکن ہے فنائے قلب کے اعلیٰ و ارفع مقامات مراد ہوں۔

(۵) قطب و فرد اور اوتاد وغیرہ ایک علیحدہ شعبہ ہے۔ یہ تکوین کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے کیا کیا شرائط مقرر فرمائی ہیں، فقیر کو اِس کا کوئی علم نہیں۔

آپ کے سوالات معمولی اور تمہیدی نہیں۔ یہ بڑے مشکل سوالات ہیں۔ معلوم نہیں آپ کی ان جوابات سے تسلی ہوگی یا نہیں۔

دلائل الخیرات کی فقیر کی طرف سے اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ باعثِ برکت کرے! آمین۔ ہمارے مشائخ دلائل الخیرات تنہا نہیں تلاوت فرماتے تھے، پہلے قرآن پاک کی تلاوت کی، اس کے بعد اس روز کی دلائل الخیرات کی منزل کی تلاوت کر لی۔ برکت کے لیے تعویذ جو یہاں معمول ہے، وہ اصحابِ کہف والا تعویذ ہے اور یہ تعویذ تذکرۃ الرشید کے آخر میں درج ہے۔ اس کی بھی اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ باعثِ برکت کرے! آمین۔

آمدن میں برکت کے لیے اپنے مشائخِ حضرات موسیٰ زئی شریف کا ایک درود شریف معمول ہے۔ اپنی سہولت کے مطابق اس کی ایک تعداد مقرر کر لیں اور اس کو ہمیشہ جاری رکھیں۔ درود شریف یہ ہے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَفْضَلَ صَلَوَاتِکَ بِعَدَدِ مَعْلُوْمَاتِکَ وَ بَارِکْ وَسَلِّمْ.

فقیر جواب میں تاخیر پر معافی چاہتا ہے۔ فقیر کی طرف سے سب کو مسنون سلام۔

والسّلام

انسان اپنے طور پر کچھ بھی نہیں

ایک مرتبہ نفی اثبات کے بارے میں فرمایا کہ جب آدمی کلمہ طیبہ کی ''لا'' کرتا ہے تو اس سے اپنی نفی کرنی چاہیے کہ میں کچھ بھی نہیں۔ اس کے بعد باقی موجودات کی نفی کی باری آتی ہے۔ جب تک آدمی اپنی نفی کا اقرار نہیں کرتا، اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے اثبات کا اقرار نہیں ہوسکتا۔ جب انسان پیدا نہیں ہوا تھا تو اس وقت بھی اس کا وجود نہیں تھا اور جب مر جائے گا تو اس وقت بھی اس کا وجود نہیں ہوگا۔ دنیا میں چلتا پھرتا انسان اپنی مرضی سے زندہ نہیں، مرنے والا اپنی مرضی سے نہیں مرتا، موت تو درکنار، انسان کو بیماری بھی اپنی مرضی سے نہیں آتی۔ جسم کے اندر جتنے اعضائے رئیسہ کام کر رہے ہیں، ان کے عمل میں انسان کو دخل نہیں ہے۔ کئی مرتبہ دیکھا گیا ہے کہ آنکھ ہوتی ہے مگر دیکھ نہیں سکتی، کان ہوتے ہیں مگر سن نہیں سکتے، زبان ہوتی ہے مگر بول نہیں سکتی۔ پورے کا پورا انسان اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر چل رہا ہے اور اپنے طور پر کچھ بھی نہیں ہے یعنی ''لا'' ہے۔

ذکر اللہ کی اہمیت

حضرت خواجہؒ ہمیشہ شکوہ فرماتے تھے کہ ہمارے صوفی محنت نہیں کرتے۔ ہم سوتر (زیادہ سونے والے) لوگ ہیں۔ ہمیں محنت کر کے ترقی کرنی چاہیے۔ فرمایا، مختلف مذاہب میں باطنی صفائی کرنے والے لوگ ہوتے ہیں، جس طرح مسلمان اپنے طریقے سے باطنی صفائی کرتے ہیں، اس طرح عیسائی اور ہندو بھی اپنے اپنے طریقے سے باطنی صفائی کرتے ہیں۔ ہندو مذہب میں ایسے لوگ سادھو کہلاتے ہیں۔ ایک سادھو کا واقعہ سنایا کہ وہ سخت گرمی کے موسم میں ایک سایہ دار درخت کے پاس پہنچا تا کہ سایہ میں آرام کرے۔ وہاں ایک مسلمان لیٹا ہوا تھا، اب سادھو اُس سایہ میں نہیں جانا چاہتا تھا جہاں مسلمان بیٹھا ہوا تھا۔ مسلمان نے کہا: دھوپ میں کیوں جل رہے ہو؟ سایہ میں آجاؤ۔ سادھو نے کہا: میرا مذہب اجازت نہیں دیتا، لیکن ایک بات بتاؤ کہ تمہارے دل میں اتنا سکون اور اطمینان دیکھ رہا ہوں، یہ کہاں سے حاصل کیا ہے؟ مسلمان نے کہا کہ کوئی خاص بات نہیں، میں ایک سیدھا سادہ آدمی ہوں، اتنی محنت مشقت والا آدمی نہیں ہوں۔ سادھو نے کہا: یہ اطمینان اور سکون ایسے تو نہیں آگیا، کیا کسی بڑے آدمی سے یہ بات حاصل کی ہے؟ مسلمان نے جواب دیا: ایک بزرگ نے میرے دل پر انگلی رکھ کر اللہ اللہ کہا تھا، یہ جو اثر آپ محسوس کر رہے ہیں، یہ اسی وجہ سے ہے۔ سادھو نے کہا: آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ ہمارے بزرگان اپنے مریدوں کو لطائف پر انگلی رکھ کر اللہ اللہ سکھاتے ہیں جس سے قلوب کا تزکیہ ہوتا ہے۔ اب مرید کا کام ہے کہ محنت کر کے ترقی حاصل کرے۔ یہ جو قرآن مجید میں اطمینان قلب کا ذکر ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر پاک کی طرف اشارہ ہے۔ ہمارے مسلمان اس کی قدر نہیں کرتے مگر ہندو سادھو اُس کو محسوس نہیں کر رہا تھا۔

حال کی فکر کرو

حضرت بابا جیؒ فرمایا کرتے تھے کہ صوفیاء حضرات فرماتے ہیں: **الماضی لا یذکرو المستقبل لا یفکرو الحال تعتبر.** یعنی جو گزر چکا ہے اس کو یاد مت کر اور

مستقبل کی فکر مت کر، بس حال کی فکر کرو کہ یہ لمحہ غفلت میں نہ گزر جائے۔ جو آدمی ہر وقت موجودہ لمحے کی فکر کرلے، اس کی آئندہ زندگی سنور جائے گی۔ اس اصول کو یادِ الٰہی کے علاوہ بھی تمام امور پر لاگو کر سکتے ہیں۔ انشاءاللہ کامیابی قدم چومے گی۔

اسلامی آداب کا خیال

حضرت اسلامی آداب کا بہت خیال رکھتے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ نے کسی بزرگ کی شہرت سنی تو ایک ساتھی کو لے کر ان سے ملاقات کے لیے گئے۔ جب ان کے مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ وہ قبلہ رخ ناک صاف کر رہے تھے۔ حضرت احرارؒ واپس لوٹ آئے اور فرمایا کہ جو آدمی اتنے آداب کا خیال نہیں رکھتا، وہ اسرارِ الٰہی کو کس طرح اپنے سینے میں محفوظ رکھ سکتا ہے۔

آب دار موتی

(خطوط سے اقتباس)

❁ ''دنیا خود بھی فانی ہے اور اس کی سب رونقیں بھی آنی جانی اور فانی ہیں۔ انسانیت اسی میں ہے کہ ان عارضی رونقوں میں دل نہ لگائے اور اپنے مولائے حقیقی سے غافل نہ ہو۔''

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا ہو وہ کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

❁ اس دنیا میں آنے کا واحد مقصد اللہ جل شانہٗ کی رضامندی حاصل کرنا ہے۔ اگر اپنے اس مقصد میں کامیاب ہے تو پھر دنیا کی سب چیزیں اس کے لیے راحت کا سامان ہیں۔ اور اگر خدانخواستہ انسان اپنے اس اصلی مقصد سے بالکل غافل ہے تو دنیا کی سب چیزیں، آسائشیں اور رونقیں اس کے لیے وبالِ جان ہیں۔

❁ آپس کے لڑائی جھگڑے نہ ہوں اس کے لیے تعویذ مانگنے پر فرمایا، آپس کی نوک جھوک سے نہ گھبراویں، یہ باتیں تو بھائیوں میں ہوتی رہتی ہیں۔ خوب لڑیں، جھگڑا کریں۔ یہ لڑائی بھی آپس کی محبت کی علامت ہے۔ گھر میں اگر اس طرح کی باتیں نہ ہوں تو پھر انسانوں کا نہیں بلکہ فرشتوں کا گھر ہو جائے گا۔ فقیر کے پاس ایسا کوئی تعویذ نہیں جو آپ کو انسانیت سے نکال کر فرشتہ بنا دے۔

❁ آپ سے پوچھا کہ کیا دعا مانگنی چاہیے؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ سے گھر کا سکون، خاندان کے باہمی رشتوں میں محبت اور دنیا و آخرت کی عافیت مانگنی چاہیے۔

❁ شیخ کی صحبت میں حاضر مرید کس بات کا خیال کرے؟ فرمایا، مرید اپنا دل شیخ کی

طرف یوں ملتفت رکھے کہ حضور اکرم ﷺ اور مشائخ عظام کا جو فیض میرے شیخ کے دل پر اتر رہا ہے وہی فیض شیخ کے ذریعے میرے دل میں پہنچ رہا ہے۔ [عمران سرگانہ]

❁ اُس جمیلِ مطلق کی طرف جو کچھ ہوتا ہے سراسر جمیل ہی ہوتا ہے۔

❁ ''مخالفت سچا ہونے کی دلیل ہے۔ حضور نبی ﷺ کا پروگرام سب سے سچا تھا لیکن آپ کی کتنی مخالفت ہوئی؟ مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ شریف جانا پڑا۔''

اچھی بیوی کی خصوصیات

ایک مرتبہ کسی نے حضرت بابا جیؒ سے پوچھا کہ بچیوں کی تعلیم و تربیت کیسی ہونی چاہیے؟ قرآن مجید حفظ کرایا جائے یا عالمہ بنایا جائے؟ حضرت نے فرمایا، عورت کی خصوصیت خانگی امور خوش اُسلوبی سے ادا کرنا ہے، ضروری نہیں کہ حافظہ یا عالمہ اچھی بیوی بھی ہو۔

ہدایا — دلوں کے تالوں کو کھولنے والی چابی

تبلیغی جماعت کے ایک بزرگ حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب مدینہ شریف میں طویل مدت سے مقیم تھے۔ وہ حضرت بابا جیؒ کی آمد کے منتظر رہتے تھے۔ جب پتا چلتا کہ حضرت بابا جیؒ مدینہ شریف پہنچ گئے ہیں تو دو خادموں کو رباط میں بھیجتے کہ حضرت بابا جیؒ کا معمول معلوم کر لیں تا کہ ملاقات کے لیے آ سکیں۔ جب حضرت بابا جیؒ کو پتا چلتا کہ مولانا سعید احمد خان صاحب ملاقات کے لیے آنا چاہ رہے ہیں تو خود ہی ملاقات کے لیے وہاں پہنچ جاتے۔ ایک دو مرتبہ مجھے بھی ساتھ حاضر ہونے کا موقع ملا۔ مولانا سعید احمد خان صاحب خوب اکرام و تواضع فرماتے اور حضرت بابا جیؒ کو ہدایا پیش کرتے۔ ایک مرتبہ وہ ہدیہ پیش کرتے ہوئے اپنا معمول بتا رہے تھے کہ میں جب بھی پاکستان جاتا ہوں تو تمام رشتہ داروں اور احباب کے گھروں میں جا کر ملاقات کرتا ہوں، اور کچھ نہ ہو تو کچھ کھجوریں ہی ہدیہ کے طور پر پیش کر دیتا ہوں۔ اس بات کا حضرت بابا جیؒ پر بہت اثر ہوا۔ جب واپس قیام گاہ پر پہنچے تو گاہے بگاہے یہ جملہ دہراتے تھے کہ ہدایا دلوں کے تالے کھولنے کی چابی ہیں۔

چندروزہ جہد بکن باقی بخند

امتحان کے سلسلے میں آپ سب بہت خوش ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرات نے بہت محنت کی ہے۔اسی طرح اگر آپ سب محنت کرتے رہیں گے تو یقیناً اس کا ثمرہ اسی فرحت، مسرت اور عزت و آبرو کا ملے گا۔اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہیں۔وہ کسی کی محنت کو ضائع نہیں فرماتے۔یہ چندروزہ محنت کا ثمرہ مستقبل کی ساری زندگی کی فرحت و مسرت، راحت و آرام اور جمعیت و سکون اور عزت و آبرو کی صورت میں عنایت فرمائیں گے۔

قابلیت اصل ہے

پیڑ کا فکر نہ کریں۔یہ چیزیں ادنیٰ اور حقیر ترین ہیں۔اصل فکر اپنی قابلیت پیدا کرنے کی ہونی چاہیے۔قابلیت ان چیزوں کی محتاج نہیں ہوتی۔قابلیت کے ضمن میں یہ چیزیں خود بخود حاصل ہوتی چلی جاتی ہیں۔دین و دنیا اور زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی قابلیت کے ذریعے انسان اپنا مقام پیدا کرتا ہے۔لہٰذا اپنی تمام تر فکر اور جدو جہد اور محنت و مشقت صرف اپنی قابلیت پیدا کرنے میں صَرف کریں۔

قدرِ تو باشد بقدرِ ہمت تو

اپنے پاکیزہ مقاصد کے حصول میں انسان کو کتنی تکالیف برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ مقصد جس قدر اعلیٰ و ارفع ہوگا، اس قدر اُس کے راستے میں تکالیف زیادہ پیش آئیں گی۔ صوفیاءؒ کے ہاں جملہ مشہور ہے: خدا طلبی بلا طلبی۔بلند ہمت آدمی کی نظر اپنے مقصد پر ہوتی ہے، درمیانے حالات پر نہیں ہوتی اور ہمیشہ ایک انسان کو اپنی بلند ہمتی ہی کام آتی ہے۔اسی بلند ہمتی کے مطابق وہ کمال حاصل کرتا ہے۔قدرِ تو باشد بقدرِ ہمت تو۔اس لیے نہایت صبر و تحمل کے ساتھ یک سو ہو کر اپنے کام میں مشغول رہیں۔

متفرقات

دو اہم باتیں

ابوظہبی کا ایک عرب شیخ آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اس نے ابوظہبی کی دعوت دی جو آپ نے قبول فرمائی۔ وہاں سے واپسی پر اس نے باباجیؒ کی خدمت میں پچیس تیس لاکھ روپیہ پیش کیا۔آپ نے خود لینے سے انکار فرما دیا،اس نے وہ رقم خلیل احمد کو پکڑا دی۔ واپسی پر باباجیؒ نے خلیل احمد کو فرمایا کہ تمام رقم مسجد کے کام پر خرچ کر دو۔مسجد کے گنبد کی ٹائلوں کا کام اور اندر کی مینا کاری کی دوبارہ تزئین و آرائش اسی رقم سے ہوئی۔ایک رات کھانے کے بعد میں باباجیؒ کے خدمت میں بیٹھا تھا۔اُن دنوں وہ شیخ زیارت کے لیے خانقاہ پاک ٹھہرا ہوا تھا۔دوران گفتگو آپؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی دولت کے فتنے سے محفوظ رکھے۔

دوسری رات کی بات ہے، ہم برادرم خلیل احمد کے مہمان خانہ میں بیٹھے تھے۔شیخ صاحب کا ترجمان بھی موجود تھا۔غیر متوقع طور پر باباجیؒ مہمان کی تکریم کے لیے تشریف لے آئے۔ہم سب دوزانو ہو گئے۔اس عرب شیخ نے سوال کیا کہ حضرت! یہ فرمائیں کہ اس وقت جس دین پر ہم چل رہے ہیں کیا یہ وہی دین ہے جو چودہ سو سال پہلے ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا تھا؟ باباجیؒ نے فرمایا کہ بالکل وہی دین ہے اور اس میں کوئی ردّ و بدل نہیں ہوا۔

ہمارے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ باباجیؒ کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے وہ شیخ غسل خانے میں اپنے کپڑے خود دھو رہا تھا۔اس کے ترجمان کا کہنا تھا کہ وہ اپنے سارے کام اپنے ہاتھوں سے خود کرتا ہے،اور اس وقت دنیا میں ۱۰۰ سے زائد مدارس کی مالی

امداد کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ افغان جنگ میں یتیم ہو جانے والے بچوں کو اُس نے سینے سے لگا رکھا تھا۔ اوران کے کھانے، رہائش اور تعلیم کا بہت اعلیٰ انتظام تھا۔ شیخ نے عید خانقاہ پاک بابا جیؒ کے ساتھ منائی اور ستر اسّی افغان بچے بھی ہمارے مہمان تھے۔ نمازِ فجر کے بعد اس نے تمام بچوں کو ہزار ہزار روپیہ عیدی دی۔

حضرت بابا جیؒ نے فرمایا، ایک بزرگ ضلع میانوالی سے لاہور عدالت میں پیشی کے لیے گئے (غالباً یہ حضرت بابا جیؒ کے والدِ ماجد کا واقعہ ہے)۔ عدالت سے فارغ ہو کر ان کو خیال آیا کہ آدھا سفر تو ہو چکا ہے کیوں نہ سرہند شریف حاضری دے لوں چنانچہ سرہند شریف پہنچے۔ وہاں سے واپسی پر ریل گاڑی میں برتھ پر لیٹ کر سو گئے کہ سفر لمبا تھا۔ خواب میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی زیارت ہوئی۔ حضرت نے فرمایا، آپ لاہور اپنے کام کے لیے آئے تھے اور ہم پر احسان کر کے جا رہے ہو، ہمیں آپ کی حاضری قبول نہیں، یہ لو اپنا لاہور سے سرہند آنے جانے کا کرایہ۔ جب ان کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ مکمل کرایہ ان کے سرہانے رکھا تھا۔ [حاجی محمد یعقوب]

فرمایا، میانوالی کے ایک بزرگ پٹیالہ سے حضرت مولانا فضلِ رحمان گنج مراد آبادی کی زیارت کے لیے گئے۔ عصر کے وقت حضرت کی زیارت ہوئی تو آپ نے پوچھا، کیسے تشریف لائے؟ انہوں نے عرض کیا، زیارت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا، زیارت ہوگئی اب آپ تشریف لے جائیں۔ انہوں نے عرض کیا، حضرت! میں تو رات یہاں ٹھہروں گا۔ فرمایا، کسی بھٹیارے کا گھر نہیں ہے کہ روٹیاں پکا پکا کر لوگوں کو کھلائے، لہٰذا آپ چلے جائیں۔ انہوں نے اصرار کیا تو حضرت نے آستینیں چڑھا کر انہیں مارنے کے لیے ڈنڈا اُٹھایا، وہ بیٹھے رہے۔ انہوں نے کہا، خواہ آپ مجھے مار لیجیے مگر میں رات یہیں رہوں گا۔ پھر حضرت نے ڈنڈا رکھ دیا اور فرمایا، لوگ اتنی بات بھی برداشت نہیں کرتے اور ہماری جان بچی رہتی ہے، اب آپ رات کو یہاں رہ سکتے ہیں۔ صبح کی نماز کے وقت فرمایا، ناشتا کر کے جانا۔ ناشتے کے بعد میری مشایعت میں تھوڑی دور تک چلے اور پھر

مصافحہ کیا۔ میں اپنے راستے پر چلنے لگا۔ چند قدم کے بعد پٹیالہ پہنچ چکا تھا جو وہاں سے اسّی میل دور تھا۔ [حاجی محمد یعقوب]

فرمایا، حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ جب حضرت مرزا جانِ جاناں شہیدؒ سے بیعت کے لیے حاضر ہوئے تو مرزا صاحب نے فرمایا، لوگ کشف وکرامات کی تلاش میں آتے ہیں وہ ہمارے پاس موجود نہیں۔ اگر بے نمک کا پتھر چاٹنا ہے تو پھر آپ بیعت ہو سکتے ہیں۔ حضرت شاہ غلام علیؒ نے عرض کیا، میں تو بے نمک کا پتھر چاٹنے کے لیے ہی حاضر ہوا ہوں۔ چنانچہ حضرت نے بیعت فرمالیا (یعنی ذکر صرف اللہ کی رضا کے لیے کرنا چاہیے، کشف وکرامات کی جستجو کے لیے نہیں)۔ [حاجی محمد یعقوب]

ایک اہم نصیحت

فرمایا، دارالعلوم دیوبند کے طلبہ نے ''عربی پڑھو، عربی بولو، عربی لکھو'' کی تحریک چلائی تو حضرت سیّد انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے فرمایا، اگر ہندوستان میں رہ کر کام کرنا ہے تو ''اردو پڑھو، اردو بولو، اردو لکھو'' [حاجی محمد یعقوب]

جب سعودی حکومت قائم ہوئی تو ڈاکے ختم نہ ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز نے تمام ڈاکوؤں کی دعوت کی، انہیں عمدہ کھانا کھلا کر کہا کہ ہم پہلے ڈاکو تھے، اب ہماری حکومت قائم ہو چکی ہے اس لیے اب ڈاکے نہ مارو۔ حکومت آپ کا حصہ آپ کو دے گی۔ پھر بھی ڈاکے ختم نہ ہوئے۔ دوسری بار ڈاکوؤں کی پھر دعوت کی اور انہیں عمدہ کھانا کھلا کر ترغیب دی گئی لیکن وہی ڈھاک کے تین پات۔ ڈاکے ختم نہ ہوئے۔ تیسری بار تمام ڈاکوؤں کو بلا کر سب کے سر قلم کر دیے۔ اس کے بعد سے آج تک وہاں ڈاکے نہیں پڑتے۔ یہ ہے حکومت کرنے کا طریقہ۔ [حاجی محمد یعقوب]

فرمایا، حضرتِ امام ابوحنیفہؒ نے امام ابو یوسفؒ کی امامت میں ایک مرتبہ نمازِ فجر پڑھی، سورج طلوع ہونے میں بس تھوڑا سا وقت باقی تھا۔ انہوں نے مختصر نماز پڑھا کر سلام پھیر دیا۔ حضرتِ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا، صار یعقوبنا فقیھاً (ہمارا یعقوب فقیہ بن گیا۔

یعقوب امامِ یوسف کا نام ہے اور ابو یوسف ان کی کنیت ہے)۔ [حاجی محمد یعقوب]

ایم بی سوبی میانوالی میں ائیرفورس کے ڈینٹل ڈاکٹر تھے، حضرتؒ کے دانتوں کے خصوصی معالج تھے۔ حضرتؒ بھی خصوصی توجہ فرماتے تھے۔ ہفتہ پندرہ دن کے بعد خانقاہ شریف حاضر ہوتے۔ ۱۹۸۸ء میں حج کے ایام میں ڈاکٹر صاحب خانقاہ شریف پہنچے تو حضرت نے پوچھا کہ حج کا کیا ارادہ ہے؟ عرض کیا کہ اس سال تو میں نے درخواست نہیں دی، آئندہ سال درخواست دوں گا۔ حضرت خاموش ہو گئے۔ آئندہ حاضری پر پھر وہی سوال اور وہی جواب۔ ایک دن ڈاکٹر صاحب اپنے گھر آرام کر رہے تھے، فون کی گھنٹی بجی، ان کی اہلیہ نے فون اٹھایا تو حضرتؒ صاحب ڈاکٹر صاحب سے بات کرنا چاہتے تھے۔ ان کی اہلیہ نے جلدی سے ڈاکٹر صاحب کو بلایا کہ کہیں حضرت کے دانتوں کا مسئلہ نہ ہو۔ ڈاکٹر صاحب نے حضرت سے بات کی تو حضرت نے ہو بہو وہی سوال کیا کہ حج کا کیا پروگرام ہے؟ ڈاکٹر صاحب نے بھی وہی جواب دیا کہ اس سال تو درخواست نہیں دی، اگلے سال کوشش کریں گے۔ ٹیلی فون بند ہو گیا۔ اگلے دن ڈاکٹر صاحب ہسپتال پہنچے تو ان کے معاون نے کہا کہ جب تک آپ مٹھائی نہ کھلائیں گے، میں کوئی فائل آپ کی میز پر نہ رکھوں گا۔ ڈاکٹر صاحب نے وعدہ کیا کہ بھائی! مٹھائی ضرور کھلاؤں گا آپ فائلیں لائیں۔ جب فائلیں پہنچیں تو سب سے اوپر جی ایچ کیو (GHQ) کا خط تھا کہ حج کے وفد کے لیے آپ کا انتخاب ہو گیا ہے آپ فوراً اطلاع کریں۔ ڈاکٹر صاحب نے تو سب سے پہلے حضرت قبلہ کو خوشخبری سنائی اور دعا کے لیے عرض کیا۔ اس کے بعد اپنے کرنل صاحب کو فون پر اطلاع دی۔ کرنل صاحب نے پوچھا کہ کیا آپ نے حج کے لیے درخواست دی تھی؟ جواب دیا، نہیں۔ پھر پوچھا، انٹرویو دیا تھا؟ جواب دیا، نہیں۔ پھر پوچھا کہ سفارش کرائی؟ جی نہیں۔ کرنل صاحب نے کہا کہ خط لے کر میرے پاس آئیں۔ کرنل صاحب نے خط پڑھ کر کہا کہ فوراً اطلاع کرو۔ الغرض ڈاکٹر صاحب نے شاندار حج کیا۔ [حاجی محمد یعقوب]

احسان کا بدلہ

اسلم قریشی کیس کے سلسلہ میں مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کو کوئی قابل اور زیرک وکیل میسر نہیں آ رہا تھا۔ اس مشکل صورتِ حال میں راجہ ظفر الحق صاحب قانونی معاونت کے لیے آگے بڑھے اور بلا معاوضہ مقدمہ لڑا۔ اللہ رب العزت نے اس مقدمہ میں مجلس کو شاندار کامیابی سے ہمکنار کیا۔ حضرت باباجیؒ نے راجہ صاحب کا یہ احسان یاد رکھا اور جب انہوں نے خاقان عباسی کے مقابلہ میں الیکشن لڑا تو حضرت خواجہؒ راولپنڈی اسلام آباد کے علماء کی ویگن بھر کر مری اور کہوٹہ کی تحصیلوں کے دورہ پر تشریف لے گئے اور بھرپور انتخابی مہم چلائی۔ صاحبزادہ محمد یعقوب نے حضرت کے اعزاز میں ظہرانہ دیا جس میں راجہ صاحب شریک نہ ہو سکے۔ میں نے ان کی عدم موجودگی کا ذکر کیا تو حضرت نے فرمایا کہ ''اسلم قریشی اغواء کیس'' میں ہمیں کوئی وکیل معاوضہ دے کر بھی نہیں مل رہا تھا تو راجہ ظفر الحق نے بلا معاوضہ مقدمہ لڑا، ہم ان کے اس احسان کا بدلہ دینے آئے ہیں۔ [حاجی محمد یعقوب]

باباجیؒ کی کرامت

مہمان نوازی ہمارے گھر کی میراث ہے۔ ملتان سے باباجی قبلہؒ کے معالج ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب اکثر تشریف لاتے ہیں۔ جب آپ پہلی بار خانقاہ تشریف لائے، سرسری سی ملاقات ہوئی۔ تسبیح خانے کے سامنے دھوپ میں چارپائی ڈالے بیٹھے تھے۔ ان کی وساطت سے مولانا حبیب الرحمٰن ہاشمی (خطیب جامع مسجد نشتر ملتان) اور محترم جابر علی سے بھی تعارف ہوا۔ وقت کے ساتھ یہ تعلق مضبوط ہوتا چلا گیا اور پھر دوستی میں بدل گیا۔ دوستی بھی وہ جو صرف اللہ کی رضا کے لیے ہے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو اپنے غریب خانے پر کھانے کے لیے مدعو کیا۔ بعد کی ملاقاتوں میں مولانا حبیب الرحمٰن ہاشمی صاحب بھی میرے غریب خانے کو رونق بخشتے، اور یہ میرے لیے بہت بڑا اعزاز تھا۔

ایک بار ایسا ہوا کہ میرے یہ محترم مہمان تشریف لائے۔ کھانے پر مدعو کرنے کا ارادہ باندھا۔ اہلیہ سے کہا۔ اُس نے کہا، آپ سودا سلف لا دیں، کھانا پکانا کونسا مشکل کام

ہے۔ گھر میں سو روپے کا نوٹ رکھا تھا۔ میں نے اہلیہ سے کہا کہ دال سبزی بنالو، گوشت ضروری ہے کیا؟ اس نے کہا کہ کیا مہمانوں کے سامنے دال سبزی رکھیں گے؟ یہ مجھے مناسب نہیں لگتا۔

مہمان کے لیے قرض لینا جائز ہے لیکن خودداری آڑے آئی۔ اسی ذہنی کشمکش اور پریشانی میں تھا۔ دل میں قلق بھی تھا۔ لیکن خاموشی اختیار کی۔ دوسرے دن میں باباجیؒ کے ساتھ گھر سے نماز کے لیے آ رہا تھا۔ اندھیرا چھا رہا تھا۔ آپؒ کا دست مبارک میرے کاندھے پر تھا۔ میرے گھر کے قریب سیڑھی پر سے اترتے ہوئے آپؒ ایک لمحے کو رُکے۔ جیب میں ہاتھ ڈالا۔ جانے کتنی رقم تھی، میرے ہاتھ میں تھمائی اور فرمایا، بھئی یہ ہدیہ ہے۔

میں حیران ہو کر رہ گیا۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ سوچتا رہا کہ باباجیؒ کو کس نے خبر دی کہ میں نے مہمانوں کو کھانا کھلانا ہے؟ عشاء کی نماز ادا کی، گھر آ کر دیکھا تو پندرہ سو روپے تھے۔ اہلیہ کو بتایا اور صبح جو سامان اُس نے لکھوایا، لے آیا۔ دل میں عجیب خوشی تھی کہ مہمانوں کی تکریم کا سامان ہو گیا۔ یہ کرامت نہیں تو اور کیا ہے؟

کشائشِ رزق کے لیے

آمدن میں برکت کے لیے اپنے مشائخ حضرات موسیٰ زئی شریف کا ایک درود شریف معمول ہے۔ اپنی سہولت کے مطابق اس کی ایک تعداد مقرر کر لیں اور اس کو ہمیشہ جاری رکھیں: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَفْضَلَ صَلَوَاتِکَ بِعَدَدِ مَعْلُوْمَاتِکَ وَ بَارِکْ وَسَلِّمْ. درود شریف یہ ہے۔

خشک پیری

''ایک دینی جلسے میں حضرت قبلہ باباجیؒ مدعو تھے۔ اقامت گاہ میں تشریف فرما ہوئے۔ پھر ارشاد فرمایا، حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ نے ایک ملاقات میں فرمایا، کیا آپ جلسہ کرتے ہیں؟ عرض کیا، نہیں حضرت! فرمایا، تقریر کرتے ہیں؟ عرض کیا، نہیں!

فرمایا، عرس کرتے ہیں؟ عرض کیا، نہیں۔ حضرت قاری طیب صاحبؒ نے فرمایا، پھر آپ کی خشک پیری کس طرح چلتی ہے؟ فرمایا، بس حضرت! یوں ہی چل رہی ہے۔''

[حبیب الرحمٰن ہاشمی]

توکل واعتماد علی اللہ

قائدِ اہلِ سنت مولانا عبدالستار تونسویؒ خانقاہ سراجیہ تشریف لائے۔ دورانِ گفتگو حضرت قبلہ سے پوچھا کہ ''آپ کا سلسلہ احباب کافی وسیع ہے، خانقاہ شریف کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اخراجات بھی کثیر ہوں گے، اس کے لیے آپ کیا تدبیر کرتے ہیں، کیا سالانہ اجتماع کرتے ہیں؟'' حضرت قبلہ بابا جیؒ نے فرمایا، ''نہیں۔'' حضرت تونسویؒ نے پوچھا، ''مریدوں سے سالانہ چندہ لیتے ہیں؟'' فرمایا ''نہیں!'' مولانا تونسوی نے کہا، ''آخر کچھ تو ہوگا؟'' حضرت قبلہ بابا جیؒ نے فرمایا، ''حضرت! بس اللہ کے بھروسے پر سب کچھ ہو رہا ہے۔'' حضرت تونسوی نے حیران ہو کر فرمایا، ''ایسا توکل تو ہم نے کہیں نہیں دیکھا، اصل تو یہی ہے، پھر تو سرکار ہم بھی آپ کو پیر مانتے ہیں۔''

[تحفہ نقشبندیہ، ص ۲۴۰]

خاموشی اور اخفاءِ حال

سرگانہ ہاؤس میں حضرت بابا جیؒ فروکش تھے۔ تب گرامی قدر محترم برادرم حافظ محمد عابدؒ بیمار تھے۔ یرقان نے نحیف ونزار کر دیا تھا۔ محترم برادرم عزیز احمد صاحب کھود کرید، سوال کے کنکر پھینکتے رہے۔ سلبِ امراض کیا اور کس طرح ہوتا ہے؟ تا کہ یہ بحرِ صامت وساکت تموج میں آئے، مگر بابا جیؒ نے حاضرین پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی اور پھر طویل خاموشی۔

عزیز احمد صاحب نے روئے سخن اس طفلِ مکتب کی طرف کرتے ہوئے فرمایا، آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ شریعت کے شہسوار اور طریقت کے شناور کے روبرو یہ طفلِ مکتب کیا عرض کرتا!

آپ کی مجلس میں صوفیانہ رموز، اشارے کنائے، کشف وکرامات، توجہ، فیض سلبِ

امراض وغیرہ موضوعات کبھی زیرِ بحث نہ آتے، نہ مقامات کا اظہار نہ احوال کا ذکر، نہ تعلّیٰ نہ دعویٰ۔ بس انکسار ہی انکسار، اخفا ہی اخفا۔ نمود و نمائش سے احتراز، تصنع بناوٹ سے پاک شخصیت۔ توجہ کیا ہوتی ہے؟ زیرِ لب دل نواز مسکراہٹ، پھر طویل خاموشی طاری ہوگئی۔

یاں لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں
واں اک خامشی بس ترے جواب میں

ایک مجلس میں حاجی محمد یعقوب صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! اللہ نے بڑا اکرم کیا کہ فاصلے سمٹ گئے، راستے مختصر اور آسان ہو گئے۔ آرام دہ، تیز رفتار اور ٹھنڈی سواریاں اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دی ہیں، کیا تصوف کا راستہ آسان اور مختصر نہیں ہوسکتا؟ اس پر بھی خاموشی اور زیرِ لب دلنواز مسکراہٹ۔

''تصوف نہ جوگ ہے نہ سنیاس، نہ شعبدہ بازی نہ ساحری۔ صوفی خدا نہیں ہوتا بندہ ہوتا ہے۔ وہ خدائی نہیں کرتا بندگی سکھاتا ہے۔ ہمارے بابا جیؒ سراپا بندگی تھے، بندگی سکھاتے تھے۔ مردِ کامل تھے۔ مردِ کامل وہ ہے جو عبدِ کامل ﷺ کا ظاہراً و باطناً مکمل اتباع کرے۔''

[حبیب الرحمٰن ہاشمی]

عاجزی وانکساری

حضرت بابا جیؒ نے کبھی بھی اپنے لیے جمع کا صیغہ استعمال نہیں فرمایا۔ یعنی کبھی بھی اپنے لیے ''ہم، ہمیں، آپ'' وغیرہ الفاظ استعمال نہیں فرمائے۔ [مولانا عبدالرحیم صاحب]

ایک بار حضرت بابا جیؒ اور مولانا سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہٗ یکجا تشریف فرما تھے۔ مولانا سرفراز خان صاحبؒ نے حضرت بابا جیؒ سے کہا کہ ''مولانا! آپ کو پتا ہے میری عمر آپ کی عمر سے بڑی ہے؟'' حضرت بابا جیؒ نے فی البدیہہ جواب دیا کہ حضرت! آپ ہر اعتبار سے بڑے ہیں۔ [مولانا عبدالرحمٰن اشرفیؒ]

آٹوگراف

ایک دفعہ میں نے موقع غنیمت جان کر اپنی ڈائری حضرت کے ہاتھوں میں تھما دی

اور عرض کیا کہ کچھ تحریر فرما دیجیے۔

کمالِ شفقت سے یہ درخواست قبول فرمائی اور ڈائری کے آگے پیچھے کچھ ورق الٹے اور فرمایا کہ اس میں تو بہت بڑوں کی تحریرات ہیں۔ پھر فارسی کا ایک شعر تحریر فرمایا۔ نقوش کے موتی یوں پروئے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادب تاج ایست از لطفِ الٰہی

بنہ بر سر، برو ہر جا کہ خواہی

ترجمہ: اللہ کی مہربانی سے ادب ایسا تاج ہے کہ اس کو سر پر رکھ کر پھر جہاں چاہے چلے جاؤ۔

فقیر ابو الخلیل خان محمد عفی عنہ

خانقاہ سراجیہ، شوال ۱۴۰۳ھ

[مولانا محمد شفیق سلیم بہادر ملکانوی]

فقیر کیوں لکھتے ہیں؟

رانا عبدالجبار (مرحوم) نے ایک بار حضرت سے پوچھا، بابا جیؒ! آپ اپنے اسم مبارک کے ساتھ فقیر کیوں لکھتے ہیں؟ ارشاد فرمایا، ہمارے حضرات سے ایسے ہی چلا آ رہا ہے۔ لفظ ''فقیر'' حضرت سیّدنا موسیٰ علیہ السّلام کی دعا میں ہے، **فَقَالَ رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ**.

یعنی اے رب! تو چیز اُتارے میری طرف اچھی، میں اس کا محتاج ہوں۔

مصروفیات کا احساس کرنے والے

حضرت کی نوے پچانوے سالہ زندگی رنگا رنگ عنوانوں سے ملون تھی — ہر روز نیا واقعہ، نئے حالات — ایک مرتبہ فرمانے لگے، ہم فیصل آباد میں تھے۔ شیخو پورہ والے قاری محمد امین صاحب نے اپنے بیٹے کا نکاح مجھ سے پڑھوانا تھا جس کے لیے وقت نہیں مل رہا

تھا۔حضرت قاری صاحب نے اپنی اہلیہ، بیٹے اور ہونے والی بہو کو ساتھ لیا اور فیصل آباد پہنچ کر مجھ سے نکاح پڑھوایا اور واپس تشریف لے گئے۔ ہماری مصروفیات کا اس طرح احساس کرنے والے ساتھی بہت کم ہیں۔

عفوودرگزر

مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کے ناظم حضرتِ اعلیٰ مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری مدظلہ نے فرمایا، اسلم قریشی کے اغواء کے خلاف مجلسِ تحفظ ختم نبوت نے ایک پُر امن احتجاجی جلوس نکالا۔ پولیس نے اس پُر امن احتجاجی جلوس پر دھاوا بول دیا۔حضرت باباجیؒ بھی اس جلوس میں شریک تھے۔جلوس میں بھگدڑ مچ جانے سے حضرت کے پاؤں میں موچ آ گئی۔سخت تکلیف کی حالت میں حضرت باباجیؒ کو دفترِ ختمِ نبوت لایا گیا۔ جونہی آپ دفتر پہنچے، باباجیؒ نے بیٹھنے سے پہلے ہی تمام ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جنھوں نے بھی ہمارے پرامن جلوس کو تشدد کا نشانہ بنایا، ان سب کو معاف کردو۔ [مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری]

خاموش شیخ

حضرت قبلہ کی نگاہ مسلمانوں کے سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی ہر قسم کے حالات پر رہتی۔اجتماعات سے خطاب آپ کا معمول نہیں تھا، البتہ اختتامی دعا سادگی سے فرماتے۔ انفرادی زندگی میں بات سننے کو کہنے پر ترجیح دیتے۔ جب کبھی بولتے تو سابقہ زندگی کا نچوڑ پیش کرتے۔اسی لیے لوگ آپ کو خاموش شیخ کے نام سے یاد کرتے۔فرماتے تھے، بزرگوں نے ختم نبوت کی ڈیوٹی لگادی ہے، ورنہ جی چاہتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خانقاہی ذمہ داری میں مصروف رہوں۔

اللہ تعالیٰ رحم وکرم فرمائے گا

حضرت باباجیؒ عموماً ساتھی کی بات سن کر فرماتے، اللہ تعالیٰ رحم وکرم فرمائے! وہ ساتھی کہتا، حضرت! دعا فرمائیں۔حضرت پھر یہی فرماتے۔وہ ساتھی پھر زور دے کر عرض کرتا کہ حضرت! میری پریشانی کو دیکھیں، آپ سے خصوصی دعا کی التجا ہے۔حضرت پھر یہی

فرماتے، اللہ تعالیٰ رحم وکرم فرمائیں! بالآخر وہ ساتھی بول پڑتا کہ حضرت! میں دعا کی التجا کر رہا ہوں، آپ بس یہی فرما دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحم و کرم فرمائیں۔ کوئی خصوصی دعا فرمائیں۔ تب حضرت ازراہِ شفقت فرماتے، میرے پاس اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم کے طلب کرنے سے بڑھ کر اور کوئی دعا نہیں! تب جا کر ساتھی کو سمجھ آتی کہ اللہ تعالیٰ رحم و کرم فرمائیں، بھی ایک دعا ہے۔

سب اسی راستے میں شمار ہوگا

حضرت گاہے گاہے سرہند شریف تشریف لے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ صاحبزادہ محمد عابد صاحب نے سنایا کہ سرہند شریف سے واپسی پر واہگہ میں ٹیکسی والا کرایہ زیادہ مانگ رہا تھا اور میں کمی کا اصرار کر رہا تھا۔ حضرت نے پوچھا، کیا بات ہے؟ کیا کہہ رہا ہے؟ میں نے عرض کیا، ٹیکسی والا کرایہ زیادہ مانگ رہا ہے اور میں کمی کا اصرار کر رہا ہوں۔ تو حضرت نے فرمایا، جتنا مانگتا ہے دے دو، سب اسی راستے میں شمار ہوگا۔

درود تنجینا کے فضائل

قاری محمد سردار احمد بستی حضور رینالہ خورد راوی ہیں کہ فیصل آباد کے ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ میں درود تنجینا چھپوانے کی غرض سے پریس میں گیا، اتفاق سے پریس کا مالک غیر مقلد تھا۔ اس نے پوچھا، اس درود شریف کا ثبوت ہے؟ میں نے سکوت اختیار کیا، کیونکہ میرے پاس ثبوت نہیں تھا۔

حضرت قبلہ بابا جیؒ نے ارشاد فرمایا، درود شریف کسی بھی صیغہ سے ہو مقبول ہے۔ پھر حضرت خواجہ صاحب نے مسکراتے ہوئے مزید فرمایا کہ ہمارے حضرات ختم (درود شریف تنجینا الخ) ۳۱۳ ر بار پڑھتے ہیں جو مصائب و پریشانی میں مجرب ہے۔ اور فرمایا کہ وہ غیر مقلد جاہل ہوگا ورنہ علماء اہل حدیث (غیر مقلد) بھی اس درود شریف کو پڑھتے ہیں۔ مزید فرمایا کہ ہم سفر حج پر روانہ ہو رہے تھے یا واپسی کا سفر تھا کہ ہمارے ایک ساتھی کو کسٹم والوں نے پکڑ لیا۔ اس کے بارے میں انہوں نے انکشاف کیا کہ یہ ہیروئن پیتا ہے۔ مجھے یہ سن کر

حیرانی ہوئی تو میں نے وہیں کھڑے کھڑے درود تنجینا پڑھنا شروع کر دیا۔ ابھی پندرہ یا بیس بار پڑھنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ ساتھی دفتر سے باہر آتے ہوئے دکھائی دیا۔ اس نے آتے ہی بیان کیا کہ ڈاکٹر صاحب نے میرا قارورہ وغیرہ ٹیسٹ کرنے کے بعد کہا کہ اسے چھوڑ دو، یہ نشہ نہیں کرتا۔ کسٹم والے تو گرفتاری کے بعد خوب پریشان کرتے ہیں اور یہ واقعہ بھی حضرت خواجہ صاحب نے اسی مجلس میں ارشاد فرمایا جو آپ کو سعودی عرب میں پیش آیا تھا۔

وسعتِ ظرفی

ایک آدمی خانقاہ شریف حاضر ہوا اور حضرت باباجیؒ سے تبلیغ میں چلّہ لگانے کی اجازت مانگی؟ حضرت باباجیؒ نے فرمایا، بڑی خوشی سے لگاؤ بھئی۔

ایک شہر میں تبلیغ والوں کا ہفت روزہ شبِ جمعہ کا اجتماع تھا جس میں مولانا طارق جمیل کا بیان تھا۔ عین اسی وقت ایک دینی اجتماع بھی تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ تبلیغ والوں سے کہہ دیا جائے کہ آج تم اجتماع نہ کرو، یہاں شرکت کرلو۔ حضرت باباجیؒ نے فرمایا، نہیں، تم اپنا کام کرو وہ اپنا کام کریں۔ [حبیب الرحمٰن ہاشمی]

ذوقِ مطالعہ

حضرت باباجیؒ مطالعہ بہت تیز فرماتے تھے۔ ملک بھر سے مذہبی ہفت روزہ رسالے اور ماہنامے آپ کی خدمت میں آتے تھے۔ آپ ایک محفل میں ایک رسالے کا مطالعہ فرما لیتے تھے۔ اگر کچھ باقی رہ جاتا تو دوسری محفل میں اس کو مکمل کر لیتے۔ بعض اوقات تو گھنٹوں لگاتار مطالعہ فرماتے، خادم کو وقت کے بارے میں بتانا پڑتا۔ آپ بظاہر مطالعے میں مصروف رہتے اور مرید آپ کی محفل میں خاموش اپنے قلب کی طرف متوجہ رہتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ حاضرینِ مجلس کو کتاب یا رسالے سے کوئی واقعہ سنانا شروع کر دیتے تھے اور پھر پڑھتے پڑھتے خود بھی رو پڑتے اور حاضرینِ مجلس کو بھی رُلا دیتے۔ آنسو موتیوں کی لڑی کی طرح گرتے۔ اکثر آپ خاموش متوجہ الی اللہ رہتے۔ عام طور پر اخبار کا مطالعہ فرماتے، ملکی و غیر ملکی مسلمانوں کے حالات پر نظر رکھتے اور دردِ دل سے دعا فرماتے تھے۔

تصور میں تجھے لا کر ہمہ تن گوش رہتا ہوں
مثل شمع جلتا ہوں مگر خاموش رہتا ہوں

ادب

ایک مرتبہ حضرت بابا جیؒ سے پوچھا گیا کہ بعض اوقات حاجی عبدالوہاب صاحب یا کوئی اور بزرگ تشریف لاتے ہیں تو آپ ان کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھتے ہیں اور وہ بھی آپ کے سامنے دوزانو بیٹھتے ہیں، خواہ ایک گھنٹہ ہی کیوں نہ گزر جائے، مگر ہم سے نا کارہ آپ کے سامنے آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ کیا آپ بھی حضرت ثانیؒ کے سامنے آلتی پالتی مار کر (چارزانو) بیٹھتے تھے؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

[حاجی محمد یعقوب]

چنبے دی بوٹی

نمازِ ظہر کے بعد معمولات سے فارغ ہو کر آپؒ حجرے میں تشریف فرما تھے۔ ساتھی پروانہ وار شمع کے گرد جمع تھے۔ ایک ساتھی آگے بڑھے اور حضرت کے روبرو آبیٹھے، قدرے خاموشی کے بعد گویا ہوئے، حضرت! کچھ سنانے کی اجازت ہے؟ آپ نے فرمایا، اجازت ہے بھئی۔ اس نے نہایت دلکش اور سریلی آواز میں حضرت بلھے شاہؒ کی کافی ''چنبے دی بوٹی'' سنائی تو سماں بندھ گیا۔ حضرت چارزانو گردن جھکائے تشریف فرما تھے۔ سوز و گداز جو سینۂ بے کینہ میں مستور تھا اَشک بن کر چہرے کو شاداب کر رہا تھا۔ یہ پتھر بھی کیف و سرور محسوس کر رہا تھا۔ جونہی یہ نغمہ سرا خاموش ہوا حضرت نے آنسو پونچھے اور فرمایا، ماشاءاللہ۔ جیب سے سو روپے نکال کر اُس کو دیے۔ وہ بولا، یہ ہدیہ ہے یا انعام؟ حضرت نے فرمایا، ہدیہ اور انعام میں کیا فرق ہوتا ہے۔

[حبیب الرحمٰن ہاشمی]

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب!

ساتھیوں کی بے پرواہی کا بڑا صدمہ ہوتا ہے اور صدمہ ہونا بھی چاہیے لیکن یہ دنیا اور اس کا سب کچھ سارے کا سارا بے وفا ہے۔ جب رہنا ہی بے وفا دنیا میں ہے تو اس میں

رہنے والے کسی فرد کی بے وفائی کا صدمہ نہیں ہونا چاہیے۔ اچھا انسان وہ ہے جو اپنا معاملہ ٹھیک رکھے اور دوسروں سے اپنے حق میں کسی اچھائی اور بہتری کی امید نہ رکھے۔ بس جہاں تک ہو سکے اپنا معاملہ ٹھیک رکھیں اور اُن کو اپنے حال پر چھوڑ دیں۔ لیکن لڑائی جھگڑا، ہاتھا پائی والا قصہ بالکل نہ ہونے پائے۔ اس طرح بدنمائی والا قصہ بالکل نہ ہونے پائے۔

اپنے کام میں لگے رہیں

آپ لوگ کسی کے اختلاف کا کیوں اثر لیتے ہیں، آپ غیر جانبدار رہیں اور صرف اپنے مقصد سے کام رکھیں۔ کسی کی حمایت اور مخالفت کی تحریکوں میں ہرگز حصہ نہ لیں۔ جو طلبہ ایسا کرتے ہیں، وہ غلطی پر ہیں اور اپنا قیمتی وقت فضول قصوں میں ضائع کرتے ہیں۔ والدین نے طلبہ کو اِن کاموں کے لیے باہر نہیں بھیجا۔ آپ سب اپنے آپ کو ایسے قصوں سے بچا کر رکھیں اور اپنے کام میں لگے رہیں۔

جس قدر ہو سکے، یک سو ہو کر اپنی تعلیم میں مشغول رہنے کی سعی کریں۔ صرف اسی مقصد کے لیے سفر کی صعوبتیں برداشت کی جاتی ہیں۔ تعلیم سے فرار آپ کے لیے سم قاتل اور مہلک ہے۔ اپنے نفع و نقصان کو سمجھیں اور چندروزہ محنت سے جی نہ چرائیں۔

حضرتِ خواجہؒ اور جمعیت علمائے اسلام[1]

''۱۹۵۶ء کے شروع میں، خانقاہِ سراجیہ کے سجادہ نشین حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ نے اپنے متوسلِ خصوصی حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کو اپنے ہاں بلا کر علماء کو سیاست کی ضرورت واہمیت کا احساس دلایا اور اس کی عملی شکل اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ ملتان تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ، حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ (بانی ومہتمم جامعہ خیر المدارس) اور دیگر اکابر علماء سے حضرتِ ثانیؒ کے ارشاد کو عملی جامہ پہنانے کا مشورہ کیا۔ سب نے تائید کی اور دعاؤں سے نوازا۔ کام کا آغاز یوں ہوا کہ ایک مجلسِ استقبالیہ تشکیل پائی جس کے صدر حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ اور ناظم حضرت مفتی محمود صاحبؒ مقرر ہوئے۔

۸، ۹/ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو علماء کنونشن کے لیے حضرت لاہوریؒ اور حضرت مفتی صاحب کے دستخطوں سے دعوت نامہ جاری ہوا۔ اسی اثنا میں مولانا سیّد امیر حسین شاہ صاحب گیلانیؒ ہندوستان سے واپسی پر یہاں کے علماء کے نام حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کا پیغام لائے کہ ''بیٹھنے کا وقت نہیں، اٹھیں کام کریں۔'' چنانچہ ۸، ۹/ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو جامعہ قاسم العلوم ملتان میں حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری صاحبؒ کی زیرِ صدارت کنونشن منعقد ہوا۔ چاروں صوبوں کے تقریباً ڈیڑھ سو جید علماء نے شرکت فرمائی۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ بھی شریک ہوئے۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور) نے تعاون اور دعائے برکت کا پیغام بھیجا۔

۱۔ راوی: مولانا عبداللہ صاحب مدظلہٗ، بھکر

۷؍جون ۱۹۵۶ء کو سجادہ نشین خانقاہِ سراجیہ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ کا وصال ہو گیا چنانچہ ان کی جگہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ مسند نشین ہوئے اور انہوں نے ملتان کے ''علماء کنونشن'' میں شرکت فرمائی۔ اس کنونشن میں جمعیت علمائے اسلام کے نام سے کام کرنے کا فیصلہ ہوا۔ حضرت لاہوری مرکزی امیر اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ نائب امیر اور حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ ناظمِ اعلیٰ منتخب ہوئے۔ اور بھی عہدے داروں کا انتخاب ہوا، جس کی تفصیل اس وقت یاد نہیں۔

حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ ہمیشہ جمعیت علمائے اسلام میں شریک رہے۔ باقاعدہ رکنیت فارم پُر فرمایا کرتے تھے۔ مرکزی مجلسِ عاملہ کے اکثر اور مجلسِ شوریٰ کے ہمیشہ رکن رہے۔ اجلاسوں میں پابندی سے شرکت فرماتے۔ جماعت میں آپ کا بہت احترام تھا۔ آپ کی رائے بہت وقیع ہوتی۔ مرکزی اور صوبائی اجتماعات میں ہمیشہ شرکت فرماتے۔ اکثر اجتماعات آپ کی زیرِ صدارت ہوتے۔ جمعیت کے مقامی اور علاقائی اجتماعات میں بھی شرکت کی درخواست بخوشی قبول فرماتے، اور دور دراز مقامات پر سفر کی تکلیف اٹھا کر بھی تشریف لے جاتے۔ جمعیت علمائے اسلام کے استحکام اور ترقی کے لیے فکرمند رہا کرتے۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ کا ۱۴؍اکتوبر ۱۹۸۰ء میں انتقال ہو گیا اور آپ کے انتقال کے بعد بعض مسائل میں اختلاف ہوا۔ چنانچہ خان پور میں مرکزی مجلسِ عمومی کا اجلاس تھا۔ چاروں صوبوں سے ارکان نے بھرپور شرکت کی۔ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ ارکان کے جذبات بھڑک اٹھے اور ایسا فیصلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے جو اس وقت کسی طرح مناسب نہ تھا۔ تب حضرت خواجہ صاحبؒ مجمع کے سامنے تشریف لائے اور فرمایا کہ ''آپ لوگ آج کوئی فیصلہ نہ کریں بلکہ اپنے گھروں کو تشریف لے جائیں۔ اگر مجلسِ عمومی کا اجلاس نہ بلایا گیا تو میں بلالوں گا۔'' پورا مجمع بلا چوں و چرا آپ کے ارشاد پر سرِ تسلیم خم کیے خاموشی سے واپس چلا گیا۔

اجلاس بھی ہوئے، انفرادی گفتگو کا سلسلہ بھی رہا، حضرت نے جماعت کو متحد رکھنے کے لیے بہت کوشش فرمائی، سفر بھی کیے، مشقتیں اور اذیتیں بھی اٹھائیں، لیکن اللہ کی مشیت اس وقت کوئی محنت بار آور نہ ہوئی۔ جماعت سے متعلق بعض علماء نے بھی جدوجہد کی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس کے باوجود دعائیں اور کوششیں جاری رہیں۔ اس اختلاف کے ابتدائی ایام میں مولانا حق نواز جھنگوی شہیدؒ مجھ سے ملے اور خواہش ظاہر کی کہ آپ اور میں مل کر ایسی جماعت بنائیں جو ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور مسلکِ اہلِ سنت کے لیے منظم طریقے سے کام کرے (تب سپاہِ صحابہ نہیں بنی تھی)۔ میں نے عرض کیا، سوچ کر بتاؤں گا۔ میں نے خانقاہ شریف حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے علاقے کے حالات عرض کیے اور مولانا حق نواز شہیدؒ کی رائے کا بھی ذکر کیا۔ حضرتؒ نے مختلف محاذوں پر کام کرنے والی ہم مسلک جماعتوں کا نام لے کر فرمایا، عالمی، ملکی سطح پر یہ جماعتیں زیادہ موثر نہیں ہیں۔ اگر کسی جماعت کا کچھ اثر ہے تو وہ جمعیت علمائے اسلام کی سیاسی قوت ہے۔ جماعت بھی وہی رہے گی جس میں مولانا فضل الرحمان صاحب ہیں، لہٰذا اپنا وزن (جیسا کیسا بھی ہے) اسی کے پلڑے میں ڈالنا چاہیے۔

لاہور میں جمعیت علماء اسلام کا اجلاس تھا۔ مولانا فضل الرحمان صاحب جیل میں تھے۔ اجلاس سے چند دن پہلے میں بھکر اپنے مدرسے میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک حضرت تشریف لائے اور فرمایا کہ ہمارے ساتھ چلو۔ میں ساتھ ہولیا۔ اگلی سیٹ پر حضرت تشریف فرما ہوئے۔ پچھلی سیٹ پر میں اکیلا تھا۔ مظفر گڑھ سے حاجی گل محمد صاحب مرحوم باگڑ سرگانہ والے ساتھ ہو لیے۔ جتوئی سے مولانا لقمان مرحوم کو لے کر دین پور شریف پہنچے۔ حضرت میاں سراج احمد صاحب مدظلہ العالی مسجد کے صحن میں دروازے کے قریب کھڑے مسجد کے تعمیراتی کام کی نگرانی فرما رہے تھے۔ ملاقات ہوئی۔ وہیں کچھ دیر نشست ہوئی۔ حضرت نے میاں صاحب سے فرمایا کہ لاہور میں جمعیت علمائے اسلام کا اجلاس ہو رہا ہے جس میں مرکزی عہدے داروں کا انتخاب ہوگا۔ ہماری درخواست ہے کہ آپ امارت قبول

فرمائیں۔حضرت میاں صاحب نے فرمایا کہ ''میں آپ کو اپنے باپ کی جگہ سمجھتا ہوں، انکار نہیں کر سکتا، اتنی گزارش ہے کہ میں اجلاس میں نہیں آؤں گا، آپ حضرات میرے حق میں امارت کا فیصلہ فرمادیں گے تو میں قبول کرلوں گا۔ چنانچہ لاہور کے اجلاس میں میاں سراج احمد صاحب مدظلہٗ کو امیر اور مولانا فضل الرحمان کو ناظمِ عمومی (جنرل سیکریٹری) منتخب کیا گیا۔

حضرت میاں صاحب نے امارت قبول کرلی اور پوری مستعدی سے کام شروع کردیا۔کئی اضلاع کے دوروں میں مجھے معیت حاصل رہی۔اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی اور تقریباً دس سال بعد جمعیت علمائے اسلام کے دونوں دھڑوں میں اتحاد ہوگیا۔۱۲/دسمبر ۱۹۹۰ء میں مدرسہ قاسم العلوم، شیرانوالا دروازہ، لاہور میں بھرپور کانفرنس کے ذریعے جمعیت علمائے اسلام کے اتحاد، نئی مجلسِ عاملہ اور پالیسی کا اعلان کیا گیا۔تین اکابر سرپرست بنائے گئے؛ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؒ بیر شریف، حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ خانقاہِ سراجیہ اور حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحبؒ گوجرانوالہ۔ امیر حافظ الحدیث مولانا عبداللہ صاحب درخواستی اور ناظمِ عمومی (جنرل سیکریٹری) مولانا فضل الرحمان صاحب کو بنایا گیا۔اس طرح جماعت دوبارہ یکجا ہو کر کام کرنے لگی، اگرچہ کچھ لوگوں نے الگ رہ کر جماعت کا نام استعمال کیا ہے، لیکن جماعت ایک ہی ہے جس کا جماعتی نظم اور وزن ہے۔

حضرت ہمیشہ جمعیت علمائے اسلام کی ترقی اور استحکام کے لیے فکر مند اور کوشاں رہتے تھے۔ جس زمانے میں بھکر ضلع میانوالی کی تحصیل تھی، الگ ضلع نہیں بنا تھا، ہماری ضلعی مجلسِ شوریٰ کے اکثر اہم اجلاس خانقاہ شریف میں حضرتؒ کی زیرِ صدارت ہوتے۔ زیادہ تو یاد نہیں، ایک مرتبہ مرکزی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس ۲۲، ۲۳/ مارچ ۱۹۹۴ء کو خانقاہ شریف میں ہوا۔ ایجنڈے میں جماعت کے دستور میں ترامیم کا مسئلہ بھی شامل تھا۔مولانا فضل الرحمان کی تجویز سے مجلسِ شوریٰ نے یہ کام میرے حوالے کردیا کہ میں جن ساتھیوں کو مناسب سمجھوں ساتھ لے کر یہ خدمت انجام دوں۔مجلسِ شوریٰ کے اجلاس سے فارغ ہونے کے بعد حضرت کے بڑے فرزند مولانا عزیز احمد صاحب مدظلہٗ اور خواجہ محمد زاہد شہیدؒ (ڈیرہ

اسماعیل خان) سے عرض کیا کہ وہ اس کام میں میرے ساتھ شریک ہوں۔خانقاہ شریف کی تاریخ مقرر کردی۔میں وہاں پہنچ گیا،اور خواجہ محمد زاہد مرحوم بھی تشریف لائے۔بھلوال کے حاجی احمد یار مرحوم حضرت کی زیارت کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے۔خانقاہ شریف اور جمعیت علمائے اسلام سے ان کا پرانا تعلق تھا۔حضرتؒ نے فرمایا،ان کو بھی اپنے کام میں شریک کرلو۔اس طرح ہم چار ساتھی ہوگئے۔کئی دن مسلسل خانقاہ شریف میں بیٹھ کر ہم نے اوّل تا آخر پورے دستور پر غور کیا اور ترامیم تجویز کیں جو مجلسِ شوریٰ لاہور کے اجلاس میں پیش ہوئیں۔الحمدللہ! ہماری کئی تجاویز اب تک دستور کا اہم حصہ ہیں۔حضرت کے تین صاحبزادے (مولانا صاحبزادہ عزیز احمد صاحب،مولانا صاحبزادہ خلیل احمد صاحب اور جناب صاحبزادہ سعید احمد صاحب) ضلع میانوالی جمعیت کے یکے بعد دیگرے امیر رہے اور اب بھی اِنہی حضرات کی سرپرستی جمعیت کو حاصل ہے۔

حضرتؒ جمعیت علمائے اسلام کی پالیسیوں کی مکمل حمایت فرماتے رہے۔ایم آر ڈی کے زمانے میں ایک دن آپ ٹوبہ ٹیک سنگھ تشریف فرما تھے۔ایک صاحب نے حضرتؒ کے سامنے مولانا فضل الرحمان پر تنقید شروع کر دی۔مولانا صاحب کے خلاف خاصی طویل گفتگو کی۔حضرت خاموشی سے سنتے رہے۔جب اس شخص کی بات پوری ہوگئی تو حضرت نے فرمایا،''مولانا فضل الرحمٰن صاحب جو کچھ کررہے ہیں ٹھیک کررہے ہیں۔میں ان کے ساتھ ہوں۔'' حضرتؒ کے اس ارشاد سے اس شخص کی ساری تقریر پر پانی پھر گیا۔

تقریباً ڈیڑھ سال قبل کی بات ہے،ایک صاحب جو عالم معلوم ہوتے تھے،خانقاہ شریف میں حضرتؒ کے سامنے مولانا فضل الرحمٰن کے خلاف گفتگو کررہے تھے۔جب خاموش ہوئے تو حضرت نے فرمایا،''ہم مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے ساتھ ہیں۔''

مولانا اسلام آباد آتے جاتے حضرت کی خدمت میں حاضری دیا کرتے اور کبھی صرف زیارت کے لیے سفر کیا کرتے۔۲رمئی کو عشاء کے وقت مجھے سیال ہسپتال میں آخری زیارت نصیب ہوئی،اُس وقت بھی مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا حال دریافت فرمایا۔

حضرت کے خادمِ خاص حکیم سلطان محمود صاحب نے بیان کیا، ''ایک عالمِ دین نے حضرت سے سوال کیا کہ حضرت! ہمارے ہاں جمعیت علمائے اسلام بھی ہے اور مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت بھی ہے۔ جمعیت علمائے اسلام کے ساتھی مجھ پر زور دیتے ہیں کہ میں جمعیت کا کام کروں اور مجلس تحفظِ ختمِ نبوت والے زور دیتے ہیں کہ ہمارے ساتھ کام کرو۔ میرے لیے جناب کا کیا حکم ہے؟'' حضرت نے فرمایا کہ ''جمعیت علمائے اسلام میں کام کرو۔ جمعیت علمائے اسلام ہوگی تو مجلسِ تحفظِ ختم نبوت ہوگی، جمعیت ہوگی تو مدارس ہوں گے۔''

ظاہری اسباب میں روحانی فیضان اور دینی، ملّی خدمات کے لیے آپ کے نزدیک تین بڑے اور نمایاں ذرائع تھے: (۱) خانقاہ سراجیہ، (۲) مجلس تحفظِ ختم نبوت، (۳) جمعیت علمائے اسلام۔ اللہ تعالیٰ ان تینوں کو دوام اور بقا عطا فرمائے اور دین کی خدمت اور حفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔ (بہ تصرفِ ادنیٰ)

مجلسِ تحفظِ ختم نبوت اور حضرت بابا جیؒ[1]

آغاز میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی گوشۂ خمول میں دادِ تصنیف و تالیف دیتے رہے۔ پھر بطور مبلغ و مناظرِ اسلام مناظرہ کے میدان میں نمودار ہوئے۔ تب عیسائی مشنریاں اُمہات العقائد اور مسلّماتِ دین پر حملہ آور ہو رہی تھیں۔ امید ہو چلی تھی کہ مرزا صاحب اپنے تیر و تفنگ سے اسلام کے رخِ روشن کا خوب دفاع کریں گے۔ مگر وہ دفاعِ اسلام کے خارزار میں آبلہ پائی سے کترا کر، الہامات منامات کے سبزہ زار میں جا اترے، جہاں ان پر الہامات و دعاوی کی برکھا شروع ہوگئی۔ الہامات و دعاوی کا یہ ملفوف سلسلہ چلتا رہا تا آنکہ مرزا صاحب دعاوی و الہامات کا نقاب الٹ کر بطور مجدد و مصلح سامنے آئے۔ بالآخر ارتقا و تدریج کا یہ سلسلہ مسیحِ موعود سے ہوتا ہوا معاذ اللہ دعویٰ نبوت تک جا پہنچا۔

علمائے ربانیین کی عقابی نگاہوں نے شروع ہی سے تاڑ لیا تھا کہ یہ شخص کیا گُل کھلائے گا۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ بپوش
من اندازِ قدت را خوب می شناسم

ترجمہ: میاں! تم چاہے جس رنگ کا چولا پہن لو، میں تمہاری قامت کا انداز خوب پہچانتا ہوں۔

چنانچہ علمائے لدھیانہ نے سب سے پہلے ان کی تکفیر کی۔ مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، علامہ اقبالؒ وغیرہم نے ان کا

۱۔ ماخوذ از مضمون مولانا اللہ وسایا صاحب

تعاقب جاری رکھا۔ حجت الاسلام، تاج المحدثین حضرت مولانا سیّد محمد انور شاہ کشمیریؒ نے اپنے عالی مرتبت تلامذہ کی ایک کھیپ (جو آسمانِ علم کے آفتاب و ماہتاب تھے) کو ردّ قادیانیت پر مامور فرمایا کہ وہ اپنی علمی، فکری اور قلمی توانائیاں اس فتنے کے استیصال کے لیے وقف کر دیں، دوسری جانب شعلہ نوا مقرر، سحر بیان خطیب، امیر شریعت، سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو خطابت کے میدان میں اتارا۔ ان کی شعلہ نوائی نے ایک صور پھونک دیا۔ آتش بجاں، سرفروش مقرروں کا ایک لشکر تیار ہو گیا، جنھوں نے زبان و بیان سے قادیانیت کا ناطقہ ہی نہیں عرصۂ حیات بھی تنگ کر دیا۔ مگر اللہ کی شان سلطنتِ برطانیہ کا ''خود کاشتہ پودا'' حکومت کی سرپرستی اور چھتری تلے پروان چڑھتا رہا۔ اِدھر اہلِ جنوں خارِ مغیلاں سے آبلے پھوڑتے ہوئے عشق و محبت کی زرّیں تاریخ رقم کرتے رہے۔

تحفظ ختم نبوت اور خانقاہ سراجیہ کا بھی چولی دامن کا ساتھ رہا ہے، اور ردِ قادیانیت کے محاذ پر خانقاہ سراجیہ کے اکابرین اُپی ہوئی تلوار ثابت ہوئے۔ بانی خانقاہ سراجیہ حضرتِ اعلیٰؒ نے ارشاد فرمایا کہ اصل فتنہ موجودہ دور میں مرزائیت کا ہے جو وجودِ اسلام کو مٹانا چاہتا ہے، اس کے خلاف جہاد جاری رکھنا چاہیے۔

حضرت ثانیؒ بھی اسلام اور داعیِ اسلام ﷺ کی حرمت و ناموس کو عقیدۂ ختمِ نبوت کی اساس سمجھتے تھے۔ وہ نہ صرف اس عقیدہ کو ایمان کا موقوف علیہ تصور فرماتے بلکہ اس کے تحفظ کو حرزِ جان سمجھتے تھے۔ منکرینِ ختمِ نبوت اور من گھڑت تاویلات کرنے والوں کو اسلام کا عظیم دشمن گردانتے۔ تحریکِ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء کی نہ صرف پشت پناہی فرمائی بلکہ حضرت باباجیؒ کو عملی طور پر شرکت کے لیے میانوالی بھیجا کہ وہ برملا اعلانِ حق کریں اور میانوالی میں اجلاس منعقد کریں۔ حضرت قبلہ باباجیؒ قید و بند کی صعوبتوں سے بے نیاز میانوالی تشریف لے گئے۔ حضرت ثانیؒ کی ہدایات کے مطابق وہاں کام شروع کیا اور بالآخر خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا۔

حضرت ثانیؒ کے بعد حضرت باباجیؒ مسند نشین ہوئے اور آپؒ نے بھی خانقاہِ سراجیہ کی

تابندہ روایات کو باقی رکھتے ہوئے جہاں اپنے انفاس سے دلوں کی دنیا آباد کی، تعلق مع اللہ اور اتباعِ سنت کی جوت جگائی، وہاں ختمِ نبوت کے لیے اپنا ہر سانس وقف کر دیا۔

حضرت بابا جیؒ ختمِ نبوت کے کام کو نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا، نواب محمد صادق صاحب کے دور میں بہاولپور کی عدالت میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا کیس دائر ہوا۔ نواب صاحب گرمیاں برطانیہ گزارتے تھے۔ وہاں پر حکومتِ برطانیہ نے نواب صاحب پر دباؤ ڈالا کہ قادیانیوں کو مت چھیڑو۔ اسی دوران سردار خضر حیات سے ملاقات ہوئی تو ان کو یہ تفصیل بتائی کہ انگریز بہت مجبور کر رہے ہیں۔ سردار صاحب نے کہا کہ نواب صاحب! ہم انگریز کے نمک خواہ ضرور ہیں مگر دوسری جانب رسالت مآب ﷺ کی ختمِ نبوت کا مسئلہ ہے۔ اس لیے میں تو یہی مشورہ دوں گا کہ اپنی آخرت کے پیشِ نظر قادیانیوں کو ہرگز تحفظ نہ دیں۔ چنانچہ نواب صاحب کو بات سمجھ میں آ گئی اور انہوں نے حکومتی دباؤ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے عدالت کے کسی کام میں مخل نہ ہوئے۔ سرکاری سطح پر سب سے پہلے ریاست بہاولپور میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔

فرمایا، ان دونوں شخصیات کی مغفرت کے لیے یہی عمل کافی ہے۔ [حاجی محمد یعقوب]

ایک مرتبہ فرمایا، مجھے تو بزرگوں نے ختمِ نبوت کے کام کی ذمہ داری سونپ دی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو خانقاہ شریف میں ہمہ تن ذکرِ پاک میں مصروف رہتے۔ نیز فرمایا، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تبلیغ و جہاد جیسے فرائض کا تعلق حضورِ اکرم ﷺ کے اعمال سے ہے اور ختمِ نبوت کا تعلق حضور ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے ہے۔ ختمِ نبوت کی پاسبانی براہِ راست ذاتِ اقدس ﷺ کی خدمت کے مترادف ہے۔ [حاجی محمد یعقوب]

تحفظِ ختمِ نبوت کے سلسلے میں حضرت بابا جیؒ کی جلیل القدر خدمات کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا ممکن ہی نہیں، تاہم بابا جیؒ کی خدمات کا مختصر تذکرہ مندرجہ ذیل ہے:

حضرت بابا جیؒ کا بطور نائب امیر چناؤ[1]

۹/اپریل ۱۹۷۴ء میں مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کا سہ سالہ انتخاب ہوا۔حضرت خواجہؒ ٹرین چھوٹ جانے کی وجہ سے شرکت نہ فرما سکے۔اس اجلاس میں حضرت بنوریؒ کو مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کا امیر مقرر کیا گیا۔حضرت بنوریؒ نے حضرت خواجہؒ کو نائب امیر اور مولانا شریف جالندھریؒ کو ناظمِ اعلیٰ نامزد کیا۔مجلسِ شوریٰ نے حضرت بنوریؒ کے اس فیصلے کی بھرپور تائید کی۔

مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے مرکزی دفتر کے لیے ایک دن مختص کرنا

حضرت قبلہ بابا جیؒ مجلس کے نائب امیر مقرر ہونے کے بعد مولانا شریف محمد جالندھریؒ خانقاہ سراجیہ حاضر ہوئے اور آپ سے درخواست کی کہ حضرت! مہینے میں ایک دن دفترِ مرکزیہ کے لیے مختص فرما دیں، تا کہ مہینے بھر کی کارگزاری پیش کی جا سکے۔حضرت قبلہؒ نے یہ درخواست قبول فرما لی۔سالہا سال اس پر عمل ہوتا رہا۔

تحریکِ ختمِ نبوت میں حضرت بابا جیؒ کا کردار

۲۹/مئی ۱۹۷۴ء میں قادیانی اوباشوں نے مرزا طاہر کی زیرِ قیادت چناب نگر اسٹیشن (ربوہ) پر نشتر میڈیکل کالج کے طلبہ پر حملہ کر دیا۔یہ خبر ملک بھر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔لوگ سخت مشتعل تھے۔چنانچہ حضرت بنوریؒ کی ولولہ انگیز قیادت میں ایک فقید المثال تحریک چلی۔جس میں ہر مکتبِ فکر اور ہر مسلک کے زعماء اور قائدین کے شانہ بشانہ حضرت قبلہؒ نہ صرف مشاورت میں شریک رہے بلکہ ملک بھر میں خانقاہ سراجیہ کے جملہ متعلقین کو عقیدۂ ختمِ نبوت کے تحفظ کے لیے اپنا کردار ادا کرنے کا حکم فرمایا۔خانقاہ شریف میں دعاؤں کے اہتمام کے ساتھ ساتھ میانوالی کے ارکانِ اسمبلی کو قائل کرنے کے لیے اپنا اثر رسوخ بھی استعمال کیا۔غرض اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے آپ نے شب و روز

۱۔ قیامِ پاکستان کے بعد مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت قائم ہوئی، اس کے عہدہ داران بذریعہ انتخاب مقرر ہوتے تھے۔

ایک کر دیے۔ بحمد للہ! جو تحریک چناب نگر ریلوے اسٹیشن پر قادیانیوں کی حماقت و زیادتی سے شروع ہوئی، ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی ۷؍ستمبر ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی کے تاریخی فیصلے پر منتج ہوئی، یعنی اس تحریک کے نتیجے میں قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار پائے۔

اجلاسِ ہالیجی شریف میں شرکت

۱۱؍جولائی ۱۹۷۵ء کی بات ہے کہ حضرت بنوریؒ نے صوبہ سندھ میں ختمِ نبوت کے کام کی توسیع کے لیے خانقاہ ہالیجی شریف (پنوں عاقل کے ساتھ ایک مقام ہے) میں ایک اجلاس منعقد کیا، جس میں دیگر زعماء اور قائدین کے علاوہ حضرت بابا جیؒ بھی شریک ہوئے۔ اس اجلاس کی برکت سے سکھر، گمبٹ، کنری، ٹالھی، کراچی غرض سندھ کے کئی مقامات پر مجلس کے کئی عظیم الشان دفاتر، مراکز اور مساجد قائم ہوئیں۔ اندرونِ سندھ قادیانیت کے بھرپور اور موثر تعاقب کا سلسلہ شروع ہوا۔ بعد میں بھی حضرت بابا جیؒ نے متعدد بار اندرونِ سندھ کے چھوٹے بڑے شہروں کے دورے فرمائے اور عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور ترویج میں نمایاں اور بے مثال کردار ادا کیا۔

چناب نگر (ربوہ) اور ملتان میں مرکزِ ختمِ نبوت کا قیام

۷؍ستمبر ۱۹۷۴ء کے عدالتی فیصلے کے نتیجے میں قادیانیت کو غیر مسلم اقلیت اور قادیانیوں کے مرکزی شہر ربوہ کو ''کھلا شہر'' قرار دیا گیا۔ چنانچہ پولیس، ڈاک، بجلی، ریلوے، بلدیہ اور تمام تعلیمی و سرکاری اداروں میں قادیانیوں کے بجائے مسلمان عملہ متعین ہوا۔ مزید برآں فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی کے لیے چناب نگر میں مرکزِ ختم نبوت کے قیام کی ضرورت بھی محسوس کی گئی۔ چنانچہ ۱۶؍جنوری ۱۹۷۶ء کو بنوری ٹاؤن کراچی میں حضرت مولانا سیّد یوسف بنوریؒ کی زیرِ صدارت عالمی مجلسِ تحفظ ختم نبوت کی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا۔ دیگر حضرات کے علاوہ حضرت قبلہ بابا جیؒ بھی اس اجلاس میں شریک ہوئے۔ جس میں حضوری باغ روڈ ملتان میں نئے مرکز کی تعمیر اور چناب نگر میں کام کی توسیع کا بھی فیصلہ ہوا۔

چناب نگر میں پہلا عوامی اجتماع

آل پاکستان سالانہ ختمِ نبوت کانفرنس (چنیوٹ) کے اجلاس کے دوران یہ بات طے ہوئی کہ نمازِ جمعہ ''مسجد محمدیہ'' چناب نگر میں پڑھی جائے گی اور امامت کے فرائض حضرت قبلہ خواجہ خان محمدؒ ادا کریں گے۔ چنانچہ مسجد محمدیہ میں جمعہ کا سب سے پہلا بڑا عوامی اجتماع ہوا۔ مسجد کے اندر، باہر اور اسٹیشن کے اردگرد دور دور تک نمازیوں کی صفیں تھیں۔ آپ کی امامت میں جمعہ ادا کیا گیا۔

مسلم کالونی چناب نگر میں مسجد اور مدرسے کا قیام

چناب نگر کو حکومت نے کھلا شہر قرار دے کر دریائے چناب کے کنارے ۵۰/۱ ایکڑ پر مسلم کالونی ڈیزائن کی۔ اوائل ۱۹۷۶ء میں مولانا تاج محمود اور مولانا شریف جالندھریؒ نے خاموشی سے اس کالونی میں مسجد اور مدرسے کے قیام کے لیے ۹/ کنال اراضی کے حصول کے لیے درخواست دی۔ ۲۸/ جنوری ۱۹۷۶ء کو اِس پلاٹ کا قبضہ ملا۔ اس جگہ پر مدرسے کی بنیاد رکھنے کی سعادت بھی اللہ رب العزت نے حضرت بابا جیؒ کو بخشی۔ چنانچہ ۷/ جولائی ۱۹۷۶ء کو حضرت بابا جیؒ مسلم کالونی چناب نگر تشریف لائے۔ اس پلاٹ پر عصر کی نماز کی امامت فرمائی اور دعائے خیر بھی کی۔ اسی دن عارضی مسجد اور حجرے کا سنگِ بنیاد بھی رکھا گیا۔

حضرت بنوریؒ کی زیرِ صدارت شوریٰ کا آخری اجلاس

۱۰/ اگست ۱۹۷۷ء کو ملتان میں عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کی مرکزی مجلسِ شوریٰ کا آخری اجلاس حضرت بنوریؒ کی زیرِ صدارت منعقد ہوا (اس کے بعد آپ کا وصال ہو گیا)۔ جس میں دیگر حضرات کے علاوہ حضرت بابا جیؒ بھی شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں مندرجہ ذیل اہم فیصلے ہوئے:

۱۔ جس جماعت نے کسی قادیانی کو الیکشن میں کھڑا کیا، یا کسی امیدوار نے من حیث الجماعت مرزائیوں کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی تو مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت اس کی بھرپور مخالفت کرے گی۔

۲۔ مسلم کالونی چناب نگر میں مسجد، دارالمبلغین اور عربی مدرسے کے ساتھ ساتھ اساتذہ اور مبلغین کی اقامت گاہوں کی تعمیر۔

۳۔ برطانیہ میں کام کی توسیع۔

۴۔ ''لولاک'' کی اشاعت کی توسیع۔

حضرت قبلہؒ کا بطور امیر چناؤ

۱۷/اکتوبر ۱۹۷۷ء میں حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کے وصال سے مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کے امیر کا عہدہ خالی ہوگیا۔ چنانچہ ۲۷/دسمبر ۱۹۷۷ء کو نئے امیر کے چناؤ کے لیے مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا۔ اللہ کی شان! حضرت قبلہ ناسازیٔ طبع کی بنا پر اجلاس میں شرکت نہ فرما سکے۔ چنانچہ آپ نے صاحبزادہ عزیز احمد صاحب اور مولانا نذیر احمد صاحب (خطیب جامع مسجد غوثیہ کندیاں) کو بطور نمائندہ، اپنا پیغام دے کر بھیجا۔ اجلاس میں حضرت قبلہ بابا جیؒ کا ایمان افروز پیغام پڑھ کر سنایا گیا:

بطور تبرک حضرتِ والا کا پیغام ہدیہ قارئین ہے:

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ.

فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ نائب امیر مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کی طرف سے حضرات گرامی قدر، اراکین کرام، مرکزی مجلس شوریٰ و مجلسِ عاملہ تحفظ ختم نبوت پاکستان

سلمکم اللّٰہ تعالیٰ و عفاکم!

مطالعہ فرمائیں، آپ حضرات کا اس مبارک اجتماع میں شریک ہونا سلف صالحین کرام و غازیان کرام کی یاد تازہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اسلاف کرام کی پوری اتباع کی ہم کو توفیق عطا فرمائے اور اپنے اکابر کے مسلک پر اِستقامت اور اس کی اشاعت و حفاظت کی توفیق عطا فرمائے! آمین۔

سب سے پہلے آپ حضرات کی خدمت میں حضرت اقدس شیخ الاسلام علامہ بنوری نوراللہ مرقدہٗ کی رحلت کے متعلق تعزیت عرض ہے۔ یہ حادثہ ہم سب کے لیے اور پورے

عالم اسلام کے لیے ایک مشترک حادثہ ہے اور ہم سب اس غم میں شریک ہیں۔ سارے عالم اسلام کے لیے عموماً اور مسلک دیوبند کے لیے خصوصاً یہ ایک عظیم حادثہ ہے اور ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اس سے ایک ایسا خلا پیدا ہوا ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ.

حضرت شیخ الاسلام رئیس العلماء والصلحاء مولانا سیّد محمد یوسف بنوری قدس سرہ العزیز امیر کل پاکستان مجلس تحفظ ختم نبوت کا دور امارت ہر لحاظ سے بفضلہٖ تعالیٰ مجلس تحفظ ختم نبوت کے مقاصد عظیم کی فقید المثال کامیابی اور فائز المرامی کا دور ثابت ہوا ہے۔ حضرت مولانا کی رہنمائی میں اندرونِ ملک اور عالمی سطح پر تحفظ ختم نبوت کے ادارے اور مراکز نہ صرف قائم ہوئے بلکہ ملحدین و زنادقہ اور فرقہ ضالہ مرزائیہ کے خفیہ اور ظاہر اَڈوں اور کمین گاہوں پر مبلغین تحفظ ختم نبوت کی مضبوط تبلیغی پیش قدمی کے راستے کھل گئے اور عالمی سطح پر دشمنان اسلام کی اہل اسلام کو گمراہ کرنے کی ناپاک سرگرمیاں سرد پڑ گئیں اور اہل اسلام پر ان کا دجل وفریب اور گمراہی وکفر واضح ہوگیا۔ حضرت اقدس نے بنفس نفیس خود افریقہ اور لندن وغیرہ کا دورہ کیا اور پیرانہ سالی کے باوجود اس فرقہ ضالہ مرزائیہ کا تعاقب کیا اور کامیابی وکامرانی کے ساتھ واپسی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی نصرت وتائید فرمائے! آمین۔

اگر اندرون ملک اور بیرون ملک مبلغین، اراکین اور ہمدردان ومخلصان تحفظ ختم نبوت کی تبلیغ دعوت وارشاد کی رفتار اور پیش قدمی اس طرح جاری رہی تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور نصرت سے امید ہے کہ بدترین فتنہ مرزائیت کے بقیہ آثار اور ادارے حرف، غلط کی طرح مٹ جائیں گے اور دین حقہ اسلام کا دور دورہ ہوگا اور خلافت علیٰ منہاج الکتاب والسنۃ کا قیام ممکن ہوسکے گا۔ انشاء اللہ!

فقیر کی صحت بحمدللہ تعالیٰ روبہ ترقی ہے لیکن ابھی کافی کمزوری ہے اور اس عذر کی وجہ سے اس عالیشان اور بابرکت محفل میں شرکت اور حاضری کی سعادت حاصل نہیں کرسکا۔ امید ہے آپ حضرات اس فقیر کا عذر قبول فرمائیں گے اور اپنی دعاؤں سے اس ناچیز کی

فلاح دارین میں مدد فرمائیں گے۔ **والعذر عند کرام الناس مقبول. اسی** لیے اپنی طرف سے مولانا نذیر احمد خطیب جامع مسجد کندیاں اور فرزندی عزیز احمد آپ حضرات کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ اس اجتماع میں آپ حضرات کو آئندہ کے لیے تنظیمی انتخاب کرنا ہے اور اس میں خاص طور پر امیر کا انتخاب خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اب آپ حضرات کو حضرت سیّد مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی جگہ پُر کرنے کے لیے انہی کے علم وفضل اور عمل و اخلاص کے پایہ کے عالم حق کو اس منصب کے لیے منتخب کرنا ہے جو صاحب قلم بھی ہو اور قادر الکلام مقرر بھی، عالم باعمل بھی ہو اور عالمی شہرت کا حامل بھی اور ادارہ مجلس تحفظ ختم نبوت کی اہمیت وافادیت کا دل سے قائل بھی ہو۔ اس کے علاوہ کسی مرکزی حیثیت کے شہر کا، جو ذرائع آمدورفت کی سہولتوں سے پوری طرح بہرہ ہو، قیام پذیر بھی ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ حضرات کو ایسے عالم حق کے انتخاب کی رہنمائی اور توفیق عطا فرمائے! آمین۔ جہاں تک اس فقیر کا تعلق ہے، اپنے آپ کو تحفظ ختم نبوت کا ایک ادنیٰ خادم ہی بننا اپنے لیے ذریعہ فلاح دارین سمجھتا ہے، ایک دور دراز گوشہ ملک میں رہتا ہے جہاں آمدورفت کے ذرائع محدود اور دشوار ہیں، نہ اہل قلم نہ ہی مقرر ہے اور اس عظیم مرتبہ کے لیے ضروری اوصاف سے بالکل عاری اور ناآشنا ہے۔ یہ کسر نفسی نہیں بلکہ حقیقت کا اظہار ہے۔ اس ناچیز کا نام اس منصب جلیلہ کے لیے زیر غور لانا درحقیقت اس منصب عالیہ کی توہین ہے۔ آپ نے اگر نائب امیر ہونے کی حیثیت سے مجھے سامنے رکھا تو یہ آپ حضرات کی دیانت دارانہ رائے کے سراسر خلاف ہوگا اور آپ حضرات اپنی ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی کے مرتکب ہوں گے۔ اگر اس فقیر کو اپنی تمام تر نالائقی کے باوجود منتخب کرلیا اور اس فقیر سے اپنی نالائقی کی بنیاد پر کوتاہیاں سرزد ہوئیں، جو کہ یقینی ہیں، تو آپ حضرات اس میں برابر کے شریک ہوں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ محفوظ وممنون رکھے! آمین۔

لہٰذا آپ حضرات کی خدمت میں نہایت دردمندانہ اپیل ہے کہ اس کے متعلق اپنی دیانت کے مطابق پوری طرح سوچ اور فکر کے ساتھ فیصلہ کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی

مدد، نصرت و رہنمائی فرمائے اور صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق رفیق گردانے۔ آمین! فقیر دعا گو ہے کہ مولائے کریم و رحیم جل شانہٗ آپ حضرات و جملہ اراکین و ہمدردان مجلس تحفظ ختم نبوت اور جملہ اہل اسلام کو اقصائے عالم میں ظاہری و باطنی خیر و برکت، صحت و عافیت اور فتح و نصرت اور تمکن و رسوخ سے نوازے اور دین حقہ اسلام کی بیش از بیش خدمت، تبلیغ اور اشاعت کی توفیق کرامت فرماوے۔ اپنے فضل و کرم اور رضا و حفظ خاص سے سرفراز فرمائے اور اپنے انصار اللہ و حزب اللہ میں محشور فرمائے! آمین۔[1]

یہ پیغام سن کر مولانا تاج محمود صاحب نے اجلاس سے خطاب میں فرمایا کہ حضرت مولانا خان محمد صاحب نے جن شرائط اور صلاحیتوں کا اس پیغام میں ذکر فرمایا ہے وہ تمام حضرت میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ ہم اس پیغام کا ایک ایک حرف دل کی گہرائیوں سے سن کر اِس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اکابرین کی اس امانت (مجلس تحفظِ ختمِ نبوت پاکستان) کی صحیح قیادت حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب ہی فرما سکتے ہیں۔ اس لیے آئندہ تین سال کے لیے مجلس تحفظ ختمِ نبوت پاکستان کے امیرِ مرکزیہ کے لیے میں حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب کا نام پیش کرتا ہوں۔ ان کے بعد حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر نے تائیدی کلمات کہے۔

اس کے بعد اتفاقِ رائے سے حضرت قبلہ کو مجلسِ تحفظ ختم نبوت کا امیر مرکزیہ اور مولانا محمد عبداللہ صاحب (شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال) کو نائب امیر منتخب کر لیا گیا۔ اس کے بعد مجلس تحفظِ ختم نبوت کا ایک وفد حضرتؒ کی خدمت میں خانقاہ سراجیہ حاضر ہوا۔ اجلاس کی کارروائی پیش کی گئی۔ حضرت قبلہؒ نے نہایت شفقت فرمائی اور انکار کا ایک لفظ بھی نہیں فرمایا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ.

۱۔ ہفت روزہ لولاک، ۳۰ر فروری ۱۹۷۸ء

حضرت بنوریؒ کی زیرِ صدارت آخری اجلاس میں کیے گئے فیصلوں پر عمل درآمد

۱۔ الیکشن اور قادیانی

''الیکشن میں جہاں کہیں قادیانی کھڑا ہوگا تو مجلس اس کے لیے رکاوٹ بنے گی''
الحمدللہ! اس فیصلے کے بعد سے آج تک قومی صوبائی اسمبلیوں اور سینٹ میں کوئی قادیانی عام الیکشن لڑکر نہیں جاسکا۔ حضرت باباجیؒ کی زیرِ قیادت مجلس تحفظِ ختم نبوت کی بھرپور جدوجہد اور پُرخلوص دعاؤں کے باعث پورے ملک کی ایسی فضا بن گئی کہ کسی قادیانی کے لیے الیکشن میں حصہ لینا تو درکنار وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا۔

۲۔ جامع مسجد ختمِ نبوت چناب نگر کی تعمیر

مسلم کالونی چناب نگر میں جامع مسجد ختمِ نبوت کی تعمیر حضرت باباجیؒ کے دورِ امارت میں ہوئی۔ تمام معاملات حضرت کی مشاورت سے طے ہوئے۔ بالآخر حضرت قبلہ کی زیر سرپرستی ایک وسیع وعریض، حسین وجمیل، پرشکوہ اور مرصع جامع مسجد تعمیر ہوئی۔ جس کے مینارے کی بلندی ایک سوبیس فٹ ہے۔ مسجد کی دیواریں اسمائے الٰہی اور اسماء النبی ﷺ کے نور سے جگمگا رہی ہیں اور ماحول کو اُجال رہی ہیں۔

۳۔ دارالمبلغین کا قیام

قادیانیت کے شترِ بے مہار فتنے کو نکیل ڈالنے کے لیے مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کے زعماء اور قائدین نے ''دارالمبلغین'' کے قیام پر زور دیا۔ چنانچہ حضرت باباجیؒ کے دورِ امارت میں ہی دارالمبلغین جیسا وقیع علمی ادارہ وجود میں آیا، جہاں ایک عظیم الشان، منتخب اور مرتب لائبریری بھی قائم کی گئی۔ یہ بلند پایہ علمی خزانہ دس ہزار سے زائد حوالہ جاتی کتب پر مشتمل ہے جس سے مبلغین اور اساتذہ بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ حضرت باباجیؒ کے عہدِ امارت ہی میں ''دارالمبلغین'' میں ''سالانہ ردّ قادیانیت کورس'' شروع ہوا۔ حضرت باباجیؒ نے اس کی

بھرپور سرپرستی فرمائی۔ کورس کے آغاز واختتام پر بنفسِ نفیس تشریف لاتے اور شرکاء کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ حضرت کی تشریف آوری پر عید کا سماں ہو جاتا۔ چنانچہ حضرت بابا جیؒ کی زیرنگرانی ہزاروں علماء نے ردِقادیانیت کورس کیا اور قادیانی دجل وکذب اور مکروفریب کا پردہ چاک کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔

۴۔ مدرسۂ عربیہ (چناب نگر) کا قیام

مغربی تہذیب وتمدن کی یلغار، عصرِ حاضر کے فتنوں اور الحاد و بے دینی کے سیلاب کی روک تھام کے لیے ایک عربی مدرسے کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ بھی تجویز کیا گیا کہ اس مدرسے میں انگریزی زبان کی تعلیم بھی دی جائے تاکہ نسلِ نو طاغوت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں کے لب ولہجے میں بات کرسکے۔ چنانچہ حضرت بابا جیؒ کے عہدِ امارت میں ایک عربی مدرسہ قائم ہوا۔ مدرسے کی عمارت، مہمان خانہ، طلبہ کی رہائش اور درسگاہیں، مطعم، باورچی خانہ، گودام، وضوخانہ، بیت الخلاء، پھلواری اور باغیچے کی تعمیر حضرت بابا جیؒ کی زیرنگرانی اور مشاورت سے طے پائی۔

۵۔ اساتذہ اور مبلغین کے مکانات کی تعمیر

حضرت بنوری کی امارت کے آخری ایام میں اساتذہ اور مبلغین کی تعمیر کا فیصلہ ہو چکا تھا، مگر کام شروع نہ ہوسکا۔ اساتذہ اور مبلغین کی سات رہائشگاہیں حضرت بابا جیؒ کے دور میں تعمیر ہوئیں۔ یہ سب مکانات مجلس کی ملکیت ہیں۔

مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری کی بطور خازن تقرری

۲۷؍دسمبر ۱۹۷۷ء کو حضرت بابا جیؒ امیر مرکزیہ منتخب ہوئے تو انہوں نے مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری مدظلہٗ کو مرکزی خازن مقرر فرمایا۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک کی زبردست مشغولی، بیرونی وفود کی بکثرت آمد، اور دیگر ناگزیر امور کی وجہ سے دفتری حساب غیرمرتب رہا۔ اس چار سالہ غیرمرتب بکھرے ہوئے حساب کو سمیٹنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ تاہم مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری کی شبانہ روز محنت نے اس کو ترتیب دیا، مالی حسابات کیے، بل

ترتیب دیے اور چند ہفتوں ہی میں چار سال کا حساب مرتب کر کے جانچ پڑتال کے لیے بھجوا دیا۔ الغرض مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری مدظلہ ہمارے حضرت بابا جیؒ کی انمول دریافت اور مجلس کا گرانقدر اثاثہ ہیں۔ مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری نے حضرت بابا جیؒ کے زیر سایہ (اور اب حضرت کی دعاؤں کے حصار میں) دفترِ مرکزیہ اور مرکزی نظم کو چلایا ہے۔

ووٹر فارم کی عبارت میں تبدیلی

جنرل محمد ضیاء الحق کے دور میں مولوی مشتاق حسین چیف الیکشن کمشنر تھے۔ قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر نے ان سے مل کر ساز باز کی کہ الیکشن فارم کے حلف نامے میں ایسی تبدیلی کر دی جائے جس سے قادیانی مسلمانوں کا روپ دھار کر اپنا ووٹ درج کرا سکیں۔ اللہ کی شان! مولانا تاج محمود کو اِس کی بھنک پڑ گئی۔ انہوں نے ''لولاک'' میں شدید احتجاجی شذرہ لکھا، اور حلف نامے کی سابقہ عبارت کو بحال کرنے پر زور دیا۔ مگر قادیانی نواز لابی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ چنانچہ حضرت بابا جیؒ کی زیرِ صدارت مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس ہوا، جس میں فیصلہ ہوا کہ حضرت بابا جیؒ، مولانا تاج محمودؒ اور مولانا محمد شریف جالندھریؒ مولانا مفتی محمودؒ سے مل کر جنرل محمد ضیاء الحق کو اس سازش سے آگاہ کریں اور سابقہ عبارت کی بحالی کی عبارت پر زور دیں، اس کی ایک حرف کی تبدیلی پر بھی راضی نہ ہوں۔ مولانا مفتی محمودؒ نے اولاً نوابزادہ نصر اللہ خان کے ذریعے اور بعد میں بذاتِ خود جنرل محمد ضیاء الحق سے رابطہ کر کے انہیں اس بھیانک اور مکروہ سازش سے آگاہ کیا۔ چنانچہ جنرل محمد ضیاء الحق نے بیوروکریسی کے علی الرغم وہ فارم ضائع کرنے اور ووٹر فارم میں اصل حلف نامہ بحال کرنے کا حکم دیا۔ یہ اہم کام بھی حضرت بابا جیؒ کے دورِ امارت میں ہوا۔

توسیعِ نشر و اشاعت

۱۹ر فروری ۱۹۷۸ء میں حضرت قبلہؒ کی زیرِ امارت مجلسِ شوریٰ کا پہلا اجلاس ملتان میں منعقد ہوا۔ باقی امور کے علاوہ اس اجلاس میں مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی سربراہی

میں ایک کمیٹی بنی، جس کا مقصد جدید خطوط پر نشر و اشاعت کے کام کی توسیع تھا۔ چنانچہ فروری ۱۹۷۸ء سے مولانا یوسف لدھیانویؒ کی شہادت (۱۳ر جمادی الاوّل ۱۴۲۹ھ/ ۱۸ر مئی ۲۰۰۸ء) تک نشر و اشاعت کا جو بھی شاندار اور جاندار کام ہوا وہ حضرت باباجیؒ کے دورِ امارت کی تابندہ یادگار ہے۔

مجلسِ شوریٰ میں اختلاف اور حضرت باباجیؒ کی کرامت

حضرت بنوریؒ کے انتقال کے بعد ایک کٹھن صورت حال پیش آئی۔ مجلسِ تحفظ ختمِ نبوت کی مرکزی مجلسِ شوریٰ کے ارکان میں کچھ انتظامی معاملات میں اختلافِ رائے ہو گیا۔ جس کا اثر مبلغین میں بھی منتقل ہوا۔ صورتِ حال خاصی نازک اور حساس ہو گئی تھی۔ حضرت قبلہؒ نے معاملات کو سدھارنے کے لیے مجلسِ شوریٰ کا اجلاس منعقد کر لیا۔ خطرہ لاحق تھا کہ اختلافِ رائے کی وجہ سے ناخوشگوار صورتِ حال پیش آ سکتی ہے۔

ڈاکٹر خالد صاحب مرحوم راوی ہیں کہ اجلاس سے ایک رات قبل حضرت قبلہ باباجیؒ عشاء سے فجر تک پوری رات مصلے پر رہے، ایک لمحہ بھی آرام نہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت باباجیؒ کی دعائے نیم شبی کی بدولت مجلسِ شوریٰ کا اجلاس نہایت خوشگوار ماحول میں ہوا۔ تمام حضرات کے دلوں سے اختلافات کا غبار چھٹ گیا، تکدر زائل ہو گیا۔ ہر طرف الفت و مودت اور اعتماد و اخوت کے حسین مناظر دکھائی دیتے تھے۔

دفترِ مرکزیہ کی تعمیر اور حضرت باباجیؒ کی کرامت

علامہ مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ کے دور ہی میں تغلق روڈ ملتان میں مرکز کی تعمیر کا کام شروع ہو چکا تھا۔ جب عمارت تقریباً ۸۰ فیصد مکمل ہو گئی تو ٹھیکیدار نے روایتی ہتھکنڈے استعمال کرتے ہوئے رقم بڑھانے کا مطالبہ کر دیا۔ جب اس کا یہ ناجائز مطالبہ نہ مانا گیا تو وہ بگڑ گیا۔ عدالت اور کچہری کے راستے اسے سوجھنے لگے۔ چنانچہ ۱۰، ۱۱ر فروری ۱۹۸۰ء میں مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں فیصلہ ہوا کہ ٹھیکیدار کو بے دخل کر کے، عمارت کی صفائی ستھرائی کر کے اسے نماز اور رہائش کے قابل بنایا جائے۔ جس پر ٹھیکیدار نے روڑے

اٹکائے اور مزاحمت کی۔ چنانچہ حضرت بابا جیؒ سے اس امر میں اجازت طلب کی گئی۔ آپ نے اجازت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ چکی کا ہتھہ ہاتھ میں ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ اگلے دن عمارت میں صفائی ستھرائی کا کام شروع ہو گیا۔ بحمد للہ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا۔ تین چار گھنٹوں میں یہ نئی عمارت دفتر اور رہائش کے قابل ہو گئی۔ لاؤڈ اسپیکر نصب کر کے ظہر کی اذان و جماعت کا اہتمام ہوا۔ پھر دن رات ایک کر کے مسجد کے فرش کی سطح برابر کی گئی۔ جمعہ کا اعلان کر دیا گیا۔ کراچی سے مولانا محمد بنوریؒ اور خانقاہ شریف کندیاں سے قبلہ بابا جیؒ تشریف لائے تو چکی کا ہتھہ ہاتھ میں تھا۔ حضرت بابا جیؒ کی پر خلوص دعاؤں سے یہ مشکل مرحلہ بھی بہ آسانی سر ہو گیا۔

توسیعِ دار المبلغین

۱۴، ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۰ء کو مجلسِ شوریٰ کا اجلاس حضرت کی زیرِ صدارت منعقد ہوا، جس میں یہ فیصلے ہوئے:

۱۔ دار المبلغین کے تحت سہ ماہی کورس شوال تا ذوالحجہ ضرور منعقد ہو۔ فارغ التحصیل علماء کو تربیت دی جائے اور وظیفہ بھی پیش کیا جائے۔

۲۔ شعبان میں ردِ قادیانیت کورس کا اہتمام کیا جائے، جس میں مدارس کے طلبہ اور علماء شریک ہوں۔ (اس سے قبل رمضان المبارک میں جن مقامات پر دورہ تفسیر، دورہ صرف و نحو ہوتے تھے وہاں ہفتہ عشرہ کے لیے مجلس کے مبلغین تشریف لے جا کر ردِ قادیانیت پر تربیت دیتے تھے۔ نیز دفترِ مرکزیہ میں گاہے بگاہے بسلسلۂ ردِ قادیانیت سہ ماہی کلاسیں لگتی تھیں)۔ چنانچہ ان سالانہ کورسوں کا خوب اہتمام ہوا۔ ہزاروں علماء نے اس سے استفادہ کیا۔ الحمد للہ!

۱۹۸۱ء میں امیر و نائب امیر کا چناؤ

مارچ ۱۹۸۱ء میں حضرت بابا جیؒ کی امارت کے تین سال مکمل ہو گئے۔ چنانچہ امیر و نائب امیر کے چناؤ کے لیے ۸ر مارچ ۱۹۸۱ء کو مجلسِ عمومی کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس

میں مجلس کے بہی خواہ، زعماء اور اکابرین نے کثرت سے شرکت فرمائی۔ اجلاس کی کارروائی کے دوران آئندہ تین سال کے لیے حضرت باباجیؒ کا نام بطور امیر مرکزیہ تجویز کیا گیا۔ تمام حاضرین نے تائید اور تحسین کے جذبات کا اظہار کیا۔ حضرت قبلہ باباجیؒ نے مولانا مفتی احمد الرحمانؒ کا نام بطور نائب امیر تجویز فرمایا۔ مولانا محمد شریف جالندھری کو ناظمِ اعلیٰ مقرر کیا گیا۔

حضرت باباجیؒ کے دورِ امارت میں مجلس کے نئے دفاتر و مراکز کی تعمیر

۹ر اگست ۱۹۸۱ء کو حضرت کی زیرِ صدارت ملتان میں مرکزی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا، جس میں فیصلہ کیا گیا کہ گوجرانوالہ، سیالکوٹ، سکھر، کراچی میں موجود مجلس کے پلاٹوں پر تعمیر کا آغاز کیا جائے۔ چنانچہ حضرت کی زیرِ سرپرستی ان شہروں میں مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کے دفاتر، مراکز اور مساجد کی تعمیر کا کام باحسن وخوبی تکمیل کو پہنچا۔ علاوہ ازیں مندرجہ ذیل مقامات پر مجلس کے مراکز کی تعمیر و توسیع کا کام بھی حضرت باباجیؒ کے بابرکت دورِ امارت میں مکمل ہوا۔

۱۔ حیدرآباد میں مرکزِ مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کی تعمیر

۲۔ کوٹری ضلع حیدرآباد میں مسجد، مدرسہ اور مرکزِ مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کی تعمیر

۳۔ کنری میں مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کی مسجد اور مدرسے کی تکمیل

۴۔ سرگودھا میں دفترِ مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کی تعمیر

۵۔ ٹالھی میں مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کی مسجد اور مدرسے کا قیام

۶۔ گمبٹ میں مسجدِ ختمِ نبوت اور دفتر کی تعمیر

۷۔ رحیم یار خان میں دفترِ مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کی تعمیر

۸۔ لاہور میں دفترِ مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کا خطیر رقم سے قیام

۹۔ کوئٹہ میں دفترِ مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کا قیام

۱۰۔ ژوب میں دفترِ مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کا قیام

۱۱۔ فیصل آباد میں دفترِ ختمِ نبوت کی تعمیر

ہفت روزہ ختمِ نبوت کراچی کا اجراء

۲۵ رمئی ۱۹۸۲ء کو حضرت قبلہ بابا جیؒ کی زیرِ صدارت مجلسِ شوریٰ کا جلاس ہوا، جس میں یہ خوشخبری سننے کو ملی کہ مجلس کو اپنے یومِ تاسیس پر ہفت روزہ ختمِ نبوت کے ڈیکلریشن میں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ (اس سے قبل حکومتی ایوانوں میں قادیانی اثر ورسوخ کی وجہ سے ڈیکلریشن کے حصول کی درخواستیں منسوخ ہوتی رہیں)۔ اَن تھک جدو جہد اور بھاگ دوڑ کے بعد یہ کامیابی حاصل ہوئی۔ ۲۹ رمئی ۱۹۸۱ء کو اس کا پہلا پرچہ جاری ہوا جس میں حضرت بابا جیؒ کا پیغامِ تہنیت آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ اس پرچے کا اجراء آپ کے عہد مبارک میں ہوا۔ جب تک یہ پرچہ جاری رہے گا حضرت قبلہ بابا جیؒ کی یادوں کی خوشبو چہار سو پھیلتی رہے گی۔

چناب نگر میں سیرت کانفرنس کا انعقاد

حضرت قبلہ بابا جیؒ کی سربراہی میں طے ہوا کہ چناب نگر میں سیرت کانفرنس منعقد کی جائے۔ چنانچہ ۷ر دسمبر ۱۹۸۱ء میں حضرت قبلہ بابا جیؒ کی زیرِ نگرانی مسلم کالونی چناب نگر میں سیرت کانفرنس منعقد ہوئی۔

چناب نگر میں ختمِ نبوت کانفرنس کا آغاز

آغاز میں سالانہ ''کل پاکستان ختم نبوت کانفرنس'' چنیوٹ میں منعقد ہوتی تھی۔ تاہم جب قادیانی گروہ نے ''چناب نگر'' کو اپنا مرکز بنالیا اور ان کی یورشوں میں اضافہ ہوا تو فیصلہ کیا گیا کہ کفر کے عین قلب اور مرکز میں اُتر کر اس کی سازشوں کو بے نقاب اور اس کے مکروفریب کے جال کو تار تار کیا جائے۔ چنانچہ اوّل اوّل تو جمعے کے اجتماعات چناب نگر شہر میں منعقد کیے گئے، پھر ۷ر ستمبر ۱۹۸۱ء میں حضرت بابا جیؒ کی زیرِ قیادت چناب نگر کی سرزمین میں پہلی سیرت کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کے بعد ۲۳، ۲۴ر اکتوبر ۱۹۸۲ء کو اہلِ اسلام کا قافلہ ایک بار پھر نئی شان سے چناب نگر میں داخل ہوا۔ ۲۵ رمئی ۱۹۸۲ء میں مرکزی مجلسِ شوریٰ

کے منعقدہ اجلاس میں حضرت باباجیؒ نے فیصلہ کیا کہ اکتوبر ۱۹۸۲ء میں چناب نگر میں ختمِ نبوت کانفرنس کا آغاز کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے کانفرنس کے انتظامی معاملات مجلس کے ذمہ داران اور کارکنان کو تفویض فرمائے۔ یہ کانفرنس نہایت خوش سلیقگی، قرینے اور خوش انتظامی سے تکمیل کو پہنچی۔ حضرت قبلہؒ نے خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا (جو ''رشحاتِ قلم'' میں شامل ہے)۔ بعد میں بھی حضرت قبلہ باباجیؒ اپنی علالت، نقاہت اور ضعف و پیری کے باوجود، طویل اور دشوار گزار سفر کر کے ختمِ نبوت کانفرنس چناب نگر میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ۲۰۰۷ء میں حضرت قبلہ باباجیؒ کے معالجین نے حضرتؒ کے اسفار پر پابندی لگا رکھی تھی۔ فقیر (مولانا اللہ وسایا) حاضر ہوا، کانفرنس کا اشتہار پیش کر کے دعا کی درخواست کی۔ حضرت قبلہ باباجیؒ نے از خود فرمایا کہ اس کانفرنس کے لیے میں سفر کروں گا۔ ۲۰۰۸ء میں بھی تیار تھے کہ اچانک سفر کے روز زیادہ نقاہت ہوگئی، مجبوراً تشریف نہ لا سکے۔ ۲۰۰۹ء میں تو بالکل سفر کے قابل نہ تھے، لیکن سفر کیا۔ دن بھر شریک رہے اور رات کے اجلاس کی صدارت بھی فرمائی۔ نقاہت کا غلبہ تھا۔ جب دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو کمزوری کے باعث ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر حاضرین پر رِقت طاری ہوگئی۔ اللہ رب العزت کا فضل و کرم ہے کہ ربع صدی سے زائد عرصے سے یہ کانفرنس نہایت تزک واحتشام کے ساتھ منعقد ہو رہی ہے اور عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کی حسنات میں سے ہے، جس کا آغاز حضرت باباجیؒ کے مبارک ہاتھوں سے ہوا۔ حق تعالیٰ اس سلسلے کو تا ابد جاری رکھیں۔

ختمِ نبوت سے متعلق قانون کی منسوخی اور حضرت باباجیؒ کی مساعی

جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنے دورِ حکومت میں آرڈیننس نمبر ۲۷، مجریہ ۸/ جولائی ۱۹۸۱ء میں ۳۴۴/ قوانین منسوخ کیے۔ قوانین کی منسوخی کے اس عمل میں آئین کی اُن شقوں پر بھی زد پڑی جن کی رُو سے قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار پائے اور جن کی رُو سے قادیانی صرف غیر مسلم اقلیتوں کی نشستوں پر ہی الیکشن میں حصہ لے سکتے تھے۔ آئینِ پاکستان کی ان دو شقوں کی منسوخی کی وجہ سے مسلمانوں میں اشتعال، تشویش، اور ہیجان کی

ایک لہر پیدا ہوئی۔ خدشہ تھا کہ قادیانی متذکرہ دو شقوں کی منسوخی سے فائدہ اٹھا کر خباثت کا نیا بازار گرم کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس کے سد باب کے لیے ۲۵ ؍مئی ۱۹۸۱ء میں حضرت قبلہ باباجیؒ کی زیرِ صدارت مجلسِ شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا، جس میں آئینِ پاکستان کی متذکرہ دو شقوں کی بحالی کے لیے جدوجہد کا لائحۂ عمل طے ہوا۔ مجلس نے اس آواز کو بھرپور انداز میں اٹھایا۔ پریس کانفرنسیں ہوئیں، وفاقی مجلسِ شوریٰ میں بھی صدائے بازگشت سنی گئی۔ ملک میں حضرت قبلہؒ کی ولولہ انگیز قیادت میں بھرپور تحریک چلی۔ بالآخر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے آرڈیننس ۱۹۸۲ء کے ذریعے منسوخ ہونے والی متذکرہ دو شقوں کو بحال کر دیا۔

۱۹۸۳ء میں قادیانی جارحیت

مرزا ناصر احمد قادیانی (خلیفۂ ثالث) کے بعد مرزا طاہر احمد چوتھے مرزائی خلیفہ منتخب ہوئے۔ ان کی سربراہی میں قادیانی جماعت نے پَر پرزے نکالنے شروع کر دیے۔ غنڈہ گردی، اشتعال انگیزی، جارحیت، لاقانونیت، اور ظلم و تعدی پر مبنی اقدامات کو فروغ دیا۔ انہیں دنوں میں قادیانیوں نے محمد اسلم قریشی کو سیالکوٹ شہر سے اغوا کر لیا، اندرونِ ربوہ فضا خراب کرنے کی کوشش کی۔ مولانا عبد الہادی (شیخوپورہ) پر ظالمانہ تشدد کیا۔ قادیانی لابی کی ان یورشوں کو دیکھتے ہوئے حضرت قبلہ باباجیؒ نے ۲۷ ؍اپریل ۱۹۸۳ء کو ملتان میں مجلسِ شوریٰ کا اجلاس طلب کر لیا۔ مجلس کے زعماء اور اکابرین کی مشاورت سے قادیانی شترِ بے مہار کو نکیل ڈالنے کے لیے لائحۂ عمل طے کیا گیا۔ جس میں طے کیا گیا کہ جماعتی نظم کو مضبوط بنایا جائے، قادیانیت کے محاذ پر نہایت بیدار مغزی اور جفاکشی کے ساتھ کام کیا جائے۔ ملک و قوم کی غدار قادیانی جماعت کی اشتعال انگیزیوں اور سازشوں کو طشت از بام کیا جائے۔ عوام الناس کو قادیانیوں کے متعلق خبردار کیا جائے۔ قادیانی لابی کے خلاف حکومت سے راست اقدام کا مطالبہ کیا جائے۔ حضرت قبلہ باباجیؒ کی سرپرستی میں کیے گئے یہ فیصلے اور اقدامات قادیانیت کے خلاف تیر بہ ہدف علاج ثابت ہوئے۔ مزید برآں ان اقدامات نے آگے چل کر ۱۹۸۴ء کی تحریک ختمِ نبوت کی کامیابی میں نمایاں کردار ادا کیا۔

مجلسِ عمل تحفظِ ختمِ نبوت کا احیاء

باطل اور طاغوتی قوتوں کے مقابلے کے لیے، اتحادِ ملت اسلامیہ کا عنصر نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اتحادِ امت نے ہمیشہ ہی باطل کے خلاف عظیم کامیابیاں حاصل کیں۔ ماضی میں اکابرینِ امت نے باطل کی بیخ کنی کے لیے امتِ اسلامیہ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا تو اس کے نتائج نہایت شاندار نکلے۔ چنانچہ ۱۹۵۳ء میں پہلی بار مجلسِ عمل تحفظِ ختمِ نبوت وجود میں آئی اور ختمِ نبوت کے تحفظ کے لیے مثالی کام ہوا۔ ۱۹۷۴ء میں حضرت بنوریؒ کی زیرِ قیادت دوسری بار مجلسِ عمل کا قیام عمل میں آیا، جس کی جدوجہد اور مساعی جلیلہ کے نتیجے میں پاکستان کی قانون ساز اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا۔ یوں اتحادِ ملتِ اسلامیہ کی بدولت مسلمانوں کو ایک تاریخی کامیابی حاصل ہوئی۔ حضرت قبلہ بابا جیؒ نے بھی اتحادِ ملت اسلامیہ کی ضرورت شدت سے محسوس کی۔ چنانچہ آپ کی زیرِ صدارت مجلسِ شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل اہم فیصلے ہوئے:

۱۔ مجلسِ عمل تحفظِ ختمِ نبوت کا قیام عمل میں لایا جائے۔

۲۔ مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے زعماء و اکابرین اور دیگر مکاتبِ فکر کے رہنماؤں کے مابین باہمی تعاون اور اشتراکِ فکر و عمل پر زور دیا جائے۔

۳۔ کام کی رفتار بڑھانے کے لیے ضلعی کانفرنسیں منعقد کی جائیں۔

حضرت قبلہ بابا جیؒ کی گرفتاری اور رہائی

۳۱ر مئی ۱۹۸۲ء کو جامع مسجد دارالسّلام (اسلام آباد) میں رات کے وقت ختمِ نبوت کانفرنس منعقد ہوئی۔ حضرتِ اقدس خواجہ خان محمد صاحبؒ کے علاوہ مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کے زعماء اور اکابرین نے بھرپور شرکت فرمائی۔ کانفرنس سے قبل مولانا قاری احسان اللہ صاحب نے جامع مسجد قاسمیہ F-8/3 میں ختمِ نبوت کانفرنس کے انعقاد کی تجویز پیش کی (قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر، مسجد کے عقب میں موجود قادیانیوں کے گیسٹ ہاؤس میں قیام پذیر تھے)۔ چنانچہ یکم جون کو جامعہ مسجد قاسمیہ میں ختمِ نبوت کانفرنس کے

انعقاد کا اعلان کر دیا گیا۔ مجلس کے کبار، علماء وزعماء نے شرکاء سے خطاب کیا۔ راقم (مولانا اللہ وسایا) نے بھی اجتماع سے خطاب کیا۔ یہ بیان مرزا براہِ راست سن رہے تھے۔ اس خطاب کے دوران مرزا ناصر کو دِل کا دورہ پڑا (جو آگے چل کر ان کی موت کا سبب بنا)۔ چنانچہ جونہی کانفرنس ختم ہوئی مولانا عبدالشکور دین پوریؒ، قاری محمد امین، اور حضرت مولانا خواجہ خان محمدؒ کو پولیس نے گرفتار کرلیا۔ رات بھر آپ تھانے میں رہے۔ اگلے دن راجہ ظفر الحق صاحب کو معلوم ہوا۔ انہوں نے پولیس افسران کی سرزنش کی اور حضرت قبلہ بابا جیؒ کو رِہا کرنے کا حکم صادر کیا۔ چنانچہ حضرت قبلہ بابا جیؒ سنتِ یوسفی ادا کرنے کے بعد صبح نو بجے کے قریب رہا ہو گئے۔ باقی حضرات کی عدالت سے ضمانت ہو گئی۔ عدالت نے باقی حضرات کو مقدمے سے بھی باعزت بری کر دیا۔

تحریکِ ختمِ نبوت ۱۹۸۴ء

۷؍ستمبر ۱۹۷۴ء کو دوسری ترمیم کے ذریعے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ تاہم اس پہلو پر قانون سازی کا عمل ابھی باقی تھا کہ رمضان المبارک آ پہنچا۔ مولانا مفتی محمود صاحبؒ اور پاکستان کے وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کے مابین یہ طے پایا کہ قانون سازی کا عمل رمضان المبارک کے بعد ہوگا۔ تاہم اس درمیانی وقفے سے عیار اور مکار قادیانی لابی نے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے مجلس کے زعماء واکابرین اور حکومتِ وقت کے مابین اس قدر غلط فہمیاں اور فاصلے پیدا کر دیے کہ اس ترمیم پر قانون سازی نہ ہو سکی۔ علامہ سیّد محمد بنوریؒ نے جناب ذوالفقار علی بھٹو سے مذاکرات کی کوشش کی لیکن بھٹو صاحب کے مشیر طرح دے گئے۔ اس دوران ان کی حکومت برطرف کر کے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ اس عرصے میں مجلس کے مرکزی امیر حضرت قبلہ بابا جیؒ تھے۔ چنانچہ حضرت قبلہ بابا جیؒ نے مجلسِ عمل تحفظِ ختمِ نبوت کے اسٹیج سے ملک بھر کا تبلیغی دورہ کیا۔ جگہ جگہ ختمِ نبوت کانفرنسیں منعقد کیں، جن میں تمام مکاتبِ فکر کے علماء وزعماء ہم قدم ہم آواز تھے۔ پھر ۲۷؍ اپریل ۱۹۸۴ء کو ''راولپنڈی چلو'' کا اعلان کر دیا گیا۔ ان دنوں حضرت بابا جیؒ اپنے گرامی

قدر رفقاء کے ہمراہ سارقانِ ختمِ نبوت کے تعاقب میں شب و روز ایک کیے ہوئے تھے۔ راولپنڈی میں جلسے سے قبل حکومت نے پنڈی، اسلام آباد کے چہار جانب ایک ایک سو کلومیٹر پر تمام سڑکوں کی ناکہ بندی کرادی۔ ہر باریش شخص کو سواری سے اتار لیا جاتا۔ ہر ٹرین کی آمد کے وقت پنڈی اسٹیشن کو چاروں جانب سے گھیر کر ہر مسافر کو چیک کیا جاتا، تاکہ کوئی شخص ختمِ نبوت کانفرنس راجہ بازار میں شریک نہ ہو سکے۔ ملک بھر سے قافلے روانہ ہوئے۔ جس کو جہاں روکا گیا اُس نے وہاں ختمِ نبوت کا جلسہ شروع کر دیا۔ حضرت بابا جیؒ کے حکم پر مولانا محمد شریف جالندھریؒ نے اسلام آباد میں ڈیرا ڈال لیا، تاکہ پتہ چلائیں کہ اسلامی نظریاتی کونسل نے کیا سفارش کی؟ وزارتِ قانون کیا مسودہ تیار کر رہی ہے؟ ایک موقع پر راجہ ظفر الحق مولانا محمد شریف جالندھری کو لے کر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب سے ملے۔ مولانا محمد شریف جالندھری نے جنرل محمد ضیاء الحق کے تمام خدشات دور کر کے انہیں قادیانیت کے مدِ مقابل لا کھڑا کیا۔ یہ صورتِ حال عرض کرنے کے لیے رات ہی کو حضرت بابا جیؒ کی خدمت میں خانقاہ سراجیہ حاضر ہوئے۔ حضرت بابا جیؒ نے موجودہ صورتِ حال کے مطابق ہدایات دے کر انہیں اگلی صبح پھر اسلام آباد روانہ کر دیا۔ حضرت بابا جیؒ چھپ چھپا کر اسلام آباد پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ پہلے کار پر سفر شروع کیا۔ گورنمنٹ کو کار سے تشریف لانے ہی کی اطلاع تھی۔ چنانچہ آپ نے ممکنہ خدشات کے پیشِ نظر کار چھوڑ کر ریل پکڑ لی۔ راولپنڈی سے پہلے گولڑہ اسٹیشن پر اُتر گئے۔ ٹیکسی لے کر ساتھیوں کے ہمراہ مارگلہ کی پہاڑیوں سے ہوتے ہوئے حاجی محمد یعقوب صاحب کے گھر تشریف لے گئے۔ ۲۶؍ اپریل ۱۹۸۴ء کو جنرل محمد ضیاء الحق نے مجلسِ عمل تحفظِ ختمِ نبوت کو مذاکرات کی دعوت دی۔ حضرت قبلہ بابا جیؒ کی قیادت میں علمائے کرام کا ایک وفد اُن سے ملا۔ وفد کو انہوں نے مسودہ دکھایا۔ راجہ ظفر الحق صاحب نے ایک بار پھر مسودہ پڑھ کر سنایا۔ سب حضرات مطمئن ہو گئے تو جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے دستخط کر دیے۔ حضرت بابا جیؒ نے ایوانِ صدر میں جماعت کرائی۔ تمام حضرات نے آپ کی اقتدا میں باجماعت نماز ادا کی۔ اللہ نے کرم

فرمایا، ۱۹۸۴ء کی تحریکِ ختمِ نبوت جو آپ کی قیادتِ باسعادت میں چلی تھی، وہ ۲۶/اپریل ۱۹۸۴ء کی شام عظیم الشان کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔

۱۹۸۴ء میں کل جماعتی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کا ایک اجلاس لاہور میں منعقد ہوا۔ مجلسِ احرار اسلام کی نمائندگی اپنے رفقاء کے ساتھ مولانا سیّد عطاء المحسن بخاریؒ کر رہے تھے۔ اجتماع کے لیے جمعہ کا دن طے ہو رہا تھا کہ اس دن پورے ملک میں احتجاج کیا جائے اور مرکزی اجتماع لاہور میں ہو جس میں اہم علماء اور خطباء شریک ہوں۔ بعض خطباء نے اپنے علاقوں میں اپنے خطباتِ جمعہ کی اہمیت بتاتے ہوئے کہا کہ ہم سب جمعہ کے روز لاہور میں جمع ہوں تو اس سے ہمارے اجتماعاتِ جمعہ کا حرج ہوگا۔ میں نے حضرت خواجہ صاحب کو کبھی غصے میں نہیں دیکھا، لیکن اُس روز شدید جلال میں فرمایا کہ تم لوگ جمعہ کے اجتماعات تو چھوڑ نہیں سکتے، تحریک کیسے چلاؤ گے؟ حضرت کا یہ فرمانا تھا کہ سب لوگ خاموش ہوگئے۔

قادیانیت سے عدالتی جنگ

مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت نے حضرت قبلہ باباجیؒ کی زیرِ قیادت، قادیانی دجل و کذب کا ہر میدان میں ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ باباجیؒ کے ان دانشمندانہ فیصلوں اور بروقت اقدامات کے نتیجے میں قادیانی لابی بالکل بے دست و پا ہو کر رہ گئی۔ قادیانی سربراہ کے لیے پاکستان کی زمین (اپنی وسعتوں کے باوجود) تنگ ہوگئی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے آقاؤں کی سرزمین لندن میں پناہ ڈھونڈی۔ مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت نے حضرت باباجیؒ کی زیرِ قیادت اور تمام مکاتبِ فکر کے علماء و زعماء کی رفاقت میں قادیانیت کے خلاف بھرپور قانونی جنگ بھی لڑی۔ اللہ رب العزت کے لطف و کرم سے اس محاذ پر بھی نہایت شاندار فتوحات نصیب ہوئیں۔

ان عدالتی کارروائیوں کی مختصر روداد مندرجہ ذیل ہے:

(کیس نمبر-۱) وفاقی شرعی عدالت

۲۶/اپریل ۱۹۸۴ء کو امتناعِ قادیانیت آرڈیننس جاری ہوا۔ جس کے نتیجے میں

قادیانی گروہ کے سربراہ لندن فرار ہو گئے۔ قادیانی جماعت کے سالانہ جلسے اور ان کے اخبار ''الفضل'' پر پابندی لگ گئی۔ چنانچہ قادیانی گروہ نے اس آرڈیننس کو وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کر دیا۔ وفاقی شرعی عدالت کے پانچ رکنی بنچ نے اس کیس کی سماعت کی۔ ۱۵ر جولائی ۱۹۸۴ء تا ۱۲ر اگست ۱۹۸۴ء (ماسوائے تعطیلات) اس کیس کی سماعت جاری رہی۔ حضرت قبلہ بابا جیؒ کے حکم پر عالمی مجلسِ ختمِ نبوت نے مندرجہ ذیل اقدامات کیے:

۱۔ عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت ملتان کی لائبریری سے ضروری کتب و رسائل لاہور منگوا لیے گئے۔

۲۔ ممتاز عالمِ دین مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ (کراچی)، مبلغِ اسلام مولانا عبدالرحیم اشعر (ملتان)، مناظرِ ختم نبوت مولانا اللہ وسایا (چناب نگر) کو لاہور طلب کر لیا گیا۔

۳۔ ایک فوٹو سٹیٹ مشین کرائے پر حاصل کی گئی۔ نیز جامعہ اشرفیہ کی عظیم الشان لائبریری کے دروازے ہر دَم ان حضرات کے لیے کھلے رکھے گئے۔

۴۔ عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کے امیرِ مرکزیہ قبلہ حضرت بابا جیؒ اور حضرت سیّد انور حسین نفیس شاہ صاحبؒ کی سربراہی میں لاہور کے علماء روز عدالت میں تشریف لاتے رہے۔

عدالت میں حق و باطل کی کشمکش ۱۲ر اگست ۱۹۸۴ء تک جاری رہی۔ ۱۲ر اگست کو جب بحث سمیٹی گئی تو تمام حاضرین ہال سے باہر آ گئے۔ جج صاحبان فیصلہ لکھنے کے لیے ریٹرننگ روم میں چلے گئے۔ اسی دوران حضرت بابا جیؒ اور حضرت سیّد نفیس شاہ صاحبؒ زمین پر تشریف فرما ہوئے، سرِ مبارک جھکایا اور مراقب ہو گئے۔ اس منظر کی آسان سی تعبیر یہ ہے کہ عدالت کے اندر جج صاحبان فیصلے کے لیے قلم سنبھال رہے تھے اور عدالت سے باہر یہ درویشانِ خدا مست اپنے رب سے رحمتوں کی بھیک مانگ رہے تھے۔ اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے جج صاحبان نے قادیانی گروہ کی اپیل خارج کر دی۔ یوں انہیں

ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑا اور امتِ مسلمہ کو ایک بار پھر ایک عظیم کامیابی حاصل ہوئی۔

(کیس نمبر-۲)

۱۹۸۴ء میں وفاقی شرعی عدالت نے قادیانیوں کی اپیل خارج کرتے ہوئے ''امتناعِ قادیانیت آرڈیننس'' کو قرآن وسنت اور بنیادی حقوق کے عین مطابق قرار دیا۔ قادیانیوں نے سپریم کورٹ آف پاکستان کی وفاقی شرعی اپیلانٹ بنچ میں اس فیصلے کو کالعدم قرار دینے کی اپیل کی۔ سپریم کورٹ کے پانچ رکنی بنچ نے اس کیس کی سماعت کی۔ اڑھائی سال تک قادیانی دجل وفریب اور مکر وحیلہ سازی سے کام لے کر کیس کی سماعت رکوا دیتے۔ عدالت کے کام میں روڑے اٹکاتے۔ مقدمے کو غیر ضروری طوالت دینے کے لیے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتے۔ تاہم سپریم کورٹ آف پاکستان کے وفاقی شرعی عدالت اپیلانٹ بنچ نے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو برقرار رکھا۔ یوں قادیانی لابی کی یہ تمام سازشیں ناکام ہو کر رہ گئیں۔ اللہ نے ایک بار پھر امتِ محمدیہ کو فتحِ عظیم نصیب فرمائی۔

(کیس نمبر-۳) صد سالہ جشن کیس (لاہور ہائی کورٹ)

اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں قادیانیت، اسلام واہلِ اسلام کے لیے خطرناک، مہلک اور بدترین فتنہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ بانیٔ قادیانیت مرزا غلام احمد قادیانی نے ۲۳/ مارچ ۱۸۸۹ء کو لدھیانہ (بھارت) میں اس فتنے کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ اس فتنے کے سو سال پورے ہونے پر قادیانی ۲۳/ مارچ ۱۹۸۹ء کو صد سالہ جشن منانا چاہتے تھے۔ اس جشن کے لیے نہایت وسیع پیمانے پر شاندار انتظام وانصرام کیا گیا۔ قادیانی لابی اس جلسے کو بہر صورت کامیاب کرانا چاہتی تھی، اور اس سلسلے میں ہر طرح کی کوششیں بروئے کار لا رہے تھے۔ قادیانی جماعت کی اس تیاری پر (جو آئین وقانون کی صریح خلاف ورزی تھی) مسلمانوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ چنانچہ حضرت قبلہؒ کی زیرِ قیادت، اس قادیانی یلغار کے سدِ باب کی جدوجہد کی گئی۔ ملک کے تمام مؤقر جرائد میں بصرفِ زرِ کثیر اشتہار دیا گیا کہ جشن پر پابندی لگائی جائے۔ امیرِ مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ نے اسلامیانِ

پاکستان کو اس طرف متوجہ فرمایا۔ چنانچہ مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فکر کے علماء، زعماء، اور اکابرین طاغوت کی سرکوبی کے لیے مجتمع اور متحد ہوئے۔ حضرت بابا جیؒ کی زیرِ قیادت ایک بھرپور اور ولولہ انگیز تحریک چلی، جس کے نتیجے میں حکومتِ وقت نے قادیانی جماعت کے صد سالہ جشن پر پابندی لگا دی۔

قادیانی جماعت نے اس پابندی کے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں اپیل کر دی۔ حضرت بابا جیؒ کی قیادت میں مجلس کے کارکنان نے اس مقدمے کی تیاری کے لیے دن رات ایک کر دیا۔ چنانچہ مسلمانوں کے وکیل کے پیش کردہ دلائل و براہین نے قادیانی ''شجرِ خبیث'' کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ مرزائیت پر اوس پڑ گئی۔ ۲۲ر مئی ۱۹۹۱ء کو سماعت مکمل ہوئی۔ عالی جناب، عزت مآب جسٹس خلیل الرحمان خان نے ۱۷ر ستمبر ۱۹۹۱ء کو ایک ایمان پرور، حقائق افروز فیصلہ سنایا۔ اس فیصلے کا ایک ایک حرف مرزائیت کی رگِ جان کے لیے نشتر ہے۔

(کیس نمبر-۴) سپریم کورٹ آف پاکستان کا فیصلہ

جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے ۲۶ر اپریل ۱۹۸۴ء کو امتناعِ قادیانیت آرڈیننس جاری کیا۔ قادیانی قانون کی صریح خلاف ورزی پر اُتر آئے اور امتناعِ قادیانیت آرڈیننس کے خلاف سپریم کورٹ آف پاکستان میں اپیل بھی دائر کر دی۔

چیف جسٹس نے اس مقدمے کی سماعت کے لیے ایک بڑا بنچ تشکیل دیا۔ دورانِ سماعت، قادیانی وکلاء نے دلائل کے نام پر رطب و یابس کے ڈھیر لگا دیے۔ ان کے دلائل نامکمل، کمزور، بے بنیاد اور پھسپھسے تھے۔ لیکن قادیانی گروہ کے سرکردہ افراد اس مقدمے کو جیتنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ انہوں نے دجل و کذب، اور بے بنیاد پراپیگنڈے سے عدالت کے فیصلے پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی، لیکن اللہ رب العزت کے فضل و احسان سے طاغوتی قوتوں کی ایک نہ چلی، ان کو اس میدان میں بھی پسپائی اور ہزیمت کا داغ سہنا پڑا۔ مسلمانوں کو اللہ رب العزت نے فتحِ عظیم نصیب فرمائی۔

لٹریچر کی ترسیل

۶/ مارچ ۱۹۸۸ء کو عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کا اجلاس حضرت باباجیؒ کے زیرِ صدارت منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں یہ طے پایا کہ ردِ قادیانیت پر مشتمل مطبوعات ملک کی قومی وصوبائی اسمبلیوں کے اراکین، وفاقی وصوبائی کابینہ کے اراکین اور دیگر زعماء اور ممتاز شخصیات تک پہنچائی جائیں۔ مجلس کی تاریخ میں یہ پہلی باضابطہ مہم تھی کہ ایوانِ صدر سے لے کر تھانے تک تمام سرکاری افسران اور اہل کاران کو فتنۂ قادیانیت سے آگاہ کیا گیا۔

اس تحریک کے دوسرے مرحلے میں ملک کے تمام تعلیمی اداروں کے سربراہوں کو یہ لٹریچر بھجوایا گیا۔ مجلس کے اس اقدام سے قادیانیوں کا اصل چہرہ کھل کر سامنے آ گیا۔

دیوبند میں مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کا قیام

جب پاکستان میں قادیانی جماعت پر قانون کا گھیرا تنگ ہو گیا، ان کی سرگرمیاں محدود ہو گئیں تو ہندوستان کی قادیانی جماعت نے پَر پرزے نکالنا شروع کیے۔ جمعیت علمائے ہند کے سربراہ مولانا سیّد اسعد مدنیؒ نے (جو نہایت بیدار مغز قائد تھے) ہندوستان میں فتنۂ قادیانیت کے احتساب کے لیے کل ہند مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے نام سے جماعت کی تشکیل کا فیصلہ کیا۔ اس کا مرکزی دفتر دارالعلوم دیوبند میں قائم کیا گیا، اور اس کی شاخیں ملک بھر میں قائم کیں۔ عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کی جانب سے شائع کردہ کتب ورسائل کثیر تعداد میں تقسیم کیے گئے۔ اس سلسلے میں ان حضرات نے عظیم الشان ختمِ نبوت کانفرنسوں، کورسز اور سیمینارز کا اہتمام کر کے ہند کے مسلمانوں کو قادیانی کفر کے مدِ مقابل لا کھڑا کیا۔ ان اقدامات سے قادیانی گروہ کی حوصلہ شکنی ہی نہیں بیخ کنی بھی ہوئی۔ معصوم اور سادہ لوح مسلمانوں کا ایمان محفوظ ہو گیا۔

فتاویٰ ختمِ نبوت کی ترتیب واشاعت

قادیانی فتنے کے جنم دن ہی سے حضرات علمائے کرام اور مفتیانِ عظام نے اس کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ تمام مکاتبِ فکر کے ممتاز اور جید مفتیانِ کرام نے قادیانیت

کے خلاف فتاویٰ جاری کیے۔ ۱۶/ اکتوبر ۱۹۸۸ء کے اجلاس میں حضرت بابا جیؒ کی زیرِ صدارت یہ فیصلہ ہوا کہ اب تک قادیانیت کے خلاف جو فتاویٰ لکھے گئے ہیں، انہیں کتابی شکل میں جمع کر کے شائع کیا جائے۔ چنانچہ فتاویٰ ختمِ نبوت کے نام سے مولانا مفتی سعید احمد جلال پوریؒ نے تین جلدوں میں یہ کام مکمل کیا۔ اپنی نوعیت کا یہ جدید اور منفرد کام حضرت قبلہ بابا جیؒ کے دورِ امارت میں مکمل ہوا۔ مزید برآں آپ ہی کے عہدِ امارت میں ملک فیاض صاحب نے اعلیٰ عدالتوں کے قادیانیت کے خلاف لکھے ہوئے فیصلوں پر مشتمل کتاب ترتیب دے کر شائع کی۔

قادیانی سربراہ کا مباہلے کا چیلنج اور حضرت قبلہ بابا جیؒ کا نعرۂ حق

قادیانی گروہ کے سربراہ مرزا طاہر نے ۱۹/ جون ۱۹۸۸ء کو مباہلے کا چیلنج دیا اور اس کی آڑ میں پوری ملتِ اسلامیہ کی غیرت کو للکارا۔ قربان جائیں مسلم دنیا کے تمام ممتاز اور جید علمائے کرام پر، جن کو مرزائیوں نے مباہلے کا چیلنج دیا تھا وہ سب مباہلے کے لیے تیار ہوئے۔ لیکن قادیانی حضرات مباہلے کے لیے نہ آئے اور مقابلے سے راہِ فرار اختیار کی۔ اس طرح مرزائیت کے کفر پر اجماعِ امت ہو گیا، اور یوں پوری دنیا میں قادیانیت منہ چھپاتی پھری۔

عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت نے محض اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے، تمام مکاتبِ فکر کے علماء و زعماء کو اپنا ہم نوا اور ہم قدم بنایا اور یوں ملک بھر میں تحریر و تقریر کے ذریعے "مباہلہ" نامی اس خطرناک سازش کے تار و پود کو بکھیر کر رکھ دیا۔ اور یوں رسالت مآب ﷺ کے دربار میں اپنی سرخروئی کا سامان کر لیا۔ یہ سب حضرت بابا جیؒ کی باسعادت قیادت کا ثمرہ تھا۔

۱۹۸۸ء کا الیکشن اور قادیانیت

۱۹۸۸ء کے عام انتخابات میں، قادیانیوں نے کھل کر پیپلز پارٹی کا ساتھ دیا۔ ضلع ڈیرہ غازی خان (تونسہ شریف) صوبائی اسمبلی کی سیٹ کے لیے قادیانی نمائندے کے لیے

ٹکٹ بھی حاصل کرلیا۔ عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کے کارکنوں نے حضرت بابا جیؒ کی زیرِ قیادت بھرپور تحریک چلائی۔ قریہ قریہ، نگر نگر کا دورہ کیا۔ لٹریچر تقسیم کیا، انفرادی ملاقاتیں اورعام جلسے منعقد کیے۔ الحمدللہ! ان اقدامات سے ایسی فضا بنی کہ مرزائی امیدوار کو شکستِ فاش ہوئی۔

قادیانیوں کے سالانہ جلسے پر پابندی

۱۹۸۸ء میں قادیانیوں کی سرگرمیوں میں تشویشناک اضافہ ہوگیا۔ ان کی جرأتیں اور ہمتیں دن بدن بڑھتی گئیں۔ قادیانی گروہ کی ان شرپسندانہ سرگرمیوں کی سرکوبی کے لیے، حضرت قبلہ بابا جیؒ کی امارت میں مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت نے ملک کے مؤثر اور مؤقر اخبارات میں فتنۂ قادیانیت کے خلاف اشتہارات شائع کرائے۔ پورے ملک کے مسلمانوں کو قادیانی سرگرمیوں اور ان کے عقائد ونظریات سے باخبر کر کے ان میں بیداری کی لہر پیدا کی۔

عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت نے تمام مکاتبِ فکر کو ایک پلیٹ فارم پر مجتمع اور متحد کر کے بھرپور اور متاثر تحریک چلائی۔ حکومتی اراکین سے ملاقاتیں کیں۔ فتنۂ قادیانیت کے خلاف شب و روز جدو جہد کی۔ بالآخر قادیانی گروہ کو رُسوائی کا سامنا کرنا پڑا اور مرزائیوں کے سالانہ جلسے پر پابندی لگ گئی۔

سالِ ختمِ نبوت ۱۹۸۹ء

۲۱/اگست ۱۹۸۸ء کی ختمِ نبوت کانفرنس لندن میں امیرِ مجلس تحفظِ ختمِ نبوت حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ نے اعلان فرمایا کہ ردِ قادیانیت کے سلسلے میں عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت ۱۹۸۹ء کو ''سالِ ختمِ نبوت'' کے طور پر منائے گی (چونکہ قادیانی ۱۹۸۹ء میں صد سالہ جشن منا رہے تھے)۔ اجلاس میں طے پایا کہ ۱۹۸۹ء میں برطانیہ میں مرکزی کانفرنس کے علاوہ چار علاقائی کانفرنسیں منعقد کی جائیں۔

چنانچہ حسبِ نظام اس سال دس لاکھ روپے کا لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ امریکا اور برطانیہ

کے مختلف مقامات پر کانفرنسیں منعقد کی گئیں۔ پاکستان میں بھی ڈویژنل مقامات اور دیگر کئی مقامات پر علاقائی کانفرنسوں کا اہتمام کیا گیا۔ حضرت قبلہ باباجیؒ کی زیرِ قیادت، مجلس کے ان مؤثر اور وقیع اقدامات سے قادیانیت اور صاحبِ قادیانیت کا حقیقی چہرہ عامۃ المسلمین کے سامنے بے نقاب ہو گیا، اور قادیانی حضرات معصوم، سادہ لوح اور بھولے بھالے مسلمانوں کا توشۂ ایمان لوٹنے کے فعلِ شنیع میں بری طرح ناکام ہوئے۔

مالی کے ہزاروں افراد کا قبولِ اسلام

۱۹۹۰ء کے آغاز میں قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر نے لندن میں ایک اجتماع سے خطاب کے دوران اپنے معتقدین کو یہ خوشخبری سنائی کہ جمہوریہ مالی میں تیس سے چالیس ہزار مسلمانوں کو قادیانی بنالیا گیا۔ انہوں نے اس خبر کو نئے سال کا تحفہ قرار دیا۔ عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کے زعماء اور کبار علماء نے اس اجتماع کی ویڈیو دیکھی۔ چنانچہ انہوں نے حرمِ کعبہ میں حضرت قبلہ باباجیؒ سے مشاورت کی۔ حضرت قبلہ نے دعاؤں سے نوازا اور اسلامی جمہوریہ مالی کے سفر کی اجازت مرحمت فرمائی۔ عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کے نمائندگان (محترم منظور الحسینی صاحب اور محترم باوا صاحب) نے سفر کے لیے ضروری تیاری کی اور جمہوریہ مالی کے تبلیغی دورے پر روانہ ہو گئے۔ وہاں جا کر مقامی علماء، بزرگان و مشائخ اور حکام سے ملاقاتیں کیں۔ اپنے دورے کا مقصد اُن پر واضح کیا۔ مقامی حضرات نے بھرپور تعاون اور شفقت سے نوازا۔

مجلس کے نمائندگان نے مقامی حضرات کی معیت میں علاقے کا دورہ کیا۔ عوام الناس کو قادیانی عقائد ونظریات، دجل وکذب اور سازشی ذہن کے بارے میں آگاہ کیا۔ چنانچہ قادیانی حضرات کے کفریہ عقائد اور اِرتداد سے آگاہی کے بعد عوام الناس توبہ توبہ پکار اٹھے۔ وہ تمام لوگ جو دھوکے اور لاعلمی میں قادیانیت کے دامِ تزویر میں پھنس گئے تھے، انہوں نے قادیانیت سے برأت وتوبہ کا اعلان کیا اور اجتماعی طور پر دوبارہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ وفد نے جمہوریہ مالی کے حکام سے رابطہ کر کے قادیانیوں کی رجسٹریشن کے

لیے آئی ہوئی درخواست کو بھی مسترد کرا دیا۔ وہاں موجود قادیانیوں کی گرفتاری کے آرڈر جاری ہو گئے۔ یوں یہ وفد کامیاب و کامران اور سرفراز و بامراد واپس آیا۔

۱۹۹۱ء میں حضرت باباجیؒ کا بطور امیر چناؤ

۸/اکتوبر ۱۹۹۱ء کو امیرِ مرکزیہ اور نائب امیر کے چناؤ کے لیے مسلم کالونی (چناب نگر) میں مجلسِ عمومی کا اجلاس منعقد ہوا۔ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری نے حضرت باباجیؒ کی خدمت میں نہایت، مؤثر اور بلیغ خراجِ تحسین پیش کیا۔ پھر باہمی مشاورت سے حضرت باباجیؒ کو آئندہ تین سال کے لیے امیر چن لیا گیا۔ امارت کی ذمہ داری کے کوہِ گراں کو اٹھانے کے لیے حضرت باباجیؒ نے کمالِ مہربانی سے اپنے ناتواں کندھے پیش کر دیے۔ اس انتخاب پر حاضرین کی مسرت قابلِ دید تھی۔

نصابِ وفاق المدارس میں ''ردِ قادیانیت'' مضمون کی شمولیت

۱۹۸۸ء میں عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا، جس میں یہ طے پایا کہ وفاق المدارس العربیہ کے نصاب میں ردِ قادیانیت پر کوئی کتاب شامل کی جائے۔ چنانچہ حضرت قبلہ باباجیؒ نے وفاق المدارس کی قیادت سے خط و کتابت کی۔ انہوں نے کمالِ مہربانی سے اس بات کو منظور کر لیا، اور ان حضرات کی سفارشات کی روشنی میں ایک نئی کتاب ''آئینۂ قادیانیت'' مرتب ہوئی۔ وفاق المدارس کی نصاب کمیٹی نے اس کتاب کو نصاب میں شامل کر دیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ.

اسلامی وزرائے خارجہ کانفرنس (کراچی)

۲۳/تا ۲۹/اپریل ۱۹۹۲ء کو اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ کی کانفرنس کراچی میں منعقد ہوئی۔ عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کے مرکزی امیر حضرت باباجیؒ نے ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحبؒ سے عربی میں ایک عرضداشت مرتب کروائی، جس کا انگریزی میں بھی ترجمہ کیا گیا۔ یہ کتابچہ اعلیٰ طباعت اور خوبصورت پیکنگ میں تمام اسلامی وزرائے خارجہ تک پہنچایا۔ یوں حضرت باباجیؒ نے مسلم دنیا کے تمام ممالک کی قیادت کو قادیانی کفر سے آگاہ کر

کے پوری امت کی طرف سے تبلیغِ دین کا فرضِ کفایہ ادا فرمایا۔

تاریخِ تحریکِ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء

ختمِ نبوت کی تاریخ میں تحریکِ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء ایک روشن اور نمایاں پہلو ہے، جس نے قادیانی حضرات کو غیر مسلم اقلیت قرار دِلوانے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ چنانچہ جب ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تو اس عظیم الشان اور ولولہ انگیز تحریک کی تاریخ مرتب کرنے کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی۔ چنانچہ حضرت باباجیؒ کی ہدایت، مشاورت، توجہ اور دعا کے نتیجے میں تحریکِ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء نامی کتاب مرتب ہوئی۔ اب تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

''لولاک'' کی ملتان سے اشاعت

۱۹۶۴ء میں حضرت مولانا تاج محمود صاحب کی زیرِ ادارت ہفت روزہ ''لولاک'' کا فیصل آباد سے آغاز ہوا، جو آگے چل کر مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کا ترجمان بنا۔ محترم صاحبزادہ طارق محمود صاحب بھی اسے لشتم پشتم چلاتے رہے، لیکن ۱۴۱۷ھ کے مرکزی مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں انہوں نے کہا کہ اسے فیصل آباد سے جاری رکھنا میرے لیے مشکل ہے۔ لہٰذا فیصل آباد سے ملتان لا کر ہفت روزے کے بجائے ماہنامہ کر دیا جائے۔ حضرت قبلہؒ نے ان کی اس تجویز کو منظور فرما لیا۔ چنانچہ ڈیکلریشن کی تبدیلی کے بعد ''ماہنامہ لولاک'' محرم الحرام ۱۴۱۸ھ سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ یہ سب ہمارے حضرت قبلہ باباجیؒ کا فیضانِ نظر ہے۔

۱۹۹۷ء میں مجلسِ عمومی کا اجلاس

۳/ اکتوبر ۱۹۹۷ء کو چناب نگر مسلم کالونی میں امیر اور نائب امیر کے چناؤ کے لیے حضرت باباجیؒ کی زیرِ صدارت اجلاس منعقد ہوا، جس میں ۲۰۸/ ارکان نے شرکت فرمائی۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اور حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھریؒ کے بیانات ہوئے۔ جس کے بعد حضرت باباجیؒ کو امیرِ مرکزیہ اور حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ کو نائب امیر منتخب کر لیا گیا۔

۲۰۰۰ء میں عمومی ختمِ نبوت کنونشن لاہور

۱۲/ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو جنرل پرویز مشرف نے محمد نواز شریف صاحب کی حکومت برطرف کردی، آئینِ پاکستان کو معطل کر کے پی سی او لے آئے۔ چنانچہ خدشہ تھا کہ آئینِ پاکستان میں موجود قادیانی گروہ سے متعلق قوانین و دفعات بھی کالعدم نہ ہو جائیں۔ نیز قادیانیوں نے بھی پراپیگنڈہ کیا کہ ہمارے متعلق جو کچھ قانون میں ہے وہ تبدیل ہو جائے گا۔ اس پر ملک بھر میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔

حضرت قبلہ بابا جیؒ کی زیرِ قیادت عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت نے اپنے تبلیغی سفر کو جاری رکھا۔ جگہ جگہ ختمِ نبوت کے جلسے منعقد ہوئے، اور عوام وخواص کو فتنۂ قادیانیت سے آگاہ کیا جاتا رہا۔

اپریل ۲۰۰۰ء کے وسط میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے خانقاہ سراجیہ پیغام بھیجا کہ ۸/ مئی ۲۰۰۰ء کو لاہور میں مولانا شاہ احمد نورانی صاحبؒ کی میزبانی میں ختمِ نبوت کنونشن منعقد ہو رہا ہے۔ چنانچہ حضرت بابا جیؒ نے ۶/ مئی ۲۰۰۰ء کو دن میں مجلسِ شوریٰ کا اجلاس رکھا اور رات کو جلسۂ عام منعقد کیا، جن میں ختمِ نبوت کے حوالے سے آئین میں موجود شقوں کو پی سی او کا حصہ بنانے کے لیے قراردادیں منظور کی گئیں۔

۸/ مئی کو لاہور میں مولانا شاہ احمد نورانیؒ صاحب کی زیرِ صدارت قومی ختمِ نبوت کنونشن منعقد ہوا۔ حضرت قبلہ بابا جیؒ، مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری اور مولانا اللہ وسایا نے اس کنونشن میں مجلس کی نمائندگی کی۔ اس کنونشن میں دیگر قراردادوں کے علاوہ ختمِ نبوت اور اسلامی دفعات کو پی سی او کا حصہ بنانے کی قرارداد بھی منظور کی گئی۔ چنانچہ یہ مطالبہ آگے چل کر منظور ہوا اور جنرل پرویز مشرف نے ان دفعات کو پی سی او میں شامل کر دیا۔

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شہادت

۱۳/ صفر ۱۴۲۱ھ/ ۱۸/ مئی ۲۰۰۰ء کو شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کو قاتلوں کی ایک جماعت نے بیدردی سے شہید کر دیا۔ حضرت بابا جیؒ کو آپ کی شہادت کا

بہت گہرا صدمہ ہوا۔آپ ان کی شہادت کی خبر سن کر خانقاہ شریف سے راولپنڈی تشریف لے گئے،وہاں سے جہاز کے ذریعے کراچی پہنچے۔اگلے روز آپ نے شہید کا جنازہ پڑھایا۔

۲۰۰۰ء میں امیر اور نائب امیر کا چناؤ

۳/اکتوبر ۲۰۰۰ء کو مسلم کالونی چناب نگر میں عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کی مجلسِ عمومی کا اجلاس منعقد ہوا۔آئندہ تین سال کے لیے حضرت قبلہ بابا جیؒ کو امیر اور حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ کو نائب امیر منتخب کیا گیا۔

۲۰۰۲ء کی سالانہ ختم نبوت کانفرنس برمنگھم کے لیے حضرت خواجہ صاحبؒ کا پیغام

عقیدہ ختم نبوت وہ بنیادی عقیدہ ہے جس پر دین کی عمارت قائم ہے۔قرآن کریم کی ایک سو کے قریب آیات کریمہ اس عقیدے کی نشاندہی کرتی ہیں جبکہ دو سو سے زائد احادیث سے یہ عقیدہ قطعی طور پر ثابت ہے۔نبی اکرم ﷺ کے دور میں ہی اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب نے اس عقیدہ پر ضرب لگانے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں نے نہ صرف اس کو مسترد کر دیا بلکہ اس کے خلاف جہاد بھی کیا۔اسی بنا پر چودہ سو سالہ اسلامی دور میں مسلمانوں نے کبھی اس بارے میں سستی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ ایسے جھوٹے مدعیان نبوت کے خلاف کارروائی بھی کی۔مرزا غلام احمد قادیانی نے جب مجدد ملہم من اللہ، مہدی مسیح موعود سے ہوتے ہوئے تشریعی، ظلی نبی کے بعد اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا تو سب سے پہلے علمائے لدھیانہ اور پھر علمائے دیوبند نے قرآن وسنت اور اجماع امت کی رُو سے اس کو اور اس کے پیروکاروں کو کافر قرار دیا۔ ۱۹۲۸ء میں ماریشس کی عدالت اور ۱۹۳۵ء میں بہاولپور کی عدالت نے اس عقیدہ کے ماننے والوں کو کافر قرار دیا۔بعدازاں قومی اسمبلی اور پاکستان کی تمام عدالتوں نے بھی علمائے کرام کے اس موقف کی تائید کی اور قادیانیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم قرار دیا۔اسی بنا پر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے دنیا کے تمام گوشوں میں عقیدہ ختم نبوت کی سربلندی اور قادیانیوں کی ارتدادی سرگرمیوں سے مسلمانوں کو بچانے کے لیے ختم نبوت کانفرنسوں کا آغاز کیا، جس کی ایک کڑی برمنگھم ختم نبوت کانفرنس ہے۔مسلمانوں کی نئی نسل

کو دین کی حفاظت کے لیے قادیانیوں کی سرگرمیوں کا سدباب کرنا چاہیے۔[1]

دارالقرآن چناب نگر کی تعمیر

شوال ۱۴۲۲ھ کو حضرت باباجیؒ کی زیرِ صدارت مجلسِ شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا جس میں چناب نگر مدرسۂ عربیہ ختمِ نبوت کے پلاٹ کے شمال مغربی جانب دارالقرآن تعمیر کرنے کی منظوری دی گئی۔ چنانچہ خطیر رقم سے 16×80 کے تین ہال اور ان کے اوپر اساتذہ کی چار خوبصورت اقامت گاہیں تعمیر کی گئیں جو زندگی کی تمام سہولتوں سے مزین ہیں۔

۲۰۰۳ء میں امیر اور نائب امیر کا چناؤ

۳/اکتوبر ۲۰۰۳ء میں عالمی مجلسِ تحفظِ ختم نبوت کی مجلسِ عمومی کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں آئندہ تین سال کے لیے حضرت قبلہ باباجیؒ کو امیرِ مرکزیہ اور حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ کو نائب امیر منتخب کرلیا گیا۔

ووٹر لسٹوں میں تبدیلی

جنرل پرویز مشرف کے دور میں ملک میں مخلوط طرزِ انتخاب رائج کیا اور ووٹر لسٹوں کی تیاری میں مسلم اور غیر مسلم کی تمیز ختم کر دی گئی۔ چنانچہ حضرت باباجیؒ کی زیرِ قیادت تحریک چلائی گئی۔ جماعتی سطح پر جمعیت علمائے اسلام نے مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کے ساتھ سب سے زیادہ تعاون کیا۔ چنانچہ بھرپور جدوجہد کے بعد حکومتِ وقت اپنا فیصلہ واپس لینے پر مجبور ہوگئی اور ووٹر لسٹیں مسلم و غیر مسلم کی بنیاد پر بنائی گئیں۔

پاسپورٹ میں مذہب کے خانے کی بحالی

جنرل پرویز مشرف کے دور میں حکومت نے مذہب کے خانے کو حذف کر دیا، جس سے ملک کی نظریاتی اساس کو شدید دھچکا لگا۔ اس اقدام سے جہاں مسلمانوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی، وہیں یہ اقدام قادیانیوں کی حوصلہ افزائی اور انہیں تقویت پہنچانے کا ذریعہ بن گیا۔ سابقہ پاسپورٹ سے قادیانی حضرات کی نشاندہی ہو جاتی تھی اور حرمین شریفین میں

۱۔ ہفت روزہ ختم نبوت، ۱۶/اگست ۲۰۰۲ء

ان کا داخلہ ناممکن تھا۔ تاہم نئے پاسپورٹ کے ذریعے ان کی شناخت کو ناممکن بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس سلسلے میں عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت نے فوری اقدامات کرتے ہوئے صدائے احتجاج بلند کی۔ صدر، وزیراعظم اور وزیرِ خارجہ تک اپنی آواز پہنچانے کی سعی کی اور اصولی موقف ان پر واضح کیا۔ مجلس کے امیر مرکز حضرت بابا جیؒ نے تمام مکاتبِ فکر کی نمائندہ سیاسی قوت کو ہم خیال بنانے کے لیے متحدہ مجلسِ عمل کی سپریم کونسل کے اراکین کے نام خطوط ارسال فرمائے، جن میں ان کے سامنے صورت حال رکھی اور ان سے ردّعمل کے اظہار پر زور دیا۔

پہلے مرحلے میں ۲۶/نومبر ۲۰۰۴ء کو لاہور میں آل پارٹیز اجلاس منعقد کیا گیا۔ حضرت بابا جیؒ اس اجلاس کے مہمانِ خصوصی تھے۔ اجلاس میں تمام مکاتبِ فکر کی جماعتوں کے سربراہان نے شرکت کی۔ اجلاس میں حکومت پر زور دیا گیا کہ پاسپورٹ میں مذہب کا خانہ بحال کیا جائے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے کرم کیا اور ۲۴/مارچ ۲۰۰۵ء کو جنرل پرویز مشرف کی حکومت نے پاسپورٹ میں مذہب کا خانہ بحال کر دیا۔ یہ سب حضرت قبلہ بابا جیؒ کے بابرکت دورِ امارت کی یادگار رہے۔

برمنگھم میں بیسویں سالانہ ختمِ نبوت کانفرنس

۲۴/جولائی ۲۰۰۵ء میں حضرت بابا جیؒ کی زیرِ صدارت عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوت کی کامیاب کانفرنس برمنگھم میں منعقد ہوئی جو توقعات سے بڑھ کر زیادہ کامیاب ہوئی۔ دنیا بھر سے علمائے کرام، ممبرانِ پارلیمنٹ، کونسلرز اور مندوبین نے شرکت کی۔ اس اجتماع کے توسط سے رابطۂ عالمِ اسلامی سے عرض کیا گیا کہ وہ اپنے آئندہ اجلاس میں سعودی حکومت کو پابند کریں کہ وہ حج وعمرہ کے فارموں میں عقیدۂ ختمِ نبوت کے اقرار پر حلف نامہ داخل کروائے تاکہ دنیا میں کہیں سے بھی کوئی قادیانی چور دروازے یا دھوکہ دہی کے ذریعہ حرمین شریفین کا تقدس پامال نہ کر سکے۔[۱]

۱۔ ہفت روزہ ختمِ نبوت، ج ۲۴، ش ۳۰-۳۱، ۹ تا ۲۳/اگست ۲۰۰۵ء

حضرت بابا جیؒ کا دورۂ کراچی

عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کراچی کے امیر مولانا سعید احمد جلالپوری کی دعوت پر صاحبزادگان کے ہمراہ حضرت بابا جیؒ پانچ دن کے لیے کراچی تشریف لے گئے۔ کارکنانِ ختمِ نبوت اور علمائے کرام کی ایک بڑی تعداد نے آپ کا پُر جوش استقبال کیا۔ آپ مختلف مدارس اور اداروں میں تشریف لے گئے، علماء سے ملاقاتیں کیں اور باہمی دلچسپی کے اُمور پر تبادلۂ خیال کیا۔[1]

۲۷ ویں سالانہ ختمِ نبوت کانفرنس، ملتان

عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے زیرِ اہتمام مرکزی دفتر ملتان میں ۲۷ ویں سالانہ ختمِ نبوت کانفرنس منعقد ہوئی۔ پہلی نشست کی صدارت حضرت بابا جیؒ نے کی۔ اس کانفرنس میں تمام مکاتبِ فکر کے علماء نے اپنے اپنے انداز میں خطاب فرمایا۔[2]

ملتان میں مجلسِ شوریٰ کا اجلاس اور اس کی کارروائی

مارچ ۲۰۰۶ء دفتر مرکزیہ ملتان میں عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کا اجلاس حضرت بابا جیؒ کی زیرِ صدارت منعقد ہوا جس میں اکابرینِ شوریٰ اور ارکان نے شرکت فرمائی۔ اجلاس میں گزشتہ سال کے مصارف اور آئندہ سال کے بجٹ کی منظوری دی گئی۔

۱۔ دفتر مرکزیہ ملتان میں ۲/مارچ ۲۰۰۶ء ختمِ نبوت کانفرنس کا انعقاد۔

۲۔ ۳/مارچ کو ملتان تحفظ ناموس ریلی کی میزبانی بھی مجلس نے کی۔

۳۔ مارچ اور اپریل میں پنجاب اور سندھ کے تقریباً ۱۷/اضلاع میں کانفرنسوں کے انعقاد کی تجویز، جبکہ کوئٹہ میں تاریخی اجلاس منعقد ہوا۔ پشاور میں بھرپور پروگرام منعقد ہوئے۔ یہ بھی طے ہوا کہ تمام پروگراموں میں مقامی مدارس سے تعاون لیا جائے۔ وفاق المدارس عربیہ سے درخواست کی گئی کہ وہ قادیانیت، ذکری، گوہر

۱۔ ہفت روزہ ختمِ نبوت، ج ۲۵، ش ۱۱، ۱۶ تا ۲۲/مارچ ۲۰۰۶ء

۲۔ ہفت روزہ ختمِ نبوت، ج ۲۵، ش ۱۳، یکم تا ۱۷/اپریل ۲۰۰۶ء

شاہی، بہائی فتنوں سے متعلق امتحانات میں سوال قائم کریں۔ وفاق المدارس سے ملحقہ بعض تعلیمی ادارے قادیانیت سبقاً سبقاً نہیں پڑھا رہے ہے۔ ناظمِ وفاق المدارس قاری محمد حنیف جالندھری سے عرض کیا گیا کہ وہ ان مدارس کو ''آئینۂ قادیانیت'' سبقاً سبقاً پڑھانے کی ہدایت جاری کریں۔ مختلف ممالک سے قادیانی حجاج کے روپ میں حرمین شریفین آتے ہیں، ان کے سد باب کے لیے مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر نے شاہ فہد (مرحوم) کے نام ایک خط تحریر فرمایا، نیز رابطہ عالمِ اسلامی سے درخواست کی جائے کہ اس کے تمام ممبران اس سلسلہ میں اپنی آواز اٹھائیں۔[1]

چناب نگر میں ۲۵ ویں سالانہ ختمِ نبوت کانفرنس

۲۱، ۲۲ رستمبر ۲۰۰۶ء کو چناب نگر میں ختمِ نبوت کی سالانہ کانفرنس نہایت آب و تاب سے منعقد ہوئی۔ تمام مکاتبِ فکر کی نمائندہ جماعتوں کی مرکزی قیادت نے کانفرنس میں شرکت فرمائی۔ حضرت بابا جیؒ نے اپنی پیرانہ سالی اور ضعف کے باوجود نہ صرف شرکت فرمائی بلکہ جمعہ کے اجلاس کی صدارت بھی فرمائی اور سالانہ رَدِّ قادیانیت کورس کے شرکاء ۲۳۰ رعلماء وطلبہ میں اپنے دستِ مبارک سے انعامی کتب اور اسناد تقسیم فرمائیں۔[2]

۲۶ ویں سالانہ آل پاکستان ختمِ نبوۃ کانفرنس چناب نگر

یکم نومبر ۲۰۰۷ء کو کانفرنس کا آغاز حضرت بابا جیؒ کی دعا سے ہوا۔[3]

۲۷ ویں سالانہ آل پاکستان ختمِ نبوۃ کانفرنس چناب نگر

۳۰، ۳۱ راکتوبر ۲۰۰۸ء کو سالانہ آل پاکستان ختمِ نبوت کانفرنس چناب نگر میں نہایت تزک و احتشام سے منعقد ہوئی۔ حضرت بابا جیؒ کو سفر کے روز اچانک زیادہ نقاہت ہوگئی اور

۱۔ ہفت روزہ ختمِ نبوت، ج ۲۵، ش ۱۴، ۸ تا ۱۵ راپریل ۲۰۰۶ء

۲۔ ہفت روزہ ختمِ نبوت، ج ۲۵، ش ۳۸، اکتوبر ۲۰۰۶ء

۳۔ ہفت روزہ ختمِ نبوت، ج ۲۶، ش ۴۳، نومبر ۲۰۰۷ء

مجبوراً شرکت نہ فرما سکے۔[۱]

بادشاہی مسجد لاہور میں ختمِ نبوۃ کانفرنس

۱۱/اپریل ۲۰۰۹ء کو بادشاہی مسجد لاہور میں عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی جس میں حضرت باباجیؒ علالتِ شدیدہ کی وجہ سے خود شرکت نہ کر سکے البتہ صاحبزادہ خلیل احمد صاحب اور صاحبزادہ عزیز احمد صاحب نے شرکت فرمائی۔[۲]

۲۸ویں سالانہ آل پاکستان ختمِ نبوۃ کانفرنس چناب نگر

۱۵، ۱۶/اکتوبر ۲۰۰۹ء کو سالانہ آل پاکستان ختمِ نبوت کانفرنس چناب نگر میں نہایت تزک و احتشام سے منعقد ہوئی، جس کا آغاز معاون امیرِ مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوۃ صاحبزادہ عزیز احمد صاحب کی دعا سے ہوا۔[۳]

احتسابِ قادیانیت

حضرت قبلہ باباجیؒ کے دورِ امارت میں تمام مکاتبِ فکر کے علماء، زعماء اور اکابرین کے ردِ قادیانیت پر موجود رسائل کو جمع کر کے ''احتسابِ قادیانیت'' کے نام سے شائع کیا گیا۔ ۱۹۸۹ء میں ''احتسابِ قادیانیت'' کی پہلی جلد شائع ہوئی اور ابھی حضرت قبلہ باباجیؒ کے وصال سے قبل بتیسویں جلد شائع ہوئی ہے۔

ایک مرتبہ میں نے حافظ محمد عابد صاحب سے (جو صحیح معنوں میں حضرت کے مزاج شناس تھے) عرض کی کہ چناب نگر میں مجلسِ احرار کی سالانہ ختمِ نبوت کانفرنس کے لیے حضرت سے وقت لینا ہے۔ فرمانے لگے، فوراً جا کر نئے سال کی ڈائری خرید لاؤ اور جلسے کی تاریخ والے صفحے پر ختمِ نبوت کانفرنس چناب نگر لکھ کر حضرت کو وہی صفحہ کھول کر پیش کر دو۔ میں نے ایسے ہی کیا۔ حضرت نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور فرمایا، ان شاء اللہ! ضرور

۱۔ ہفت روزہ ختمِ نبوت، ج ۲۷، ش ۴۳، ۱۶ تا ۲۳/نومبر ۲۰۰۸ء

۲۔ ہفت روزہ ختمِ نبوت، ج ۲۸، ش ۱۴، ۸ تا ۱۵/اپریل ۲۰۰۶ء

۳۔ ہفت روزہ ختمِ نبوت، ج ۲۸، ش ۴۲، ۸ تا ۱۵/نومبر ۲۰۰۹ء

شرکت کروں گا۔ جب وہ وعدہ فرما لیتے تو بہرصورت اسے پورا فرماتے۔ [کفیل شاہ بخاری]

عقیدہ ختم نبوت کے لیے قریہ قریہ گھومے

ایک مرتبہ حضرت بابا جیؒ حاجی خالد حسین کے ہاں لاہور میں مقیم تھے۔ بندہ حاضر خدمت ہوا۔ عرض کی کہ فلاں شہر میں ختم نبوت کانفرنس رکھنی ہے، حضرت بابا جیؒ وقت عنایت فرمائیں۔ حضرت حافظ محمد عابد صاحب، جو حضرت کے شیخ حضرت مولانا محمد عبداللہ لدھیانویؒ کے فرزند ارجمند اور حضرت بابا جیؒ کے سفر و حضر کے خادم اور حضرت بابا جیؒ کے کاموں کے سربراہ ہوتے تھے، فرمانے لگے کہ چھوٹے چھوٹے پروگراموں کے لیے حضرت بابا جیؒ کو تنگ نہ کیا کریں۔ حضرت بابا جیؒ نے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ بھائی! ختم نبوت کے کاموں کے لیے جہاں بھی فرمائیں، مجھے کوئی تنگی نہیں ہوتی۔

امیر مرکزیہ کی ملک بھر کے علماء و خطباء سے اپیل

جناب واجب الاحترام علماء کرام زید مجدکم العالی!

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ وبرکاتہ!

آپ کو معلوم ہے کہ قادیانی، مرزائی اندر ہی اندر مسلمانوں کو مرتد بنانے میں مصروف ہیں۔ آپ حضرات سے اپیل کرتا ہوں کہ مہینہ میں صرف ایک مرتبہ ہی اپنے خطبہ میں دس پندرہ منٹ عقیدہ ختم نبوت اور قادیانیوں اور مرزائیوں کے مکروہ چہرہ کے متعلق نوجوانوں کو آگاہ فرما دیا کریں تاکہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حق کو ادا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر کے مستحق ہو سکیں۔ امید ہے کہ آپ توجہ فرمائیں گے۔

والسّلام

فقیر خان محمد عفی عنہ

خانقاہ سراجیہ[1]

۱۔ ہفت روزہ ختم نبوت، ۱۶؍ جولائی ۲۰۰۷ء

خانوادہ امیرِ شریعتؒ اور خانقاہ سراجیہ

امیرِ شریعت اور خانقاہ سراجیہ

حضرت امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کی بیعت کا تعلق حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے تھا، مگر وہ خانقاہ سراجیہ کے بانی حضرت مولانا احمد خان صاحبؒ سے بھی گہرا قلبی تعلق رکھتے تھے اور حضرتِ اعلیٰ بھی ہمیشہ مجلسِ احرار اور حضرت امیرِ شریعت کی نہ صرف حمایت بلکہ بھرپور انداز میں سرپرستی فرماتے۔

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے تحریک شہید گنج کے بعد ایک مجلس میں فرمایا کہ ہندوستان کے دو بزرگوں؛ (۱) خانقاہ سراجیہ کے بانی مولانا ابوالسعد احمد خانؒ، اور (۲) حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ نے ہماری رہنمائی فرمائی کہ مجلس احرار تحریک سے علیحدہ رہے۔ مولانا ابوالسعد احمد خان نے مجلس احرار کے رہنماؤں کو پیغام بھجوایا کہ مجلسِ احرار، تحریک مسجد شہید گنج سے علیحدہ رہے اور مرزایت کی تردید کا کام رکنے نہ پائے، اسے جاری رکھا جائے، اس لیے کہ اگر اسلام باقی رہے گا تو مسجدیں باقی رہیں گی، اگر اسلام باقی نہ رہا تو مسجدوں کو کون باقی رہنے دے گا؟[۱]

دونوں بزرگوں کے مابین گہرے قلبی تعلق پر تاریخ کے بہت سے واقعات شاہد ہیں۔ ۱۹۳۹ء کو لالہ موسیٰ میں حکومت کے خلاف ایک پُر جوش تقریر کی جس پر شاہ جی پر بغاوت کا مقدمہ قائم ہوا اور مظفر گڑھ سے قید کر کے جیل بھیج دیے گئے۔ اس دوران جیل سے ایک با اعتماد ملاقاتی کے ذریعے شاہ جی نے حضرتِ اعلیٰ کو پیغام بھجوایا کہ آپ کے ہوتے

۱۔ لولاک، جون ۲۰۱۰ء

ہوئے میں جیل میں ہوں، یہ بات مناسب نہیں۔ حضرتِ اعلیٰ نے پیغام سن کر ایک لمبی آہ بھری اور فرمایا، اس وقت بوڑھا ہو گیا ہوں ورنہ شاہ جی ایک دن بھی اندر نہ رہتے۔ فرنگی اور اس کی معنوی اولاد کو یقین تھا کہ اس بار اس نا قابلِ شکست دشمن کو عدالت سے سزا دلوا کر ہی دم لیں گے۔ ایک طرف کفر اور اس کے گماشتے اپنی طاقت پر نازاں تھے اور دوسری طرف اہل اللہ کے قلوب اس کی بارگاہِ صمدیت میں سجدہ ریز اور اس کے وعدوں پر کامل یقین سے لبریز تھے کہ حق ہی کا بول بالا ہوگا، ان شاء اللہ۔

قاصد سے فرمایا، شاہ جی سے کہنا کہ یہ وظیفہ تین راتوں میں پڑھیں اور پھر ہوگا تماشا۔ چنانچہ اللہ کے اس برگزیدہ بندے کے یقینِ محکم پر لاہور ہائی کورٹ میں مقدمہ کی پیشی پر واقعی تماشا ہو گیا کہ سرکاری گواہ لدھارام، اللہ کے فضل و کرم سے سچ کہنے پر مجبور ہو گیا۔ فرنگی اور اس کے زلّہ خوار بھری عدالت میں رسوا ہوئے اور حضرت امیرِ شریعت ۵ر اپریل ۱۹۴۰ء کو باعزت بری کر دیے گئے۔

حضرت مولانا عبدالخالق جو حضرتِ ثانیؒ کے خلیفۂ مجاز اور مدرسہ قاسم العلوم میں مدرسِ حدیث بھی تھے، حضرتِ ثانیؒ ملتان میں ان کے ہاں تشریف لاتے تھے۔ تب سیّد عطاء المؤمن بخاری قاسم العلوم کچہری روڈ میں دُہرائی کر رہے تھے۔ امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ بخاریؒ کو حضرتِ ثانیؒ سے بڑی محبت و شفقت تھی۔ ان سے ملاقات کے لیے آتے تھے۔

حضرتِ ثانیؒ کی وفات پر بابا جیؒ کے نام تعزیتی مکتوب

حضرت محترم المقام!

السّلام علیکم وعلیٰ من لدیکم!

عزیزی مولوی یٰسین صاحب نے واپسی پر مولانا علیہ الرحمہ کی علالت کی خبر سنائی۔ میرا ماتھا اسی وقت ٹھنکا تھا کہ خدا خیر کرے۔ دوسرے روز مومن کی والدہ نے غالباً ظہر کے وقت خواب دیکھا جو حضرت ہی کے متعلق تھا۔ اس سے طبیعت اور پریشان ہوئی، دل تڑپ گیا، جی چاہا کہ پہنچوں مگر ہائے اسیری۔ جمعہ کے روز حکیم حنیف اللہ صاحب کے ہاں سے

واپس ہونے لگا تو مولوی منظور الحق صاحب سلمہٗ یکا یک مل گئے اور انہوں نے ماجرا سنایا۔ میرا گھر تک پہنچنا مشکل ہوگیا۔ پہلے ہی بہت کمزور ہوں اس پر یہ صدمہ۔ میرے لیے دین کا ایک کرہ اجڑ گیا۔ اور خود ہم پر کیا گزری اور کیا گزر رہی ہے، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔

فلک نے گرائی اسی پر ہے بجلی
جو اک شاخ تھی آشیانے کے قابل

اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ. ہم لوگ آپ کے غم کو بانٹ تو نہیں سکتے مگر شریکِ غم ضرور ہیں، دعائیں کرتے ہیں۔ میرے حافظ جی سلمہٗ نے کل ہی دو ختم قرآن کریم مسجد مائی سیّدہ عائشہ مرحومہ میں کرائے اور صبح قاسم العلوم میں مفتی محمود صاحب کی خدمت میں خود حاضر ہوا، وہ میرے پہنچنے سے پہلے ہی آمادہ ہو رہے تھے۔ چنانچہ دس گیارہ بجے چھٹی کرا کر انہوں نے بھی ختم کرایا اور غالباً ۷۰ ہزار مرتبہ کلمہ شریف بھی پڑھوایا۔ امید ہے خیر المدارس اور نعمانیہ میں صبح یہی کام ہوگیا ہوگا۔ میری اور میرے بال بچوں کی طرف سے حضرت کے گھر میں تعزیت، بچے اور بچی کو دعائیں، تسلیاں اور دیدہ بوسیاں۔ ہم سب دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شفاخانۂ روحانی کو آباد رکھے اور اس کا فیض جاری و ساری رہے۔ اور میں کیا لکھوں، میرے لیے اب لکھنا بھی مشکل کام ہے۔ بڑی محنت سے یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں، ہاتھ اب اچھی طرح کام نہیں کرتا۔ آپ سب حضرات جو بھی وہاں جمع ہیں دعا گوئے آستانہ کے لیے صحت کی دعا فرمائیں۔ میں آپ حضرات کی دعاؤں کا محتاج ہوں۔ مؤمن سلمہٗ آپ کا ہے، آپ کے حوالے ہے۔ اس پر بڑی کڑی توجہ کی ضرورت ہے۔ تمام خلفاء اور اہلِ سلسلہ کی خدمت میں السّلام علیکم۔ **والسّلام مع التعظیم والاکرام.**

دعا گو

سیّد عطاء اللہ بخاری

۲۹ر شوال ۱۳۷۵ھ — ملتان شہر[1]

ا۔ تحفۂ سعدیہ، ص ۳۲۷، ۳۲۸

مولانا سیّد ابوذر بخاریؒ

''صاحبزادہ عزیز احمد فرماتے ہیں، مولانا سیّد ابوذر بخاریؒ ملتان گھر پر زیرِ علاج تھے۔ حضرت قبلہؒ عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو ابنِ امیرِ شریعت سیّد ابوذر بخاری پر گریہ کی کیفیت طاری ہوگئی اور فرمایا کہ میں خانقاہ شریف آنے کے لیے بے قرار تھا۔ ساتھیوں سے کہا کہ مجھے لے چلو کہ حضرت کی زیارت سے دل کی دنیا کو قرار آجائے گا۔ آپ نے کرم کیا کہ خود کنواں پیاسے کے پاس آگیا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں تو مولانا سیّد ابوذر بخاریؒ کی طبیعت بشاش ہوگئی۔ پھر چائے آگئی، حضرت قبلہؒ سمیت سب مہمانوں نے پی۔ اب حضرت قبلہؒ نے اجازت چاہی تو مولانا سیّد ابوذر بخاریؒ نے فرمایا کہ حضرت! سو روپیہ کا لال لال نوٹ عنایت فرمادیں۔ حضرت قبلہؒ نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور سو روپیہ کا نوٹ نکال کر پیش کردیا۔ اس پر مولانا سیّد ابوذر بخاریؒ نے فرمایا کہ میں اپنے ابا جی (حضرت امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ) سے بھی یوں ہی پیسے مانگا کرتا تھا۔ ان کی اس اپنائیت و محبت بھری گفتگو سے تمام اہلِ مجلس پر رِقت طاری ہوگئی۔''

حضرت امیرِ شریعتؒ اور حضرت مولانا خان محمدؒ

جانشینِ امیرِ شریعت مولانا سیّد ابوذر بخاریؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی کا سانحۂ ارتحال پیش آیا تو مریدین و خدام کا پریشان ہونا طبعی امر تھا، مگر اہلِ دل کو اس صدمے نے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ حضرت امیرِ شریعت بھی اس صدمے سے چور تھے۔ حضرت کی جانشینی کے سلسلے میں مولانا خان محمد صاحب کا نام سامنے آیا تو میں نے پوچھا، ابا جی! مولانا خان محمد صاحبؒ کے بارے میں آپ کا کیا تاثر ہے؟ فرمایا، اگر کسی کو ان سے فائدہ نہ ہوا تو نقصان بھی نہیں ہوگا۔ میں نے کہا کہ ابا جی! یہ کوئی چھوٹی بات تو نہیں، فائدہ نہ ہو تو نقصان بھی نہ ہو۔

مولانا سیّد ابوذر بخاریؒ کی وفات پر حضرت بابا جیؒ ان کے گھر تعزیت کے لیے تشریف لے گئے، معاویہ بخاری کو ڈھیروں دعائیں دیں اور نصائح سے نوازا۔ رحیم یار خان

میں ان کی یاد میں حضرت بابا جیؒ کی زیرِ صدارت ایک جلسہ تھا جس میں معاویہ بخاری بھی موجود تھے۔ حضرت بابا جیؒ نے منتظمین سے کہا، ان کی بھی تقریر کراؤ۔ انہوں نے عذر کیا کہ مجھے تقریر نہیں آتی۔ فرمایا، بھئی تقریر کرو گے تو آ جائے گی۔ چنانچہ حضرت کی دعا اور توجہ سے تقریر کی اور خوب کی۔ بابا جیؒ نے تحسین فرمائی اور دعاؤں سے نوازا۔ فرمایا، ان کی دستار بندی بھی کرو۔ چنانچہ حضرت بابا جیؒ نے انہیں گلے لگایا اور پھر بسم اللہ پڑھ کر اپنے دستِ مبارک سے ان کے سر پر دستار باندھ دی۔

ایک مرتبہ حضرت بابا جیؒ نے فرمایا، مولانا ظہور احمد بگویؒ نے بھیرے میں حکومتی وزیر فیروز خان نون اور حضرت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کی ملاقات کا اہتمام کیا۔ وزیر موصوف کی خواہش تھی کہ کسی طرح شاہ جی قادیانیوں کے حق میں نرمی برتیں۔ رات بھر گفتگو جاری رہی۔ سحری کے وقت شاہ صاحب کمرے سے باہر نکلے تو ساتھیوں نے لپک کر پوچھا کہ حضرت! کیا فیصلہ ہوا؟ شاہ صاحب نے جواب میں یہ شعر پڑھا:

پہلے ہی کون سی تھی وہاں اپنی قدر و منزلت

رات کی منتوں نے گنوا دی رہی سہی

مولانا سیّد عطاء المحسن بخاری

حضرت امیرِ شریعت کے منجھلے بیٹے اپنے رفقاء کے ہمراہ لندن کے سفر پر گئے۔ وہاں ان دنوں ختمِ نبوت کانفرنس ہو رہی تھی۔ حضرت نے فون پر ان سے رابطہ کیا، نہ صرف اجتماع میں شرکت کی دعوت دی بلکہ تقریر کرنے کے لیے اصرار فرمایا۔ وہ متأمل تھے۔ اگلے دن حضرت ملاقات کے لیے شاہ صاحب کی اقامت گاہ پر تشریف لے آئے۔ حضرت بابا جیؒ نے فرمایا، آپ نے کانفرنس میں آ کر خطاب کرنا ہے، اسے آپ میرا حکم سمجھیں۔ چنانچہ وہ تشریف لائے۔ جونہی مقررین کے چبوترے پر پہنچے جہاں علم و فضل کی ایک کہکشاں مجتمع تھی، حضرت بابا جیؒ نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ شاہ جی نے خوب تلاوت کی اور شاندار مثالی تقریر کی جس پر آپ نے تحسین فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ آپ نے کانفرنس میں

شرکت فرما کر میرا ایمان بڑھا دیا۔ [سیّد محمد معاویہ بخاری]

مولانا سیّد عطاء المحسن بخاری جب کبھی زیادہ اداس ہوتے تو خانقاہ سراجیہ تشریف لے جاتے۔ تین چار روز قیام کرتے، حضرت سے دعائیں لیتے اور واپس آ جاتے۔ فرمایا کرتے کہ غفلت دور ہوگئی اور بیٹری چارج ہوگئی۔

مولانا سیّد عطاء المحسن بخاریؒ کی زیرِ ادارت ۱۹۸۸ء میں نقیبِ ختمِ نبوت کا ملتان سے اجراء ہوا۔ حضرت سے سرپرستی اور دعا کی درخواست کی گئی۔ آپ نے نہ صرف دعائیں دیں بلکہ سرپرستی بھی قبول فرمائی۔ [سیّد محمد کفیل بخاری]

بقول سیّد عطاء المؤمن بخاری (حضرت امیرِ شریعت کے تیسرے بیٹے) ''میں حضرتِ ثانیؒ کے پیچھے ملتان قاسم العلوم میں فجر کی نماز پڑھا کرتا تھا۔ آپ سورۃ نبا تلاوت فرمایا کرتے تھے جس میں آپ کی چیخیں نکل جایا کرتی تھیں۔''

ایک بار حضرتِ ثانیؒ ملتان تشریف لائے ہوئے تھے۔ ابا جی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے، میں بھی ان کے ہمراہ تھا۔ حضرتِ ثانیؒ نے فرمایا، یہ بیٹا مجھے دے دو۔ ابا جیؒ نے کہا، اس کو ہر ہنڈیا میں ڈالا مگر یہ کہیں نہیں گلا، اب آپ لے جایئے۔ چنانچہ ابا جیؒ مجھے خانقاہ سراجیہ لے گئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهۡلِهَا. حضرتِ ثانیؒ نے فرمایا، آگے آجا! پھر مجھے بیعت کر لیا۔ میں اس سے قبل حضرت رائے پوریؒ سے بیعت تھا۔ حضرت والد صاحب کا یہاں تین دن قیام رہا۔ خانقاہ میں تربیت ہوتی تھی۔ عصر کے بعد حضرتِ ثانیؒ باہر تشریف رکھتے تھے۔ تب طلبہ کی تعداد دس بارہ تھی۔ رفقاء و مریدین کی تعداد ۳۰ر کے لگ بھگ ہوگی جو نیم حلقہ کی صورت بیٹھے تھے۔ میں حاضرِ خدمت ہوا تو حضرتِ ثانیؒ نے دریافت فرمایا، ''سلام کیا ہے؟'' واپس جاؤ پھر آ کر سلام کرو۔ میں بادلِ ناخواستہ واپس گیا، چارپائی پر طلبہ کے پاس جا کر بیٹھا، پھر واپس آ کر سلام کیا تو فرمایا، تم نے سلام کیا، کتنے لوگوں نے جواب دیا، رحمت کی دعا مل گئی۔ ایک بار بیمار ہوا، گردے میں شدید درد تھا۔ مسجد کے غربی حاشیہ سے گر پڑا۔ حضرتِ ثانیؒ دوڑتے

ہوئے آئے، میری حالت پر رونے لگے اور دَم کیا۔

حضرت مولانا خان محمدؒ سے میری ملاقات غالباً ۱۹۵۶ء میں ہوئی۔ تقریباً ڈیڑھ سال خانقاہ قیام رہا۔ حضرتؒ سے تعلیم کا آغاز ہوا۔ ان سے کریما، نامِ حق، مالابدمنہ اور مفتاح الصلوٰۃ پڑھی۔ کچھ گلستان و بوستان بھی پڑھیں۔ حضرتؒ انتہائی پُرکشش آدمی تھے — کم گو، متین، باوقار مگر خوش طبع۔ حضرتؒ کا شباب تھا۔ اکثر سفید لباس اور تہبند میں ملبوس ہوتے۔ آپؒ کو دیکھ کر احترام کے جذبات پیدا ہوتے۔ پڑھانے کا انداز مؤثر اور بلیغ تھا۔ طالبِ علم کو بات سمجھ آجایا کرتی تھی۔ زجر و توبیخ نہ تھی۔ تعذیبی نہیں بلکہ تہذیبی انداز تھا۔ مشکل وقت میں شخصیت کی پہچان ہوتی ہے۔ زمانہ طالبِ علمی میں کبھی میری شکایت لگ جاتی، شکایت سن کر فرماتے، ''ایسا نہ کیا کرو۔'' حضرت مولانا خان محمدؒ جیسا راضی بالقضا، متحمل، بردبار اور صابر میں نے نہیں دیکھا۔ سخت سے سخت بات پر بھی مسکرا دیتے۔ اشتعال انگیز لمحات میں بھی حضرتؒ نہایت تحمل مزاجی کا مظاہرہ فرماتے۔ بوقتِ ملاقات کتنے ہی سنجیدہ ہوتے مجھے دیکھتے ہی مسکرادیا کرتے تھے۔ گاہے بغل گیر ہوتے اور ماتھا چومتے۔ ایک بار مجھے دیکھتے ہی فرمایا، ''آؤ یہاں بیٹھو۔'' کچھ دیر کے بعد فرمایا، تخلیہ۔ میں اٹھنے لگا تو فرمایا، ''تمھی سے تو بات کرنی ہے۔'' ایک بار میں نے عرض کیا، خانقاہ کا کیا حال ہے؟ فرمایا، کوئی حال نہیں، لوگ سفارش یا تعویذ کے لیے آتے ہیں، میری شادی فلاں جگہ ہو جائے یا فلاں افسر کے نام سفارش کا خط مل جائے۔ اللہ اللہ سیکھنے شاذ و نادر ہی کوئی آتا ہے۔ ماں جیسی شخصیت جو بچوں کو آغوش میں لے کر بیٹھتی۔ وسیع الظرفی، معاملہ فہمی اور تدبر اُن کی انفرادیت تھی۔ آپ کی شخصیت ہمہ جہت تھی، اجتماعیت کا ہر صورت لحاظ رکھتے۔ جب کسی مجلس میں اختلاف ہوتا، آوازیں بلند ہو جاتیں، بیٹھے سنتے رہتے، آخر میں بس اتنا فرماتے، ارے بھائی! اب بس بھی کرو۔

۱۹۷۷ء کی تحریک میں اللہ نے مجھ سے کچھ کام لیا۔ میری ان خدمات کو حکیم حنیف اللہ (مرحوم) نے ان سے ایک ملاقات میں سراہا۔ حضرت آبدیدہ ہوئے، میری کمر تھپکی،

آسمانی رنگ کی صدری منگوائی، مجھے پہنا دی جو مجھے کھلی تھی، میں نے محسوس کیا جیب میں کچھ ہے، دیکھا تو پانچ سو روپے کے پانچ نئے نئے نوٹ تھے۔ مجھے کشمکش ہوئی تو فرمایا، بس رہنے دو۔ [سیّد عطاء المؤمن بخاری]

بقول سیّد محمد کفیل بخاری (نواسۂ حضرت امیرِ شریعت)، سرگودھا میں ایک مرتبہ حضرت کی زیرِ صدارت مجھے تقریر کا امتحان دینا پڑا۔ حضرت کو دیکھ کر ذہن بالکل خالی ہو گیا لیکن تقریر کے لیے کھڑا ہوا تو حضرت نے ایسی توجہ فرمائی کہ طبیعت رواں ہو گئی اور کم و بیش ایک گھنٹہ بیان کی سعادت حاصل ہوئی۔ جلسے سے فارغ ہو کر میں اپنے کمرے میں آ گیا لیکن جب حضرت واپس جانے لگے تو مجھے ملنے میرے کمرے میں تشریف لے آئے۔ میں نے عرض کیا، حضرت! مجھے حکم فرماتے، میں حاضر ہو جاتا، فرمایا، میں جا رہا تھا، سوچا تمہیں ملتا جاؤں۔ اللہ اللہ یہ شفقت!

ہمارا خاندان حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سلسلہ میں بیعت تھا۔ لیکن حضرت مولانا خان محمدؒ کا احترام ہمارے خاندان اور احرار حلقے میں ایک مرشد کی طرح رہا۔ میرے جواں مرگ بھائی سیّد ذوالکفل بخاری، خاندان کے پہلے فرد تھے جو حضرت مولانا خان محمدؒ سے بیعت ہوئے۔ مرحوم نے ایک بار مجھ سے کہا کہ آپ کی حضرت سے بے تکلفی ہے، مجھے حضرت سے بیعت کرا دیں۔ حضرت دفترِ ختمِ نبوت ملتان تشریف فرما تھے۔ ہم دونوں بھائی حاضرِ خدمت ہوئے۔ میں نے سلام و مصافحہ کے بعد عرض کیا، حضرت! یہ میرا چھوٹا بھائی ہے، توبہ کے لیے حاضر ہوا ہے، اسے بیعت فرما لیں۔ حضرت نے حیرت سے دیکھتے ہوئے ایک جملہ ارشاد فرمایا، ''یہ کیا کر رہے ہو؟'' مقصد یہ تھا کہ خاندانِ امیرِ شریعت تو حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے وابستہ ہے، آپ انہیں چھوڑ کر اِدھر آ نکلے؟ بہر کیف بھائی حضرت کے سامنے پیش ہوئے۔ میں نے عرض کی کہ سلسلہ عالیہ میں قبول فرما لیں۔ حضرت نے شفقت بھری نظر سے دیکھا اور بیعت کر لیا۔ بعد میں خاندان کے دیگر حضرات و خواتین نے بھی حضرت سے بیعت کا تعلق قائم کیا جس کا ذریعہ ذوالکفل (مرحوم) ہی

بنے۔ سات برس سعودی عرب میں انگریزی پڑھائی، اب وہ جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ میں استاد تھے، حضرت کے مشورہ سے ہی سعودیہ گئے تھے۔ اس عرصہ میں حضرت کے ہمراہ حج کرتے اور آپ کی خدمت میں رہتے۔ ابتداًوہ آپ کی مجلس میں چپ چاپ بیٹھتے، حضرت کی توجہات اور فیض خوب سمیٹتے۔ پھر ایک وقت وہ آیا کہ حضرت کی خواہش پر ذوالکفل بولتے اور حضرت سن کر محظوظ ہوتے۔

حضرت خواجہ خان محمدؒ نے ہزاروں دینی مدارس، دینی جماعتوں، درجنوں دینی رسائل و جرائد کی سرپرستی فرمائی۔ حضرت خواجہ صاحب اعلیٰ تحریری ذوق رکھتے تھے اور مطالعہ بھی خوب فرماتے۔ ابتداء میں مضامین بھی لکھتے رہے، ادب و انشاء کے رموز و اسرار سے بخوبی واقف تھے۔ کوئی بیس برس پہلے مجلس احرار اسلام کے نامور رہنما مولانا محمد گل شیر شہید پر برادر عزیز ڈاکٹر محمد عمر فاروق کی کتاب شائع ہوئی۔ راقم نے حضرت کی خدمت میں کتاب کا مقدمہ لکھنے کی درخواست کی جسے حضرت نے قبول فرمالیا۔ چند روز بعد حضرت نے مقدمہ لکھ کر ارسال فرمایا اور ساتھ یہ ہدایت بھی تحریر تھی کہ اس تحریر کے کسی لفظ کو نہ بدلا جائے، اسے من وعن شائع کیا جائے۔ ہم تو اس گستاخی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ شاید کسی اور نے حضرت کی تحریر کو ردّ و بدل کے ساتھ شائع کیا ہوگا، اس لیے آپ نے یہ تنبیہ فرمائی۔ حضرت خواجہ صاحبؒ کی تحریریں انتہائی سادہ، پرکشش اور دلوں میں اترنے والی تھیں۔ لفظوں کی بُنت اور جملوں کی ساخت، ادب کے اعلیٰ معیار کو چھوتی تھی۔

[سیّد محمد کفیل بخاری]

علمائے کرام اور مشائخِ عظام کے ساتھ وابستگی

خانقاہ سراجیہ کی یہ خوش بختی ہے کہ کبار علمائے کرام اور محدثین اس سے وابستہ رہے۔ حضرتِ اعلیٰ مولانا ابوالسعد احمد خانؒ کے دور میں مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے اپنی آمد سے خانقاہ کو رونق بخشی۔ مولانا محمد یوسف بنوریؒ یہاں رونق افروز ہوئے۔ ماضی قریب میں کراچی سے مولانا مفتی سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی تشریف لائے اور دس دن قیام فرمایا۔ مولانا مفتی جمیل احمد خانؒ اور مولانا مفتی سعید احمد جلال پوریؒ کثرت سے حضرت قبلہؒ کی خدمت میں تشریف لاتے اور فیض یاب ہوتے۔

ایک بار جمعیت علمائے پاکستان کے امیر مولانا شاہ احمد نورانیؒ تشریف لائے۔ کتب خانہ دیکھا، رات کا کھانا تناول فرمایا اور حضرت قبلہ سے طویل ملاقات کی۔ مولانا عبدالستار خان نیازیؒ کا تشریف لانا اور ہمہ وقت کتب خانے میں کتابوں سے شغف راقم کو یاد ہے۔

تبلیغی جماعت کے محترم الحاج محمد عبدالوہاب مدظلہ العالی اہتمام واحترام سے خانقاہ سراجیہ تشریف لاتے۔ ایک بار راقم اور حضرت قاضی عبدالقادر صاحب جھاوریاں والے (خلیفۂ مجاز حضرت رائے پوری، و شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ) نے مشاہدہ کیا کہ حاجی عبدالوہاب صاحب عصر کی نماز ہماری مسجد میں پڑھ رہے تھے، میں اس وقت ڈیوٹی سے لوٹا تھا۔ بطور خاص میں نے دیکھا کہ حاجی صاحب نماز پڑھ کے قبرستان ننگے پاؤں تشریف لے گئے۔ وہاں سے حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وقتِ رخصت کار میں بیٹھ کے جوتیاں پہنیں۔

حضرت قبلہؒ کے اساتذہ کرام، علمائے کرام اور مشائخِ عظام کے ساتھ روابط اور محبت

کے سلسلے ہیں۔ راقم جو تھوڑی بہت خوشہ چینی کر سکا ہے وہ محفوظ کر دی ہیں۔

مولانا محمد یوسف بنوریؒ سے تعلق

ایک واقعہ جو بابا جیؒ کی جلالت شان پر دلالت کرتا ہے وہ یہ کہ آپؒ نے ڈابھیل سے دیگر اساتذہ کے علاوہ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ سے بھی شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ حضرت بنوریؒ پاکستان بننے کے کچھ عرصے بعد بھی ڈابھیل میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ پہلے پاکستان میں دارالعلوم ٹنڈو الہ یارخان سندھ میں تشریف لائے۔ پھر مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی میں قائم کیا۔ جو آج جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے نام سے چہار دانگ عالم میں مشہور یونیورسٹی کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔

ہمارے حضرت خواجہ خان محمدؒ صاحب نے ۱۹۴۰ء دیوبند میں گذارا۔ پھر خانقاہ سراجیہ تشریف لائے۔ حضرت ثانیؒ سے تصوف کی تکمیل کی۔ آپؒ کی رحلت کے بعد خانقاہ سراجیہ کی مسند نشینی پر فائز ہوئے۔ رفتہ رفتہ آپ کی شہرت ملک گیر ہوئی۔ حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ تک آپ کی بزرگی اور شیخ وقت ہونے کی روایات پہنچیں۔ آپ کے دل میں خانقاہ سراجیہ حاضری اور بابا جی سے ملاقات کا داعیہ اور شوق پیدا ہوا۔ حضرت اعلیٰؒ کے زمانہ میں حضرت بنوریؒ اپنے استاذ، نابغۂ روزگار حضرت مولانا سیّد محمد انور شاہ کشمیریؒ کی یہاں تشریف آوری کی وجہ سے خانقاہ سراجیہ سے متعارف تھے۔ اپنے استاذ کی زبانی خانقاہ کے مشہور، نادرالوجود، منتخب اور مرتب کتب خانے کی تعریف سن چکے تھے۔ چنانچہ آپؒ خانقاہ سراجیہ تشریف لائے۔ اللہ کی شان کہ بابا جیؒ خانقاہی سفر کے سلسلہ میں ہری پور تشریف لے جا چکے تھے۔ حضرت بنوریؒ نے مزارات پر حاضری دی۔ خانقاہ شریف کے ماحول سے دل خوش کیا۔ کتب خانہ دیکھا۔ آپ نے بھی یہاں سے سرحد جانا تھا تو آپ دورے کی ترتیب بدل کر ہری پور تشریف لے گئے۔ بابا جیؒ ہری پور محلّہ درویش میں مولانا قاضی شمس الدینؒ کے ہاں قیام پذیر تھے۔ صبح حضرت بنوریؒ، مولانا قاضی شمس الدینؒ کی قیام گاہ پر بغیر اطلاع کے تشریف لائے۔ ہمارے حضرت خواجہ خان محمدؒ صاحب، آپ کے رفقاء اور ہری پور کی

دینی قیادت وعلماء تصور نہیں کر سکتے تھے کہ بغیر پروگرام واطلاع کے حضرت شیخ بنوریؒ ایسے متبحر عالمِ دین اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود یہاں تشریف لا سکتے ہیں۔ ہمارے حضرت خواجہ خان محمدؒ صاحب، قاضی شمس الدینؒ کے ہاں ناشتہ کے لیے دسترخوان پر بیٹھے ہی تھے کہ گلی میں حضرت بنوریؒ کی تشریف آوری کا شور ہوا۔ اچانک یہ خبر سنتے ہی سب حضرت بنوریؒ کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں حضرت بنوریؒ کمرہ میں داخل ہوئے۔ سب نے سلام ومصافحہ کیا۔ حضرت بنوریؒ نے بابا جیؒ سے فرمایا کہ حضرت! آپ کی تعریف سنی۔ خانقاہ شریف حاضر ہوا، کتب خانہ دیکھا، مزارات پر حاضری دی۔ آپ کے یہاں تشریف فرما ہونے کا سنا۔ دعا وملاقات کی غرض سے پروگرام تبدیل کر کے ہری پور چلا آیا۔ بابا جیؒ باادب اور دوزانو ہو کر حضرت شیخ بنوریؒ کی بات سنتے رہے اور پھر گویا ہوئے، ''حضرت! میں کیا اور میری ملاقات کیا؟ مجھے کراچی بلوا بھیجتے۔ سعادت سمجھ کر سر کے بل حاضر ہوتا۔ سب آپ کا فیض ہے۔ میں تو آپ کا شاگرد ہوں۔'' حضرت بنوریؒ یہ سن کر چونکے۔ فرمایا، ''وہ کیسے؟ مجھے تو بالکل یاد نہیں۔ کہاں، کب اور کیا پڑھا مجھ سے؟'' بابا جیؒ نے فرمایا کہ ڈابھیل میں فلاں سال مقامات آپ سے پڑھی۔ حضرت بنوریؒ نے تعجب سے پھر ہمارے بابا جیؒ کو بغور دیکھا اور فرمایا کہ بالکل یاد نہیں آ رہا۔ اچھا تو کون کون سے ساتھی آپ کے ہم جماعت تھے۔ ہمارے حضرت خواجہ خان محمدؒ صاحب نے بعض ہم درس ساتھیوں کے نام بتائیے۔ حضرت شیخ بنوریؒ نے اس پر بھی فرمایا، بالکل یاد نہیں آ رہا۔ خیر حضرت بنوریؒ نے دعا کے لیے فرمایا۔ حضرت خواجہ خان محمدؒ صاحب نے آپ کے ہاتھ باادب پکڑ کر دعا کے لیے ایسے انداز میں التجا کی جیسے بیٹا باپ سے یا مرید شیخ سے کرتا ہے۔ حضرت بنوریؒ کے آنسو اُبل پڑے۔ دعا ہو گئی۔ حضرت بنوریؒ نے اجازت چاہی۔ بابا جیؒ سواری تک استاذِ محترم کی مشایعت کے لیے چلے۔ رخصتی پر حضرت بنوریؒ نے وعدہ لیا کہ جب بھی کراچی آنا ہو تو قیام میرے مدرسہ میں ہوگا۔ آپؒ نے بسر وچشم قبول کیا۔ حضرت بنوریؒ نے رخصت ہو کر ساتھیوں سے فرمایا کہ ''حضرت مولانا خان محمدؒ صاحب کے بارے

میں جو سنا تھا اس سے بھی بڑھ کر پایا۔ ایک تو ان کی مجلس کی برکات دیکھیں، دوسرا چہرے پر نورِ ولایت ملاحظہ کیا۔ تیسرا بے نفسی کی انتہا کو پہنچے ہوئے بزرگ رسیدہ ہیں۔ اگر ذرہ برابر اِن میں دنیا داری ہوتی کبھی ظاہر نہ کرتے کہ میں آپ کا شاگرد ہوں۔ مریدوں پر رعب جمانے کے لیے خاموش رہتے کہ کتنا کامل ہوں کہ بنوریؒ جیسے شخص مجھے ملنے کے لیے میرے دروازے پر آئے اور مولاناؒ نے سب حقیقت کھول کر بیان کر دی۔ یہ ان کی بے نفسی اور اخلاص کا کمال ہے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ایسے باکمال سے استاذ ہونے کا تعلق قائم ہے۔'' غرض:

ع مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

ترجمہ: مشک وہ ہے جو خود خوشبو دے اور بتا دے کہ میں مشک ہوں نہ کہ عطر فروش کو بتانا پڑے کہ یہ مشک ہے۔

حضرت بنوریؒ کی دعا

مولانا صاحبزادہ عزیز احمد فرماتے ہیں، ایک بار حضرت قبلہؒ والد صاحب کراچی تشریف لے گئے تو اپنے استاذ حضرت بنوریؒ کی زیارت و ملاقات کے لیے مدرسہ میں حاضری دی۔ حضرت بنوریؒ نے آپ کی تشریف آوری پر دلی خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ جب کراچی تشریف لائیں تو قیام جامعہ علوم الاسلامیہ میں ہوگا۔ اس پر حضرت قبلہؒ نے فرمایا کہ آپ نے اپنے لیے دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی کہ ہر سال حج پر تشریف لے جاتے ہیں۔ میرے لیے (حضرت قبلہؒ کے لیے) بھی دعا فرمائیں۔ باقی رہا جامعہ علوم الاسلامیہ میں حاضری تو کراچی سفر کے دوران ضرور حاضری ہوگی۔ حضرت بنوریؒ نے فرمایا، دعا بھی ہو جائے گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے کرم کیا کہ حج کا ایسا دروازہ کھلا کہ جب تک سکت رہی کبھی ناغہ نہیں ہوا۔ حضرت مولانا صاحبزادہ عزیز احمد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر شیخ بنوریؒ کو کراچی سے حضرت قبلہؒ کے سفرِ حج کا معلوم ہو جاتا تو کراچی ائرپورٹ پر سوار کرانے کے لیے ضرور تشریف لاتے۔

حضرت بنوریؒ کی زیارت وملاقات

علم ومعرفت میں ترقی کی منازل طے کرنے کے لیے ادب واحترام ایک لازمی امر ہے۔حضرت خواجہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ادب واحترام کا بھی اعلیٰ ذوق عطا فرمایا تھا۔آپ مجسمۂ ادب تھے۔چنانچہ نذیر رانجھا صاحب لکھتے ہیں:

”۱۹۷۴ء کی ختمِ نبوت کی تحریک کے دوران جامع مسجد کچہری بازار فیصل آباد میں ختم المرسلین کے پروانوں کا جلسہ تھا،حضرت بنوریؒ کراچی سے تشریف لائے،مفتی زین العابدین صاحبؒ کی رہائش گاہ پر قیام پذیر تھے۔حضرت مخدومِ زماں خواجۂ خواجگان خان محمدؒ اپنے استاد کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔حضرت بنوریؒ نے کھڑے ہوکر ان کا استقبال کیا۔آپؒ حضرت بنوریؒ کے سامنے دوزانو ہوکر بیٹھ گئے،امام الحدیث حضرت بنوریؒ نے آپ سے فرمایا،آپ ایسا نہ کریں۔لیکن حضرت خواجہ دوزانو ہی بیٹھے رہے۔گفتگو کے بعد مجلس برخاست ہوئی،حضرت علامہ سیّد بنوریؒ مجلس سے جانے کے لیے اٹھے،آپ نے حضرت بنوریؒ کا جوتا اٹھایا اور ان کے سامنے رکھا،دونوں حضرات ایک دوسرے کو الوداع کہنے کے لیے باہر تشریف لائے،بوقتِ رخصت حضرت بنوریؒ نے آپؒ سے دعا کی درخواست کی۔“[1]

مولانا یوسف لدھیانویؒ

مدت ہوئی سالانہ ختمِ نبوت کانفرنس،مسلم کالونی،چناب نگر مسجد کے منبر پر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی نوراللہ مرقدہٗ تشریف فرما تھے۔حضرت شیخ المشائخ خواجہ خان محمد صاحبؒ تشریف لائے تو اہلِ مجلس احتراماً کھڑے ہوگئے۔آپ آتے ہی صف میں بیٹھ گئے۔حضرت لدھیانویؒ نے فرمایا،حضرت! آپ نیچے تشریف فرما ہوگئے اور میں اوپر

۱۔ تاریخ وتذکرہ:۴۴۱

بیٹھا ہوں یہ بے ادبی ہے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا، کوئی حرج نہیں۔ اس کے بعد حضرت لدھیانویؒ نے وعظ میں بہت قیمتی بات ارشاد فرمائی:

''ہمارے یہاں صدارت و امارت کا انتخاب مجلسِ شوریٰ کے ذریعے ہوتا ہے۔ ہم نے آج تک کسی امیر کو معزول کیا نہ ہی کسی کو علیحدہ کرنے کی سوجھی اور نہ ہم اس کے قائل ہیں، ہمیشہ امیر کے وصال پر نیا امیر منتخب کیا جاتا رہا، امیرِ مجلس وقت کا قطب ہوتا ہے، کام کرنے والوں سے التماس ہے کہ اطاعتِ امیر کا خاص خیال رکھا جائے۔''[1]

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی خدمت میں

مولانا اسماعیل شجاع آبادی رقم طراز ہیں کہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ نے فرمایا، ''ایک مرتبہ قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اپنے خلیفہ حضرت حافظ عبدالحکیم کے ہاں کلورکوٹ تشریف لائے تو میں بھی زیارت و ملاقات کے لیے حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت رائے پوریؒ حاضرین سمیت قالین پر تشریف فرما تھے، مجھے دیکھتے ہی انتظامیہ کو چارپائی لانے کا فرمایا، جب حسب الارشاد چارپائی لا کر بچھائی گئی تو آپ نے مجھے چارپائی پر بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ میں حضرت رائے پوری کی موجودگی میں چارپائی پر بیٹھنا مناسب خیال نہیں کر رہا تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کا حق بنتا ہے، بالآخر ''الامرُ فوق الادَب'' کے تحت تعمیلِ ارشاد میں چارپائی پر بیٹھ گیا۔ یہ واقعہ سناتے ہوئے حضرت والا کی آواز بھرا گئی اور آبدیدہ ہو گئے۔''

مولانا غلام حبیب نقشبندیؒ

حضرت مولانا غلام حبیبؒ (چکوال) نقشبندی سلسلے کے معروف بزرگ گزرے ہیں۔ مولانا محمد اقبال خان مرتب ''تحفۂ نقشبندیہ'' راوی ہیں کہ ''مجھے مخاطب کر کے حضرت مولانا نے فرمایا کہ حضرت خواجہ خان محمد صاحبؒ میرے مہربان ہیں، میں حضرت خواجہ

۱۔ لولاک نمبر: ص ۲۲۷

صاحب کی صدارت میں چنیوٹ ختمِ نبوت کانفرنس میں درس دے آیا ہوں اور ہم کئی دن اکٹھے رہے ہیں، حضرت خواجہ صاحبؒ آدمی تو باکمال ہیں لیکن ان پر سکوت کا غلبہ ہے۔"

حضرت باباجیؒ اور حضرت دین پوریؒ

بقول رانا مبارک علی مرحوم (جو حضرت خواجہ صاحبؒ کے خادم تھے): حضرت مولانا میاں عبدالہادی دین پوری سخت بیمار ہوئے اور بغرضِ علاج نشتر ہسپتال ملتان تشریف لے آئے۔ جب یہ خبر خانقاہ سراجیہ پہنچی تو حضرت باباجیؒ نے مجھے حضرت دین پوریؒ کی خدمت میں جانے کا حکم فرمایا کہ میری طرف سے تیمارداری کرو، اور سلام پہنچاؤ۔ جب میں نشتر ہسپتال پہنچا تو حضرت دین پوری کے خدّام کا رَش تھا۔ اپنی باری پر جب خانقاہ سراجیہ سے حاضری کا ذکر کیا اور حضرت باباجیؒ کا سلام پیش کیا تو حضرت دین پوریؒ پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی اور آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ جب طبیعت سنبھلی تو فرمایا، آگے آجاؤ! آپ اپنے سر کا کپڑا لے کر میرے پاؤں پر رکھنے کے لیے جھکنے لگے تو میں دیوار سے جا لگا۔ پھر فرمایا کہ آگے آجاؤ! تو کھڑے کھڑے ہاتھ باندھ کر عرض کیا، حضور! ارشاد فرمائیے! آپ پر گریہ طاری تھا، حاضرین دم بخود تھے۔ فرمایا کہ "اپنے سر کا کپڑا فقیر کی طرف سے حضرت خواجہ صاحب کے قدموں پر رکھ کے دعا کی درخواست کرنا کہ اللہ تعالیٰ خاتمہ بالخیر فرمادے۔ اگر اللہ تعالیٰ حساب لینے پر آئے تو کوئی نہیں بچ سکتا۔" جب خانقاہ سراجیہ پہنچ کر حضرت دین پوریؒ کا پیغام حضرت باباجیؒ کی خدمت میں پہنچایا تو آپ فوراً نشست گاہ سے اُٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔

حضرت باباجیؒ اور مولانا خیر محمد جالندھریؒ

حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ بانی جامعہ خیر المدارس ملتان (جو ہزاروں علمائے کرام کے استاد تھے) کا نشتر ہسپتال میں آپریشن ہوا، اور خون لگانا تجویز کیا گیا۔ حضرت مولاناؒ نے خون لگوانے سے انکار کیا۔ حضرت باباجیؒ عیادت کے لیے تشریف لائے اور کیفیات سنیں تو فرمایا کہ آپریشن بھی ہونا چاہیے اور خون بھی لگنا چاہیے۔ کیونکہ اضطراری

حالت میں جائز ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کا آپریشن ہو گیا اور آپ ہوش میں آ گئے تو سب سے پہلا سوال کیا کہ خون تو نہیں لگایا؟ ڈاکٹروں نے دبے الفاظ میں لگانے کا بتایا، تو حضرت جالندھریؒ کی طبیعت پر ناگوار گزرا۔ جب ان کو حضرت بابا جیؒ کا بتلایا تو حضرتؒ کا نام سنتے ہی خاموش ہو گئے۔

بابا جیؒ، حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ کی نظر میں

(حضرت مولاناؒ ممتاز عالمِ دین، بلند پایہ مصنف، نصرت العلوم گوجرانوالہ کے شیخ الحدیث اور حضرت بابا جیؒ کے رفیقِ درس تھے)۔ امامِ اہلِ سنت مولانا سرفراز خان صفدرؒ نے ایک مرتبہ سیالکوٹ میں اثنائے گفتگو فرمایا کہ ''حضرت خواجہ صاحب عمر میں مجھ سے چھوٹے ہیں مگر بزرگی میں وزنی پہاڑ ہیں۔''

حضرت سیّد نفیس الحسینیؒ کی نظر میں

(فنِ خطاطی کے بے تاج بادشاہ، حضرتِ اقدس رائے پوریؒ کے خلیفۂ مجاز، مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کے نائب امیر اور بہت سے علماء وصلحاء کے پیر و مرشد) حضرت سیّد نفیس الحسینیؒ کی خدمت میں بار بار درخواست کی گئی کہ وہ تحفظِ ختمِ نبوت کی نائب امارت قبول فرما لیں تو انکار فرماتے۔ لیکن ایک مجلس میں فرمایا کہ سنا ہے کہ مجھے مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ کے حکم پر نائب امیر بنایا گیا ہے اب انکار کی گنجائش نہیں۔

حضرت سیّد نصیر الدین شاہؒ گولڑوی

بقول جناب محمد طفیل اویسی ایک مرتبہ والدِ محترم محمد یٰسین نقشبندی کو پیر سیّد نصیر الدین شاہ صاحبؒ کی، جو کہ گولڑہ شریف کے گدی نشین تھے، خواب میں زیارت ہوئی تو پیر سیّد نصیر الدین شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ''تمہارے مرشد حضرت خواجہ خواجگان خان محمد صاحبؒ اس وقت ولایت کے انتہائی بلند مقام پر فائز ہیں۔'' اس کے علاوہ بھی پیر سیّد نصیر الدین شاہ صاحبؒ حضرتؒ سے انتہائی محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ جب خانقاہ سراجیہ سے کوئی صاحبزادہ ختمِ نبوت کے کسی اہم کام کے لیے پیر سیّد نصیر الدین شاہ صاحبؒ کے پاس جاتا تو

وہ ہمیشہ حضرتؒ کے بارے میں ہی پوچھتے رہتے تھے اور دعاؤں کی درخواست کیا کرتے تھے۔ اس سے بھی حضرتؒ کے روحانی مقام ومرتبہ کا علم ہوتا ہے کہ ایک سیّد، پھر حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے خانوادے کے اپنے وقت کے ایک پیرِ طریقت بھی حضرتؒ کا اتنا احترام کرتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ حضرتؒ کے مقام ومرتبہ کو کوئی کامل پیرِ طریقت ہی سمجھ سکتا تھا۔

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشہ دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر، کیا دیکھے؟

اس کے علاوہ پیر سیّد انور شاہ گیلانی گدی نشین سدرہ شریف والے وہ بھی حضرتؒ کا بڑی عقیدت ومحبت سے ذکر کیا کرتے ہیں اور اکثر حضرتؒ کی صحت یابی کے لیے دعا کرتے تھے اور اپنے سالانہ اجتماع کے موقع پر بھی اختتامیہ دعا میں حضرتؒ کے بارے میں دعائے خیر کرتے نظر آتے۔[1]

مفتی نظام الدین شامزئیؒ

مولانا شعیب فردوس لکھتے ہیں: ۲۰۰۱ء میں ہم جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں درجہ سابعہ (موقوف علیہ) کے طالبِ علم تھے۔ ایک دن صبح حسبِ معمول اسباق میں مشغول تھے، اعلان ہوا کہ تمام طلبہ مسجد میں جمع ہو جائیں، عالمی مجلسِ ختمِ نبوت کے امیر حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ تشریف لانے والے ہیں۔ کچھ ہی دیر میں حضرت مفتی نظام الدین شامزئی صاحبؒ طلبہ کرام سے مخاطب ہوئے کہ ''آج جو بزرگ آپ کے سامنے تشریف لانے والے ہیں اگر ان کے بارے میں کہا جائے کہ یہ اپنے وقت کے ''قطب'' ہیں تو مبالغہ نہ ہوگا اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ آپ بطورِ فخر یہ کہا کریں گے کہ ہم نے حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ کی زیارت کی ہے۔''

کسی نے بجا کہا کہ ہے کہ ''ولی را ولی می شناسد'' یعنی اللہ والے کو اللہ والا ہی پہچان

۱۔ لولاک نمبر، ص ۴۷۰

سکتا ہے۔[۱]

حضرت پیر شریفؒ

حکیم محمد اسلم ساکن گوجرہ راوی ہیں کہ ایک دن مغرب کے بعد ایک مجذوب خانقاہ سراجیہ تشریف لائے۔ چناب نگر ختمِ نبوت کانفرنس کے شروع ہونے سے ایک دن قبل حضرت خواجہ صاحبؒ چناب نگر تشریف لائے۔ یاد رہے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ اپنی صحت کے زمانے میں چناب نگر ختمِ نبوت کانفرنس شروع ہونے سے ایک دن قبل تشریف لاتے اور کانفرنس کے اختتام کے بعد مزید ایک رات قیام فرماتے۔ یہ تقریباً آپ کا معمول تھا۔ اب خانقاہ سراجیہ سے حضرت پیر شریف والوں کو پتا چلا کہ حضرت خواجہؒ چناب نگر تشریف لے گئے ہیں تو خانقاہ شریف سے چناب نگر صبح آٹھ نو بجے تشریف لائے۔ ہم خدام کی عید ہوگئی۔ گھنٹہ بھر حضرت خواجہؒ سے ملاقات رہی اور اجازت چاہی۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے اجازت دے دی۔ حضرت پیر شریف والوں کو جاتا دیکھ کر ہم خدام دوڑے کہ حضرت! کانفرنس چند ساعتوں میں شروع ہونے والی ہے، آپ افتتاحی بیان فرمادیں۔ حضرت پیر شریف والے مسکرائے اور فرمایا کہ کانفرنس میں شرکت ہوگئی۔ گھر سے صرف حضرت خواجہ صاحبؒ کی ملاقات کے لیے چلا تھا، اس سفر میں حضرت خواجہ صاحبؒ کی ملاقات کے علاوہ کسی اور مصروفیت کی آمیزش پر دل نہیں مانتا۔ ہم دل مسوس کر رہ گئے۔ حضرت خواجہ صاحب بھی مسکرا دیے اور حضرت پیر شریف والے چل دیے۔ سچ یہ ہے کہ بڑوں کی باتیں بڑے ہی جانتے ہیں، ہم چھوٹوں کو دخل دینا در معقولات نہیں بلکہ سوئے ادب کے زمرہ میں آتا ہے۔[۲]

حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ

ایک مرتبہ حافظ القرآن والحدیث مردِ قلندر حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ اور

۱۔ لولاک نمبر، ص ۷۲۵

۲۔ لولاک نمبر، ص ۱۱۹

حضرت خواجہ خان محمدؒ لاہور میں تشریف فرما تھے۔ حضرت درخواستی نے کسی چغل خور کے کہنے پر حضرت خواجہ صاحبؒ سے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ مجلس کے کچھ دیر بعد حضرت خواجہ صاحبؒ اجازت لے کر واپس اپنی قیام گاہ چلے آئے۔ صبح نمازِ فجر سے قبل فون آیا کہ مردِ قلندر حضرت درخواستیؒ فرما رہے ہے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ سے کہیں ناشتہ میرے ساتھ کریں۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نمازِ فجر کے بعد پہنچے تو حضرت درخواستیؒ نے اپنی رات والی ناراضی پر معذرت چاہی اور اس ضمن میں فرمایا، ''رات رسالت مآب ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عبداللہ! رات تم نے زیادتی کی ہے معذرت کرو، مولوی خان محمد تو ہمارے خاص آدمی ہیں۔''[۱]

حضرت مولانا محمد علی کاندھلویؒ

شیخ محمد اکرم نے شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد علی کاندھلویؒ سے درخواست کی کہ ہمیں اپنا مرید بنا لیجیے۔ حضرت کاندھلویؒ نے فرمایا کہ ارے میں پیری مریدی کی ابجد کو بھی نہ جانوں کہ وہ کیا ہے؟ بار بار کے اصرار پر فرمایا، لو آج بتائے دیتا ہوں کہ اگر تو صرف نسبت چاہتے ہو تو جس سے جی چاہے بیعت ہو جایئے گا، اگر احسان و سلوک سیکھنا ہو تو میری نظر میں صرف دو ہستیاں ہیں، سلسلۂ چشتیہ میں حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ اور سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ خان محمد صاحبؒ۔

بانیِ تبلیغ مولانا محمد الیاس سے ملاقات

مولانا صاحبزادہ عزیز احمد صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت قبلہ باباجیؒ نے فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کے دوران ہم طلبہ کا وفد دہلی گیا۔ وہاں سے نظام الدین گئے۔ تب حضرت مولانا الیاس صاحب وہاں تشریف فرما تھے۔ ہم آپ کے کمرے میں داخل ہوئے، السّلام علیکم کہا۔ آپ کسی آدمی سے گفتگو فرما رہے تھے۔ اشارہ سے کمرہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ ہم باہر رُک گئے۔ جب آپ اس آدمی سے فارغ ہوئے تو ہم اندر داخل

۱۔ شیخ المشائخ نمبر، ص ۲۱۷

ہوئے۔علیک سلیک ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ جب دو آدمی علیحدگی میں بات کر رہے ہوں تو داخل نہیں ہوا کرتے۔ پھر تعارف ہوا۔ جب ہم نے بتایا کہ دارالعلوم دیو بند کے دورۂ حدیث کے طلبہ ہیں تو بہت خوشی کا اظہار کیا۔آپ نے بہت اکرام کیا اور موقع کی مناسبت سے مٹھائی کھلائی اور یہ بھی فرمایا کہ آپ علماء اس تبلیغی کام کی سرپرستی اور نگرانی فرمایئے۔ اگر علماء شامل نہ ہوئے تو مجھے ڈر لگ رہا کہ اس پر کہیں جہلاء کا قبضہ نہ ہو جائے۔اگر ایسا ہوا تو پھر بہت نقصان کی بات ہوگی۔

حضرت حاجی عبدالوہاب صاحب امیرِ تبلیغ

صاحبزادہ عزیز احمد فرماتے ہیں کہ حضرت قبلہ بابا جیؒ کو ایک بار رمضان شریف میں ایک ران پر پھوڑا نکل آیا۔مجبوراً آپریشن کرایا گیا۔اس دوران میں بہت سے علماء اور مشائخ عیادت کے لیے تشریف لائے۔ دیگر حضرات کے علاوہ حاجی عبدالوہاب صاحب بھی تشریف لائے۔(یہ ۱۹۸۶، ۱۹۸۷ء کی بات ہے) پیپلز پارٹی کی حکومت تھی۔پنجاب میں محمد نواز شریف وزیرِ اعلیٰ تھے۔اندرون سندھ میں مدتوں سے مقیم پنجابیوں کو نکالا جا رہا تھا۔ روز بروز قافلے سندھ سے جائیدادیں چھوڑ کر پنجاب آرہے تھے۔تو اس موقع پر حاجی عبدالوہاب صاحب نے فرمایا کہ سندھ سے آرہا ہوں۔ وہاں کے حالات یکسر بدل رہے ہیں۔عصبیت زوروں پر ہے۔یہی حال رہا تو پتا نہیں ملک کا کیا بنے گا؟ میرے خیال میں دو آدمی اس صورتِ حال کو قابو کر سکتے ہیں اور وہ دونوں آپ (حضرت خواجہ صاحبؒ) کا حکم مانیں گے۔ان کا اندرون سندھ کا دورہ رکھا جائے تو انشا اللہ یہ صورت حال ٹھیک ہو جائے گی اور ملک کو فائدہ ہوگا۔وہ دو حضرات مولانا فضل الرحمٰن اور نوابزادہ نصر اللہ خان ہیں۔ان کو آپ سندھ بھجوائیں۔صاحبزادہ عزیز احمد فرماتے ہیں کہ ڈیڑھ دو گھنٹہ حاجی عبدالوہاب صاحب حضرت قبلہؒ کے پاس رہے اور یہی گفتگو فرماتے رہے۔اس دن اندازہ ہوا کہ حاجی صاحب صرف تبلیغ کے رہنما نہیں بلکہ سیاسی حالات پر بھی ان کی گہری نظر ہے۔

حضرت مفتی محمودؒ

اللہ نے خانقاہ سراجیہ کو مولانا ابوالسعد احمد خان صاحبؒ کے دور ہی سے یہ اعزاز بخشا کہ علماء، فقہاء، مفسرین، محدثین اس خانقاہ سے وابستہ رہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِکَ. مولانا محمد عبداللہ صاحب حضرت ثانیؒ کے دور میں موضع کھولہ سے طلاق کی بابت فتویٰ طلب کیا گیا۔ حضرت ثانیؒ نے استفتاء کے لیے آنے والوں کو ملتان قاسم العلوم ایک مفتی صاحب کے پاس بھیج دیا۔ قاسم العلوم کے فتوے سے یہ حضرات نہایت مطمئن ہوئے اور انہوں نے حضرت ثانیؒ کا شکریہ ادا کیا۔ کچھ عرصے بعد مولانا غلام غوث ہزارویؒ خانقاہ سراجیہ ملاقات کے لیے تشریف لائے تو حضرت ثانیؒ نے فرمایا، ملتان میں ایک باصلاحیت، نیک، قابل، عالم اور بردبار نوجوان ہے۔ اگر آپ اس کو جمعیت علمائے اسلام میں لے آئیں تو مجھے اللہ سے نفع کی امید ہے۔ مولانا غلام غوث ہزارویؒ خانقاہ سے سیدھے قاسم العلوم ملتان پہنچے اور اس نوجوان سے ملے اور اسے جمعیت علمائے اسلام میں شمولیت کی دعوت دی جو اُس نوجوان نے قبول کر لی۔ جنہوں نے آگے چل کر مسند افتاء وحدیث کو رونق بخشی اور خارزارِ سیاست میں اپنے تدبر، بصیرت اور راست فکری کا لوہا منوایا۔ مولانا مفتی محمودؒ تمام عمر خانقاہ سراجیہ اور حضرت باباجیؒ سے وابستہ رہے۔ جمعیت کے تمام معاملات کے ساتھ ساتھ ملکی اور بین الاقوامی امور پر بھی حضرت قبلہؒ سے مشورہ کے لیے خانقاہ تشریف لاتے۔ مولانا مفتی محمودؒ خانقاہ سراجیہ سے ایک خاص روحانی تعلق بھی رکھتے تھے، وہ یہ کہ مفتی صاحب کو پنیالہ کی خانقاہ یٰسین زئی سے خلافت ملی، جس کا تعلق ہماری خانقاہ کی طرح موسیٰ زئی شریف سے تھا۔

صاحبزادہ عزیز احمد صاحب فرماتے ہیں کہ جب کبھی میں قاسم العلوم جاتا، حضرت مفتی صاحبؒ ہمیشہ بالتزام مجھے اپنی چارپائی پر سرہانے کی جانب بٹھاتے۔ حالانکہ میری حیثیت ان کے بچوں جیسی تھی۔ لیکن قبلہ خواجہ خان محمد صاحبؒ کا حضرت مفتی صاحبؒ کے دل میں اتنا احترام تھا کہ ہمیشہ مجھے سرہانے کی جانب بیٹھنے کا حکم فرماتے۔

مولانا عبیداللہ انورؒ

صاحبزادہ عزیزاحمد فرماتے ہیں کہ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں ڈیرہ اسماعیل خان کی سیٹ سے حضرت مولانا مفتی محمودؒ نے جناب بھٹو صاحب کو شکست دی تو ملک بھر کے علماء اور مشائخ حضرت مفتی صاحبؒ کو مبارک باد دینے کے لیے مفتی صاحب کے گھر ڈیرہ اسماعیل خان تشریف لائے۔ حضرت قبلہؒ بھی خانقاہ شریف سے عبدالخیل ڈیرہ اسماعیل خان تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا عبیداللہ انور بھی لاہور سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کے ساتھ کافی دیر مجلس رہی۔ مفتی صاحب گھر تشریف لے جانے لگے تو حضرت قبلہؒ سے فرمایا کہ آپ تھوڑا آرام فرمالیں۔ آپ لیٹے تو حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ نے آپ کو دَبانا شروع کر دیا۔ حضرت قبلہؒ نے آپ کو بہت روکا، لیکن مولانا عبیداللہ انورؒ بہ تکرار و بااصرار آپ کو دَباتے رہے۔ اس سے جہاں مولانا عبیداللہ انورؒ کی بے نفسی کا ثبوت ملتا ہے وہاں حضرت قبلہؒ کی رفعتِ شان کا بھی پتہ چلتا ہے۔

مولانا محمد شاہ امروٹیؒ

صاحبزادہ عزیزاحمد فرماتے ہیں کہ جنرل محمد ضیاء الحقؒ کے عہدِ اقتدار میں ایم آر ڈی کی تحریک چلی۔ اس موقع پر حضرت مولانا سیّد محمد شاہ مرحوم امروٹیؒ سجادہ نشین امروٹ شریف کا قیام خانقاہ سراجیہ میں دو ہفتے رہا۔ اس دوران جب موقع ملتا وہ حضرت قبلہؒ کو دبانے لگ جاتے۔ حضرت قبلہؒ کے روکنے اور منع کرنے کے باوجود وہ اصرار سے حضرت قبلہؒ کو خاموش کرا کر خدمت کرتے رہتے۔

مولانا محمد شریف جالندھریؒ

حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے ناظمِ اعلیٰ تھے۔ ساری زندگی فقر و فاقہ میں گزری۔ جنرل ضیاء الحق کے زمانے میں محترم راجہ ظفر الحق حج و اوقاف اور مذہبی امور کے وزیر تھے۔ مولانا محمد شریف جالندھریؒ کا راجہ صاحب سے دوستانہ تھا۔ راجہ صاحب نے مولانا محمد شریف جالندھریؒ کو پیشکش کی کہ سرکاری وفد میں

شامل ہوکر حج کرلیں۔ مولانا محمد شریف جالندھریؒ نے تب حج نہیں کیا تھا۔ حضرت قبلہؒ سے اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا کہ مولانا! آپ پر حج فرض نہیں۔ فرض ہوا تو اللہ تعالیٰ حج کرا بھی دیں گے۔ آپ مجلس کے ناظمِ اعلیٰ ہیں۔ سرکاری وفد میں حکومت سے اتنا فائدہ بھی نہ اٹھائیں۔ یہ مجلس کے مفاد کے خلاف ہے۔ چنانچہ انہوں نے راجہ صاحب کو انکار کردیا۔

مولانا شاہ احمد نورانیؒ

۱۹۸۴ء کی تحریکِ ختمِ نبوت کے آغاز میں حضرت قبلہؒ، مولانا محمد شریف جالندھریؒ کو ساتھ لے کر مولانا شاہ احمد نورانی میاںؒ سے کراچی میں ملے اور تحریک کے لیے ساتھ دینے کی درخواست کی۔ نورانی میاںؒ نے فرمایا کہ حالات تحریک پیدا کرتے ہیں، ضرورت ہوگی تو مل بیٹھیں گے، اس وقت ضرورت نہیں۔ حضرت قبلہؒ اس سے مایوس نہ ہوئے۔ مولانا عبدالستار خان نیازیؒ کو ساتھ لیا۔ مولانا مفتی مختار احمد نعیمیؒ کو ساتھ کیا۔ تحریک چلی اور نتیجہ خیز ہوئی۔

ایک وہ وقت تھا کہ مولانا شاہ احمد نورانیؒ نے تحریک میں ساتھ چلنے کے لیے وقت کے موزوں نہ ہونے کا عذر کیا، یا پھر یہی حضرت نورانی صاحبؒ خانقاہ سراجیہ تشریف لائے۔ کھانا کھایا، لائبریری دیکھی اور بہت خوش ہوئے۔ پھر ملتان ختمِ نبوت کانفرنس میں تشریف لائے۔ ملتان قلعہ کہنہ قاسم باغ میں جب مولانا نورانی میاںؒ تشریف لائے تو حضرتؒ احتراماً کھڑے ہوگئے۔ اگلے روز دفتر ملتان حضرت قبلہؒ کے ساتھ ناشتہ کیا، قاری زوار بہادر سے قصیدہ بردہ شریف سنا، پھر حضرت قبلہؒ سے دعا کرائی اور تشریف لے گئے۔

مولانا سلیم اللہ خان

وفاق المدارس العربیہ کے صدر حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان کے صاحبزادے مولانا محمد خالد نے فرمایا کہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ کے جنازے میں شمولیت کے لیے قبلہ والد صاحب اپنی علالت کے باوجود تیار ہوگئے۔ حالانکہ چند روز پیشتر ملاقات کرکے تشریف لائے تھے۔ حال ہی میں آپ کو اختلاج قلب کی تکلیف شروع

ہوئی تھی۔ اس لیے کٹھن اور دشوار گذار سفر تو کسی طرح ٹھیک نہیں تھا۔ مگر ان کی خواہش کے سامنے کسی کو انکار کی گنجائش نہ تھی۔ خانقاہ شریف سے اڑھائی کلومیٹر قبل اتنی رکاوٹ تھی کہ لوگوں کو سڑک پر جہاں بھی جگہ ملی گاڑی پارک کی اور جنازہ میں شرکت کے لیے چل پڑے۔ اب اڑھائی کلومیٹر قبل بالکل گاڑی کا سفر ممکن نہ رہا۔ مجبوراً وہ سفر مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ کو موٹر سائیکل سے کرنا پڑا۔ کھیتوں کی زمین، دھکے، پھر نالے۔ جگہ جگہ اترنا چڑھنا، دھکوں کی جو صورت تھی وہ دیکھی نہیں جاتی تھی۔ اس مشکل میں مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ نے بیماری، علالت اور بڑھاپے کے باوجود سفر کیا اور جنازہ میں شرکت کی۔ سچ ہے کہ:

ع "قدر زر زرگر بداند، قدر جوہر جوہری"

مولانا تاج محمودؒ

ایک بار جماعتی معاملے میں حضرت مولانا تاج محمودؒ کی طبیعت پر منفی اثر تھا۔ خیال تھا کہ شاید ملتان میں آپ شوریٰ کے اجلاس میں تشریف نہ لائیں گے۔ چنانچہ حضرت قبلہؒ نے شاہکوٹ کے جلسے سے واپسی کے بعد فیصل آباد کا سفر کیا اور حضرت مولانا تاج محمود صاحبؒ سے ملے۔ آپ نے فرمایا کہ مولانا! اگر تو آپ نے ملتان تشریف لانا ہے تو شوریٰ کا اجلاس ملتان میں ہوگا۔ اگر آپ نے ملتان تشریف نہیں لانا تو اجلاس ہم فیصل آباد میں آپ کے مکان پر رکھیں گے۔ آپ فرمائیں کہ اب کیا کرنا ہے؟ حضرت قبلہؒ کے اتنا فرمانے سے مولانا تاج محمودؒ کی طبیعت کا تکدر زائل ہو گیا۔ انہوں نے مسکرا کر فرمایا کہ حضرت! آپ جب چاہیں ملتان میں اجلاس رکھیں، بندہ سر کے بل حاضر ہوگا۔ یوں حضرت قبلہؒ نے اپنی حکمتِ عملی سے اس مسئلے کو سیکنڈوں میں حل فرمالیا۔

مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ کا جنازہ

حضرت قبلہؒ کے ایک مخلص مرید حضرت مولانا ابراہیم سیالکوٹیؒ تھے۔ یہ اصلاً وہوا، ضلع ڈیرہ غازی خان کے رہائشی تھے۔ حضرت مولانا بشیر احمد پسروریؒ سے عزیز داری تھی۔ یہ سیالکوٹ میں رہے اس لیے سیالکوٹی کہلائے۔ بعد میں برطانیہ تشریف لے گئے۔ مختلف

شہروں میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دیے۔آخری عمر میں یہ برطانیہ کے شہر برمنگھم میں مع اہلِ خانہ قیام پذیر تھے۔ان کا حضرت قبلہؒ سے گہرا تعلق تھا۔حجازِ مقدس اور خانقاہ سراجیہ کئی کئی ہفتے حضرت قبلہؒ کی خدمت میں رہے۔مرنجاں مرنج انسان تھے۔بہت ذہین تھے۔نعمتِ حافظہ خوب پائی تھی۔ بلا مبالغہ سینکڑوں بزرگوں کے علمی اور معلوماتی لطائف ان کو اَزبر تھے۔جس مجلس میں ہوتے ان لطائف سے مجلس کو کشتِ زعفران بناتے۔ یہ بیمار ہوئے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ یا اللہ! میرا جنازہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ پڑھائیں۔ بظاہر یہ مشکل سا لگتا تھا۔مولانا محمد ابراہیم برمنگھم میں علیل تھے اور حضرت قبلہؒ پاکستان میں تھے لیکن قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت قبلہؒ لندن دفتر کے ٹرسٹ کے سلسلے میں لندن تشریف لائے۔ دو ماہ سے زائد آپ کا قیام رہا۔اس دوران مولانا محمد ابراہیمؒ کا وصال ہوا اور حضرت قبلہؒ نے برمنگھم جا کر جنازہ پڑھایا۔یوں مرحوم کی خواہش کو اللہ تعالیٰ نے پورا کر دیا۔

مولانا حسین علیؒ کے صاحبزادے کی گواہی

حضرت مولانا نگین فرماتے ہیں کہ حضرت قبلہؒ سے میں نے خود سنا، حضرت قبلہؒ نے فرمایا کہ ایک بار صبح صبح حضرت مولانا حسین علیؒ واں بھچراں کے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالرحمان خانقاہ سراجیہ تشریف لائے۔ مجھے (حضرت قبلہ کو) ان کے صبح صبح تشریف لانے پر تعجب ہوا۔مولانا عبدالرحمان ملے اور فرمایا کہ آپ (حضرت قبلہؒ) کو مبارک باد دینے آیا ہوں، آپ نے سلسلۂ نقشبندیہ کو زندہ رکھا ہوا ہے۔اور پھر اجازت چاہی اور واپس تشریف لے گئے۔

مولانا فضل الرحمان کی حکمتِ عملی پر اطمینان

صاحبزادہ عزیز احمد فرماتے ہیں کہ حضرت قبلہؒ عمرے پر تشریف لے گئے، میں آپ کے ساتھ تھا۔مواجہ شریف پر حاضری کے بعد واپس ہوئے تو مسجد نبوی ﷺ کی صفِ اوّل میں حضرت قاری محمد طاہرؒ ملتانی ثم مدنی نے آپ کو دیکھ لیا۔سروقد کھڑے ہو گئے۔حضرت

قبلہؒ بھی ان کو دیکھ کر رُک گئے۔ معانقہ و مصافحہ کے بعد حضرت قاری محمد طاہرؒ نے بہت اخلاص کے ساتھ فرمایا کہ ''حضرت! آپ مولانا فضل الرحمان کو سمجھائیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟'' (یہ ایم آر ڈی کا دور تھا) حضرت قبلہؒ نے فرمایا کہ قاری صاحب! آپ پریشان بالکل نہ ہوں البتہ ان کے لیے دعا فرمائیں۔ حضرت! دعا؟ فرمایا، ہاں۔ دعا ہی کے لیے تو کہا ہے۔ قاری صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت! آپ کو اِطمینان ہے؟ فرمایا کہ سو فیصد اطمینان ہے۔ قاری صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت! آپ کی بات سر آنکھوں پر مان لیتا ہوں، لیکن ذمہ داری آپ کی ہوگی۔ حضرت قبلہؒ نے فرمایا کہ سو فیصد میری ذمہ داری ہے۔ (اس دور میں جنرل ضیاء الحق کے متعلق پاکستان اور بالخصوص بیرونی دنیا میں بہت اچھا تاثر تھا کہ وہ اسلام کی خدمت کر رہے ہیں۔ تب ایم آر ڈی میں دینی جماعت کی شمولیت باعثِ تشویش تھی)۔ مولانا فضل الرحمان کی ایم آر ڈی میں شمولیت اور حضرت قبلہؒ کا اس پر اطمینان، آئندہ حالات نے گواہی دی کہ ان حضرات کا یہ فیصلہ درست تھا۔ اس لیے کہ ضیاء مرحوم نے صرف اپنے اقتدار کی طوالت کے لیے اسلام کو استعمال کیا۔ مستقل بنیادوں پر اس کے نفاذ اور موثر بنانے کے اقدامات ہوتے تو آج حالات ہی اور ہوتے۔ مزید یہ کہ قاری محمد طاہرؒ مجدد قرأت حضرت قاری رحیم بخشؒ پانی پتی کے مایہ ناز شاگرد اور داماد اور جامعہ قاسم العلوم ملتان میں شعبہ قرأت کے صدر مدرّس تھے۔ اس زمانے میں مولانا فضل الرحمان کی ابھی تک ڈاڑھی مونچھ بھی نہ آئی تھی۔ آپ سکول میں پڑھتے تھے۔ تب حضرت قاری محمد طاہر صاحبؒ قرآن مجید اور تجوید پڑھتے تھے۔ حضرت قاری محمد طاہرؒ بعد میں مدینہ طیبہ چلے گئے۔ مسجد نبوی ﷺ کے اکثر ائمہ ان کے شاگرد ہیں۔ فنِ قرأت کے امام تھے۔ مدینہ طیبہ ہی میں انتقال ہوا۔ جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ ہمارے حضرت قبلہؒ کا بہت احترام فرمایا کرتے تھے۔

صاحبزادہ محمد عابد صاحبؒ

حضرت حافظ محمد عابد صاحب ہمارے حضرت بابا جیؒ کے محبوب ساتھی اور پیرزادہؒ

تھے۔ حضرت بابا جیؒ فرماتے ہیں کہ حافظ محمد عابد میری لاٹھی ہیں۔ میں ۱۹۸۰ء سے دیکھتا رہا کہ حضرت بابا جیؒ کے سفر حج میں حافظ محمد عابد صاحب شریک ہوتے۔ ۱۹۹۸ء کے حج تک شریک رہے اور ۱۹۹۹ء کے حج کے سفر میں حضرت بابا جیؒ کی ڈائری میں یہ جملہ لکھا ہوا ہے:

"۱۵/اپریل ۱۹۹۹ء آج حافظ محمد عابد صاحب مرحوم ومغفور کی یاد بہت زیادہ آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما دے۔ جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرماوے اور ان کے پسماندگان کو اپنی حفاظت و نصرت سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔"

آپ کی اہلیہ محترمہ آپ کی حیات ہی میں مختلف امراض کا شکار تھیں۔ آپ کی وفات کے بعد تقریباً ۱۲/سال زندہ رہیں اور ۱۲/اکتوبر ۲۰۱۰ء کو ۱۰/دن سے زیادہ شیخ زید ہسپتال میں مصنوعی تنفس پر رہنے کے بعد مالکِ دوجہاں کے دربار میں حاضر ہوگئیں۔ ۱۳/اکتوبر کو خانقاہ شریف کے قبرستان میں مدفون ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔ (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ.)

حافظ محمد عابد صاحبؒ ہمارے حضرت شیخ ثانیؒ مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ کے اکلوتے صاحبزادے تھے۔ حافظ صاحب اپنے آپ کو حضرت بابا جیؒ کا زرخرید غلام اور خادم سمجھتے اور حضرت بابا جیؒ حافظ صاحب کو اپنا مخدوم گردانتے تھے۔ حضرت ثانیؒ کا ایک صاحبزادہ اور ایک ہی صاحبزادی بچپن ہی سے خانقاہ آگئے اور تمام مریدوں کی آنکھ کا تارا بن گئے۔ ایک مرتبہ حضرت سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ خانقاہ تشریف لائے اور صاحبزادہ محمد عابد کو گود میں بٹھا کر پیار سے پوچھا، سنا ہے تم قرآن مجید بہت خوب صورت پڑھتے ہو، کچھ سناؤ نا۔ صاحبزادہ صاحب نے برجستہ جواب دیا، سنا ہے آپ تقریر بہت اچھی کر لیتے ہیں، کچھ تقریر کر کے سناؤ نا۔ آپ حضرت بابا جیؒ کے ساتھ جڑ کر باقی دنیا سے غافل نہیں تھے۔ آپ اپنے رشتہ داروں کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے۔ دوستوں سے دوستی نبھاتے اور اساتذہ کا پورا پورا اکرام کرتے تھے۔ آپ کا حضرت بابا جیؒ کے ساتھ وہی رشتہ تھا جو بلبل کا گُل سے ہے۔ اگر

نہایت احتیاط کے ساتھ یہ مان لیا جائے کہ حضرت باباجیؒ نے آدھی زندگی سفر میں گذاری ہے تو حضرت باباجیؒ کی زندگی کا جو حصہ میرے سامنے گذرا ہے اس کا نصف پندرہ سال بنتے ہیں اور صاحبزادہ محمد عابد صاحبؒ دن رات پندرہ سال تک اس طرح رہے کہ جہاں پھول وہاں خوشبو۔

حضرت باباجیؒ کے ساتھ محبت کا یہ حال تھا کہ غالباً ۱۹۹۲ء والے حج میں عرض کیا کہ دل چاہتا ہے کہ حشر میں آپ کے مریدوں میں میرا شمار ہو۔ میں آپ کے بعد کسی پیر سے بیعت نہیں ہونا چاہتا۔

ے دل پیر دے نظارے کولوں رجدا ای نہیں
سانوں ایہو جیہا پیر کدے لبھدا ای نہیں

ے دیر و حرم میں روشنی شمس و قمر سے ہو تو کیا
مجھے تو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں

مزدلفہ کی رات چند ساتھیوں کو حضرت باباجیؒ نے پھر بیعت فرمایا جن میں حافظ محمد عابد صاحب اور اشفاق اللہ واجد صاحب بھی شامل تھے۔ اسی سال حافظ محمد عابدؒ کے چچازاد بھائی محمد حسن صاحب اور بھابھی بھی شریکِ حج تھے۔ مرحوم محمد حسن صاحب کا مکہ مکرمہ میں انتقال ہوگیا۔ حضرت باباجیؒ کی اجازت سے ان کی تجہیز و تکفین کا بندوبست فرمایا۔ ان کے بعد اُن کے چھوٹے بھائیوں احمد حسن صاحب اور محمد امین صاحب مرحومین کے لیے والد کی طرح سایہ بن کر رہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو، آمین۔

باباجیؒ کے ساتھ صاحبزادہ محمد عابدؒ کے اسفار

برادرم حافظ محمد عابد صاحبؒ نے حضرت باباجیؒ کے ساتھ سفر کے مسلسل پندرہ سال دن رات اس طرح گذارے کہ حضرتؒ کی نجی ضروریات مثلاً مٹی کے ڈھیلے، سرمہ، مسواک، مصلّٰی، چادر، لوٹا، تولیہ، چپل ہر چیز احتیاط سے تھیلے میں رکھتے اور سفری لوازمات مثلاً ٹکٹ، سواری، ساتھی، قیام اور سفر کا سارا انتظام کئی مہینے پیشگی طے کرتے۔ اگر بیرونِ ملک سفر ہوتا

تو شناختی کارڈ، پاسپورٹ، ویزہ، ٹکٹ، تحفظِ نشست کا بروقت انتظام فرماتے۔ جس شہر میں جانا ہوتا وہاں کے ساتھیوں کو چوکس کر دیتے تھے۔ ان کو حلال حرام کی ہدایات جاری کرتے کہ کہیں مشکوک کھانا حضرتؒ کو پیش نہ کیا جائے۔ احباب کو باباجیؒ کے قریب کرتے، اس کی سعی کرتے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ حضرت باباجیؒ کی تشریف آوری سے مستفید ہوں۔

خود میرے ساتھ حضرت صاحبزادہ صاحب نے یہ کرم فرمایا کہ آئندہ اسلام آباد میں حضرت باباجیؒ کا قیام آپ کے گھر ہوگا اس لیے چند دن مجھے سفر میں اپنے ساتھ رکھا کہ حضرتؒ کے معمولات اور مزاج مبارک کا مجھے اچھی طرح علم ہو جائے۔ پھر حضرت حافظ صاحبؒ کے طفیل اور عنایت سے قبلہ حضرت صاحبؒ کی تشریف آوری اسلام آباد یا مضافات میں ہوتی تو قیام میرے غریب خانہ پر ہوتا۔

جب حضرت باباجیؒ سرہند شریف جاتے تو قافلہ کے رہبر حافظ محمد عابد صاحبؒ ہوتے۔ انڈیا کے باقی مقامات یا دیوبند کے صد سالہ جشن، امریکہ، برطانیہ، کویت، امارات، اور افریقہ تشریف لے جاتے تو رہبر لالہ محمد عابدؒ ہوتے۔ یوں بلبل گُل کے ساتھ ساتھ رہا۔ دارالعلوم دیوبند سے دستار فضیلت عنایت ہوئیں تو سب حافظ محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تصرف میں تھیں۔ ان میں سے تین دستاریں تو حافظ صاحب نے مجھے بھی عنایت فرمائیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

جب حضرت باباجیؒ عمرہ یا حج کے سفر کا عزم فرماتے تو برادرم عابد کو گویا پَر لگ جاتے۔ شناختی کارڈ تیار رکھتے، اگر ضرورت ہوتی تو پاسپورٹ کی تجدید بروقت کروا لیتے۔ ویزے میں کسر نہ چھوڑتے، کسی کی منت سماجت کرنی پڑتی تو کرتے تاکہ میرے شیخ حج سے رہ نہ جائیں۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ دوبارہ حج کرنے پر پابندی تھی۔ دونوں کو اِجازت نہیں ملی۔ پھر دوڑ دھوپ کی تو صرف حضرت باباجیؒ کو اجازت ملی۔ حضرت باباجیؒ نے فرمایا، محمد عابد میری لاٹھی ہے اگر اسے اجازت نہیں ملی تو میں بھی حج پر نہیں جاؤں گا۔ بالآخر اللہ کا خاص الخاص کرم ہوا اور لالہ عابدؒ کا ویزہ بھی لگ گیا، تب حضرت باباجیؒ حج پر تشریف لے

گئے۔ پاکستان سے لے کر سعودی عرب، پھر وہاں سے واپسی تک، نیز ناشتہ سے رات کے کھانے تک، غسل اور کپڑوں کی صفائی اور جوتوں کی تیاری، الغرض ہر ہر چیز بروقت تیار رکھتے۔

آپ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے رکن بھی تھے۔ ملتان مرکزی دفتر میں آپ کا علیحدہ کمرا تھا، جس میں علیحدہ ذاتی ٹیلیفون لگوایا تھا تاکہ جماعت پر بوجھ نہ بنے۔ آخری سالوں میں ہیپاٹائٹس کے مریض ہوگئے تھے۔ لاہور اور ملتان میں زیرِ علاج رہے، بالآخر ۲ رفروری ۱۹۹۹ء کو جان جانِ آفرین کے سپرد کی۔ آپ کی اولاد میں ایک صاحبزادہ رضوان عابد سلمہٗ اور ایک صاحبزادی سلمہا نے زندگی کی تیسری دہائی شروع کی ہے۔ اللہ کی شان کہ صاحبزادہ محمد عابدؒ کی قبر مبارک ہمارے حضرت باباجیؒ اور حضرت ثانیؒ دونوں حضرات کے پاؤں کے درمیان ہے جس طرح زندگی دونوں شخصیات کی نگاہ میں تھی۔

رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ رَحْمَةً وَّاسِعَة. اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ.

[حاجی محمد یعقوب]

حاجی عبدالرشید صاحب مدظلہ العالی

حضرت قبلہ باباجیؒ کے خلفائے عظام میں ہمارے مخدوم و مکرم حاجی عبدالرشید صاحب مدظلہ العالی کا ممتاز مقام ہے۔ جن کو ہم بچپن سے بابو عبدالرشید کے نام سے پہچانتے ہیں قبرستان کی شمالی سمت مدرسے سے پڑھ کر لوٹتے تو ان کو تسبیح خانے کے سامنے تلاوت میں مشغول پاتے۔ ان کے معمولات کا دائرہ کار بہت وسیع تھا۔ آپ اُن خوش نصیب حضرات میں سے ہیں جو بانی خانقاہ سراجیہ مولانا ابوالسعد احمد خان صاحبؒ کی زیارت وصحبت سے مستفید ہوئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں ان دنوں نوجوان بلکہ لڑکا تھا۔ میں حضرتِ اعلیٰؒ کو باقاعدگی سے اخبار پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔ آپؒ میرے اخبار سنانے کے انداز سے خوشی کا اظہار فرماتے تھے۔ آپؒ کے وصال کے بعد میں نے حضرتِ ثانیؒ کا پورا دور پایا اور ان سے سلوک کی منازل طے کیں۔ ان کے وصال کے بعد حضرت قبلہ خواجہ خان

محمد صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کا پورا عہد پایا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِکَ.

بابو عبدالرشید صاحب کو خانقاہ سراجیہ اور حضرت بابا جیؒ سے والہانہ عشق ہے۔ حضرت بابا جیؒ جب حج کے لیے تشریف لے جاتے تو خانقاہ سراجیہ کا انتظام اور خبر گیری ان کے ذمے ہوتی۔ وہ ایک ہفتہ قبل رحیم یار خان سے خانقاہ تشریف لے آتے، آپ کا قیام تسبیح خانے سے متصل مہمان خانے میں ہوتا۔ نمازِ فجر کے بعد ختمِ خواجگان اور مراقبے کا معمول پورا کرانے کے بعد بابو عبدالرشید صاحب اشراق اور چاشت کے نفل ادا کرتے، پھر مہمان خانے میں تشریف لے آتے، ناشتے کے بعد تھوڑی دیر آرام فرماتے پھر برآمدے میں چارپائی بچھا کر حضرت قبلہ کے نام آنے والی ڈاک کا بغور مطالعہ فرماتے۔ ہر مکتوب کا جواب اپنے شیخؒ کے انداز میں رقم فرماتے، جوابی لفافہ میں بند کر کے ڈاک کے حوالے کرتے۔ حضرت بابا جیؒ کے دور میں تعویذات روشنائی سے خوش خط اور با وضو لکھے جاتے۔ ظہر عصر کے درمیان یا جو بھی ان کو وقت ملتا اُس میں انہاک، دل جمعی اور لگن سے تعویذات رقم فرماتے۔ ان کی کوشش ہوتی کہ تعویذ دیتے ہوئے بھی با وضو ہوں۔ خانقاہ میں قیام کے دوران حضرات کے مزارات پر طویل مراقبہ اور کافی دیر تک تلاوتِ قرآنِ پاک ان کا معمول رہا۔ حضرت بابا جیؒ کی عدم موجودگی میں خانقاہ کے متوسلین، متعلقین اور زائرین کے ساتھ آپ کا حسنِ سلوک قابلِ دید ہوتا۔ آپ آغوشِ محبت کھولے انہیں خوش آمدید کہتے۔ بابا جیؒ کی موجودگی میں زائرین کو حضرت سے جوڑنے اور حسبِ حیثیت حضرت سے ان کا تعارف کرانے میں ملکہ رکھتے تھے۔ ان کی مجلس علمی اور متصوفانہ گفتگو سے معمور ہوتی۔ آپ کو اکابرینِ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی تاریخ ازبر تھی۔ قرآنِ پاک اور ''مکتوبات شریف'' سے گہرا شغف تھا۔

حضرت بابا جیؒ جب حج سے واپس تشریف لاتے تو ان کا والہانہ استقبال کرتے، خوشی ان کے چہرے سے جھلک رہی ہوتی۔ جب دیکھتے کہ حضرت بابا جیؒ کی تھکن اتر گئی ہے تو رحیم یار خان جانے کی اجازت طلب کرتے۔ بابو عبدالرشید صاحب اُن معدودے

چند مخلصین میں سے ہیں جنھوں نے اپنی عمر ہماری خانقاہ کے لیے وقف کر دی۔ حضرت بابا جی کے دور میں آپ رمضان المبارک سے پانچ سات روز قبل تشریف لے آتے۔ ہمیشہ صفِ اوّل میں اپنے شیخ کے ساتھ تراویح میں شامل ہوتے۔ عصر سے مغرب تک مزارات پر حاضری کا معمول تھا، پھر حضرت بابا جیؒ کے ساتھ حجرہ مبارک میں روزہ افطار فرماتے۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ رمضان المبارک یا بابا جیؒ کے کسی طویل بیرونی سفر کے دوران آپ خانقاہ شریف تشریف نہ لائے ہوں۔

مسجد کے تقدس اور احترام کے لیے ان کو ہمہ وقت چوکس پایا۔ تراویح اور مراقبے کے دوران مسجد میں سونے یا آرام کرنے والوں کو سختی سے منع فرماتے۔ اسی طرح مسجد میں دنیاوی باتیں کرنے کو بھی ناپسند فرماتے۔ آپ فرماتے کہ مسجدیں صرف اللہ کی عبادت اور ذکر کے لیے بنی ہیں۔ آپ کا یہ معمول حضرت قبلہ بابا جیؒ کے وصال کے بعد بھی جاری ہے۔ ضعیف العمری کی وجہ سے جبکہ قویٰ کمزور ہو چکے ہیں آپ نسبتوں کے احترام میں ہر سال تشریف لاتے ہیں اور برادرم خلیل احمد مدظلہ العالی کے ساتھ بھی محبت اور شفقت کا وہی معمول ہے جو اکابرینِ ثلاثہ کے ساتھ رہا۔

بآں گروہ کہ از ساغرِ وفا مست اند
سلام ما برسانید ہر کجا ہست اند

متعلقین

بستی باگڑ سرگانہ (خانقاہ سراجیہ ثانی)

باگڑ سرگانہ وہ عظیم بستی ہے جہاں حضرتِ اعلیٰؒ کے تین ممتاز خلفاء آرام فرما ہیں؛ حضرت میاں اللہ دتہ صاحب سرگانہؒ، حضرت میاں فقیر سلطان سرگانہؒ، حضرت میاں جان محمد سرگانہؒ۔ باگڑ کو حضرتِ اعلیٰؒ اپنا گھر قرار دیتے تھے۔

باگڑ سرگانہ کی خوبی

بستی باگڑ سرگانہ کی یہ خوبی ہے کہ ایک صدی ہونے کو آئی ہے یہاں کے متوسلین، مریدین، مردوں عورتوں نے خانقاہ سراجیہ کے لنگر کی بے پناہ خدمت کی ہے۔ وہ تن من دھن سے خانقاہ سراجیہ کے ساتھ عشق کرتے ہیں۔ باگڑ میں پہچان کے لیے مختلف قبائل کے نام اب ہمیں بھی ازبر ہوگئے ہیں؛ میاں احمد کا خاندان، میاں اسماعیل کا خاندان، میاں عظیم کا خاندان، میاں اعظم کا خاندان، میاں پہلوان اور میاں ہدایت کا خاندان۔

مولانا سیّد عبداللہ شاہ صاحبؒ

بانیِ خانقاہ سراجیہ مولانا ابوالسعد احمد خانؒ کے خلفاء میں مولانا سیّد عبداللہ شاہ صاحبؒ کا نام اور مقام ممتاز ہے۔ آپ احمد پور سیال، ضلع جھنگ کے رہنے والے تھے۔ آپؒ کی پہلی بیعت حضرت خواجہ سراج الدینؒ سے تھی، پھر حضرت خواجہ سراج الدینؒ نے آپ کو اعلیٰ حضرتؒ کی خدمت میں تربیت کے لیے بھیج دیا۔ آپؒ نہایت قوی الاستعداد اور پاکیزہ فطرت تھے۔ خلافت سے نوازے گئے اور بہت باکمال ہوئے۔ آپؒ چالیس سال کی عمر میں مولانا ابوالسعد احمد خانؒ کی زندگی میں ہی فوت ہوگئے۔ اعلیٰ حضرتؒ کو آپؒ کی وفات کا بے پناہ غم تھا، اور یہ غم اُس وقت تک دُور نہ ہوا جب تک اعلیٰ حضرتؒ کی منشاء مبارکہ کے

مطابق مولانا عبداللہ (حضرت ثانی رحمہ اللہ) کی تکمیل سلوک نہ ہوگئی۔

بقول میاں نذر محمد سرگانہ مرحوم کے فرزند محترم میاں محمد حسین سرگانہ صاحب، ''مولانا سیّدعبداللہ شاہ صاحبؒ کے وصال پر اعلیٰ حضرت صاحبؒ اکثر فرماتے کہ میری تیار کھیتی اجڑ گئی۔ اور جب سیّد عبداللہ شاہ صاحبؒ کو مسند خلافت پر فائز کیا گیا تو موضع کھولہ سے احمد پور سیال واپسی کے سفر میں آپؒ کے ہاتھ پر قریباً سات سو افراد نے بیعت کی۔''

حضرت میاں اللہ دتہ صاحبؒ سرگانہ

اہلِ بستی کے دلوں میں خدا طلبی کا بیج میاں اللہ دتہ سرگانہؒ نے بویا۔ اہلِ باگڑ کی خانقاہ شریف سے وارفتگی کی حد تک وابستگی کا سہرا اُنہی کے سر بجتا ہے۔ موصوف پاک سیرت اور خوش اطوار تھے۔ حضرتِ اعلیٰ سے بیعت ہو کر تحصیلِ سلوک میں جُت گئے۔ نہ صرف کمالاتِ روحانی حاصل کیے، بلکہ حضرتِ اعلیٰ سے مجازِ طریقت بھی ہوئے۔ حضرت میاں اللہ دتہ صاحبؒ کو خانقاہ سراجیہ سے عشق تھا۔

مہر خان محمد سرگانہ صاحب راوی ہیں کہ ۱۹۱۸ء کی آس پاس کی بات ہے کہ بستی باگڑ سرگانہ کے ایک نوجوان میاں اللہ دتہ سرگانہ کا قلبی اور روحانی تعلق احمد پور سیال کے بزرگ مولانا سیّدعبداللہ شاہ صاحبؒ سے قائم ہوا۔ وہ اپنی روح کی پیاس کے لیے احمد پور سیال ان کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔ ان کے سینے میں ایک آگ تھی۔ وہ ہمیشہ پا بہ رکاب رہتے کہ زمین کا وہ کون سا ٹکڑا ہے جہاں اللہ نے میرے قلب کا سکون پوشیدہ رکھا ہے کہ میں وہاں پہنچ کے اسے پا سکوں۔ ایک دن انہوں نے مولانا سیّد عبداللہ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں اپنے دل کی کیفیت کو کھول کے ادب سے بیان کیا۔

''حضرت! دل کا چین کہاں سے ملے گا؟'' میاں اللہ دتہ سرگانہ، مولانا سیّد عبداللہ شاہ صاحبؒ کے سامنے دوزانو بیٹھے تھے۔

''کندیاں شریف سے جنوب کی جانب ایک موضع ہے کھولہ، تم وہاں مولانا احمد خان کے پاس چلے جاؤ، وہ اپنے وقت کے قطب ہیں۔''

میاں اللہ دتہ جب مولانا سیّد عبداللہ شاہ صاحبؒ کی محفل سے واپس اپنی بستی پہنچے تو اُن پر ایک ہی دھن سوار تھی کہ کسی طرح مولانا احمد خانؒ کے قدموں میں پہنچوں۔ آپ نے کچھ اور نوجوانوں کو ساتھ لیا اور ملتان ریلوے اسٹیشن سے کندیاں کی ٹکٹ لی۔ سفر کے دوران وہ مسافروں سے بات چیت کرتے رہے۔

کھولہ کا سفر اور روشنی

ایک مسافر نے ان کی رہنمائی کی کہ آپ کندیاں سے پہلے علو والی ریلوے اسٹیشن پر اُتر جائیں، وہاں سے پیدل کھولہ جانا ہوگا۔ یہ وہ عہد تھا جب ابھی اعلیٰ حضرت مولانا ابوالسعد احمد خانؒ نے خانقاہ کی بنیاد نہیں رکھی تھی اور موضع بکھڑا دریا بُرد ہونے کے بعد آپ کا قیام کھولہ میں تھا۔ یہ قافلہ شام کے وقت علو والی اُترا۔ وہاں سے راستہ معلوم کیا اور چل نکلے۔

اندھیرا تھا۔ پگڈنڈیاں اور راستے تاریکی میں ڈوب چکے تھے۔ اچانک ایک روشنی نمودار ہوئی اور اُن کے سامنے چلنے لگی۔ انہوں نے اس روشنی کو اللہ کا انعام جانا اور سفر طے کرنے لگے۔ روشنی جدھر کو مڑتی وہ اُسی راستے پر ہو لیتے۔ اچانک جس طرح روشنی نمودار ہوئی تھی اُسی طرح غائب ہوگئی۔ میاں اللہ دتہ نے کہا، ''اللہ نے ہمیں گوہرِ مقصود تک پہنچا دیا ہے۔''

میاں اللہ دتہ سرگانہؒ ایک طویل عرصہ اعلیٰ حضرتؒ کی خدمت میں رہے۔ آپ کی محنت رنگ لائی اور ایک دن اعلیٰ حضرتؒ نے آپ کو سلوک کی تمام منازل طے کرانے کے بعد خلافت عطا کی اور سلسلہ نقشبندیہ کی ترویج کی اجازت مرحمت فرمائی۔

باگڑ کی جامع مسجد کی بنیاد

عشاق کو اپنے شیخ اور اس مٹی سے بھی عشق ہوتا ہے جہاں وہ پاؤں دھرتا ہے۔ باگڑ سرگانہ کے عشاق نے بھی اپنے شیخؒ کے نہ صرف عمل کو ترویج دی بلکہ بستی میں مسجد کی بنیاد رکھی جس کا نقشہ ہو بہو خانقاہ سراجیہ کی مسجد کا عکس ہے۔ ۱۹۳۸ء میں باگڑ سرگانہ کی مسجد کی بنیاد

بانی خانقاہ سراجیہ مولانا ابو السعد احمد خان صاحبؒ نے اپنے دستِ مبارک سے رکھنی تھی، لیکن علالت کی وجہ سے آپؒ باگڑ سرگانہ نہ پہنچ سکے اور اپنی جگہ مولانا عبد اللہ صاحبؒ (حضرت ثانیؒ) کو بھیجا جنہوں نے اپنے دستِ مبارک سے جامع مسجد باگڑ کی بنیاد رکھی جو آج بھی عشاق کے سجدوں سے آباد ہے۔

حضرت میاں فقیر سلطان سرگانہؒ

آپ حضرتِ اعلیٰؒ کے مخلص مرید تھے۔ ہمیشہ کسبِ سلوک اور ذکر وفکر میں مشغول رہتے۔ حضرتِ اعلیٰ سے اجازتِ طریقت کی نعمتِ غیر مترقبہ نصیب ہوئی۔ زندگی بھر استقامت کی راہ پر گامزن رہے۔

فرمایا، حضرتِ اعلیٰؒ فجر کی نماز با جماعت غلس (اندھیرے) میں ہی ادا فرما لیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت کے ساتھ نماز کے لیے کھڑا ہوا، نماز میں کھڑے کھڑے پٹاخ سے نیچے جا گرا۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت نے پوچھا، یہ کون تھا؟ لوگوں نے عرض کیا، خان محمد صاحب تھے۔ حضرتِ اعلیٰ نے فرمایا، میں سمجھا کہ یہ فقیر سلطان ہے۔ (شاید حضرتِ اعلیٰ نے فقیر سلطان سمجھ کر توجہ فرمائی ہو گی جس کی تاب نہ لاتے ہوئے حضرت گر گئے)۔ اسی طرح کا واقعہ کسی اور صاحب کے ساتھ بھی پیش آیا تھا۔ [حاجی محمد یعقوب]

بابا جیؒ کا باگڑ میں قیام

باگڑ کے بزرگوں کا کہنا ہے کہ حضرتِ اعلیٰؒ، حضرت ثانیؒ اور بابا جی قبلہؒ جب بھی بستی باگڑ تشریف لے جاتے تو میاں اللہ دتہ سرگانہؒ اور میاں فقیر سلطانؒ کے گھر ان کا قیام ہوتا۔ ایک دفعہ میاں خان محمد سرگانہ صاحب (فرزند میاں جان محمد سرگانہؒ) نے بابا جیؒ کی خدمت میں درخواست کی کہ ناچیز کی خواہش ہے کہ آپ میرے غریب خانے کو رونق بخشا کریں۔ اس کے بعد بابا جیؒ میاں خان محمد سرگانہ صاحب کے گھر قیام فرماتے اور متعلقین، مریدین آپ کی زیارت اور کسبِ فیض کے لیے وہیں پر آ جاتے۔

میاں محمد حسین سرگانہ اور بابا جیؒ کی ثالثی

میاں محمد حسین سرگانہ صاحب کے بھائی میاں حسن سرگانہ کو ایک دفعہ اپنے بڑے بھائی سے کچھ جائداد کے حوالے سے شکایات تھیں۔ وہ اپنی عرض لے کر خانقاہ بابا جی قبلہؒ کی خدمت میں آئے اور ایک مفصل خط پیش کیا۔ جس میں خواہش ظاہر کی کہ بھائی محمد حسین سرگانہ مجھے ایک بیگہ نہری زمین اور تین لاکھ روپیہ دے۔

بابا جیؒ نے باگڑ پیغام بھجوا کر چچا میاں حسین سرگانہ صاحب کو بلایا، اور فرمایا کہ میاں حسین! بھائی کو تین لاکھ روپیہ ادا کر دو، اور ایک بیگہ زمین اس کے نام چڑھا دو۔ چچا حسین نے کہا کہ آپ جو حکم فرمائیں سر آنکھوں پر۔ مغرب کی نماز کے بعد چچا حسین میرے گھر کھانا کھا رہے تھے۔ اس دوران برادرم عزیز احمد تشریف لائے۔ باتوں کے دوران برادرم عزیز احمد نے کہا کہ میاں صاحب اصولی، قانونی اور شرعی طور پر تو آپ پر اپنے بھائی محمد حسن کو ایک روپیہ دینا واجب نہیں اور آپ نے چپ چاپ تین لاکھ روپے اور ایک بیگہ زمین کی ہامی بھر لی، کیا ہم بابا جیؒ سے فیصلے پر نظر ثانی کے لیے کہیں؟ چچا حسین نے کہا کہ مجھے اپنے شیخ کا فیصلہ من وعن قبول ہے۔ میں باگڑ پہنچتے ہی نقد ادائیگی کر دوں گا اور زمین بھی ان کے نام کر دوں گا۔

بہت سال بعد کی بات ہے، میں ایک دن چچا حسین کے گھر بیٹھا اُن سے باتیں کر رہا تھا کہ مجھے ماضی کا قصہ یاد آ گیا۔ میرے استفسار پر انہوں نے کہا کہ اپنے شیخ کا فیصلہ مان لینے کے بعد مجھ پر میرے اللہ نے بے حساب رزق کی بارش کر دی۔ اس نے مجھے اتنا زیادہ عطا کیا، کیا زمین، کیا دولت، جو میری سوچ سے بھی زیادہ ہے اور میں اب بھی یہ سمجھتا ہوں کہ میری زندگی اور میرے رزق کی برکت بابا جیؒ کی دعاؤں کا ثمر ہے۔

میاں مقبول احمد سرگانہ، میاں عبدالقادر سرگانہ

میاں مقبول سرگانہ مرحوم اور میاں عبدالقادر سرگانہ صاحب کا شمار ''میاں اسماعیل خاندان'' میں ہوتا ہے۔ بابا جیؒ کے ساتھ آپ کی محبت اور عقیدت عشق کی حدوں کو چھوتی

ہے۔ میاں عبد القادر سرگانہ صاحب اپنی سروس کے دوران ہمیشہ اپنے معاملات میں باباجیؒ سے مشورہ کرتے اور رہنمائی لیتے اور اپنی ہر کامیابی کو باباجیؒ کی دعاؤں کا ثمر سمجھتے۔ آپ سرکاری نوکری کے دوران جہاں رہے باباجیؒ کی آپ پر خصوصی نوازشات رہیں۔ میاں عبدالقادر سرگانہ نے اپنے کیریر کا آغاز پاکستان ائرفورس میں فلائٹ آفیسر کے عہدے سے کیا۔ جب آپ کی ٹریننگ مکمل ہوگئی تو آپ نے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ سامان بردار جہاز C-130 کا چارج سنبھالیں یا جنگی جہاز کو ترجیح دیں۔آپ کی والدہ کا اصرار تھا کہ جنگی جہاز کے پائلٹ ہونے پر جنگ چھڑگئی تو عبدالقادر کی زندگی خطرے میں ہوگی۔ اسے دشمن ملک پر حملے کے لیے بھی جانا ہوگا۔ اس لیے سامان بردار جہاز کا پائلٹ ہونا مناسب ہے۔ گھر میں یہی موضوع زیر بحث تھا کہ میاں عبد القادر صاحب کے والد محترم میاں دوست محمد سرگانہ صاحب نے کہا کہ بہتر ہے خانقاہ پاک جا کر حضرت باباجیؒ سے مشورہ کرلیں۔ چنانچہ باباجیؒ سے مشورہ کیا گیا۔ آپؒ نے فرمایا کہ زندگی موت اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔تم نے جنگی جہاز کی ڈیوٹی سنبھالنی ہے۔ باباجیؒ کے فرمانے کے بعد میاں صاحب کی والدہ کا دل مطمئن ہوگیا۔

میاں عبد القادر سرگانہ صاحب اپنی سروسز میں جہاں رہے، (ملتان، شورکوٹ، راولپنڈی، سرگودھا، ابوظہبی) انہوں نے جب بھی باباجیؒ کو مدعو کیا، آپؒ نے کمال شفقت فرمائی اور ان کے گھر قیام کیا۔ ایک بار عمرہ سے واپسی کے دوران آپؒ نے ابوظہبی ان کے گھر تین دن قیام فرمایا۔

ایک بار میاں عبد القادر صاحب کو شدید سر درد ہوگیا اور وہ بے ہوش ہو گئے۔ جب انہیں CMH راولپنڈی لے جایا گیا تو ڈاکٹرز نے Migrain بتایا۔علاج شروع ہوگیا اور ڈاکٹرز کے ان فٹ کرنے کی وجہ سے ائرفورس انتظامیہ نے آپ کو تین سال کے لیے گراؤنڈ کر دیا کہ آپ فلائی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ دوران پرواز اگر تکلیف ہوگئی تو جان جانے کا خطرہ ہے۔ ہر چھ ماہ بعد طبی معائنہ ہوتا رہا۔نظر یہی آ رہا تھا کہ اب فلائٹ ممکن نہیں ہے۔ تین سال

مکمل ہونے کو تھے کہ ایک دن بابا جیؒ کی موجودگی میں برادرم عابد صاحبؒ نے کہا کہ حضرت! میاں عبدالقادر نے لمبی تکلیف کاٹی ہے، آپ توجہ فرمائیں۔ بابا جیؒ مسکرا دیے۔

اگلے چند دنوں میں انتظامیہ نے میاں عبدالقادر کو فلائٹ کی اجازت دے دی۔ اور ان کے ساتھی اس بات پر حیران تھے کہ یہ ایرفورس کی تاریخ کا انوکھا اور منفرد واقعہ تھا۔ ایک پائلٹ کو Migrain attack کے بعد دوبارہ جہاز اُڑانے کی اجازت مل گئی۔ بابا جیؒ نے میاں صاحب کو اپنی ایک ٹوپی عنایت کی تھی کہ اسے ہمیشہ ساتھ رکھنا ہے اور تاکید کی کہ جب بھی جہاز ٹیک آف کرے، تین بار اللہ اکبر پڑھنے کے بعد چوتھا کلمہ پڑھنا ہے۔ میاں عبدالقادر صاحب کا نکاح بابا جیؒ نے ۶ / مارچ ۱۹۷۶ء کو عبداللہ ہاؤس ملتان میں پڑھایا۔

میاں عبدالقادر صاحب کے بڑے بھائی میاں مقبول صاحب جب تک حیات رہے آپ سال میں متعدد بار خانقاہ پاک اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اور رمضان میں میاں مقبول مرحوم کا معمول تھا کہ ایک عشرہ خانقاہ گزارتے، قرآن کریم تراویح میں مکمل سنتے اور دسویں روزے کو دعا کے بعد تشریف لے جاتے۔ میاں مقبول صاحب کے انتقال کے بعد آپ کے بیٹے نوید مقبول سرگانہ (مرحوم) بہت باقاعدگی کے ساتھ بابا جی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور اب اُن کی اولاد بھی خانقاہ سراجیہ سے فیض یاب ہو رہی ہے۔

ایک دفعہ میاں مقبول صاحب کو ڈیرہ اسماعیل خان کسی فیکٹری میں ملازمت کے لیے انٹرویو دینے کے لیے جانا تھا۔ بھکر تک انہوں نے ٹرین میں سفر کیا۔ دوران سفر انہیں نیند آ گئی۔ خواب میں انہیں بابا جیؒ کی زیارت ہوئی۔ آپؒ نے فرمایا کہ میاں مقبول تمہاری ملازمت ہو گئی اور تمہاری تنخواہ ۲۶۳ / روپے ہے۔ آنکھ کھلی تو حیران۔ تنخواہ کی مالیت ۲۶۳ ذہن میں پیوست ہو گئی۔ ڈیرہ اسماعیل خان پہنچے۔ انٹرویو ہوا۔ جب فائنل رزلٹ سامنے آیا تو انہیں بتایا گیا کہ آپ کو سلیکٹ کر لیا گیا ہے اور آپ کی تنخواہ ۲۶۳ / روپے ہے۔

میاں محمد عمران سرگانہ

جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا کہ میاں عبدالقادر سرگانہ صاحب کا ساری زندگی معمول رہا کہ آپ نے ہر کام میں اپنے شیخؒ سے مشورہ کیا۔ اور انہوں نے اپنے بچوں کی تربیت انہی خطوط پر کی۔ ان کا بڑا بیٹا عمران سرگانہ باقاعدگی سے باباجیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ اور آپؒ کے وصال کے بعد بھی برادرم خلیل احمد کے مسندنشین ہونے پر ان کی خدمت میں دعا کے لیے آنا اپنی سعادت سمجھتا ہے۔ بہت ملیح، سادہ، پرخلوص اور ہنس مکھ انسان ہے۔

میں نے ایک ملاقات میں پوچھا کہ عمران! آپ کے ہاں باباجیؒ کا متعدد بار جانا ہوا۔ کوئی بات، کوئی یاد جو آپ کے ذہن میں ہو؟ اس نے کہا کہ والد صاحبؒ ملازمت کے سلسلے میں جہاں رہے، یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ باباجیؒ نے ہر دفعہ خصوصی شفقت فرمائی اور ہمارے ہاں قیام فرمایا۔ ایک دفعہ آپؒ سرگودھا تشریف لائے۔ رات جب آپؒ کے آرام کا وقت ہوا، میں اس وقت آپؒ کی خدمت میں تھا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! جب ہم بزرگوں کے مزارات پر فاتحہ پڑھنے جاتے ہیں تو وہاں ان کے وسیلے سے کیا دعا کرنی چاہیے؟ آپؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے گھر کا سکون، خاندان کے باہمی رشتوں میں محبت اور دنیا و آخرت کی عافیت مانگنی چاہیے۔

شیخ کا فیض

عمران کا کہنا تھا کہ خانقاہ سراجیہ حاضری کے دوران میں نے باباجیؒ سے عرض کیا کہ جب ایک سالک مرید اپنے شیخ کی صحبت میں بیٹھا ہو تو اس کو دل پر کس طرح نظر رکھنی چاہیے؟ آپؒ نے فرمایا، "مرید کو اپنا قلب شیخ کی طرف یوں ملتفت رکھنا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشائخِ عظامؒ کا جو فیض میرے شیخؒ کے دل پر اُتر رہا ہے، وہی فیض میرے دل میں شیخ کے ذریعے پہنچ رہا ہے۔"

روضۂ اطہر پر سلام کا طریقہ

عمران سرگانہ نے ایک اور اہم بات بتائی، جس سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ مدینہ شریف ختم الرسل ﷺ کے روضہ اطہر پر ادب کی کیا کیفیت ہونی چاہیے۔ عمران نے بابا جیؒ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر دعا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ بابا جیؒ نے فرمایا کہ سب سے پہلے سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام پیش کرے۔ اس کے بعد سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام پیش کرنے کے بعد ہر دو خلفاءِ نبی ﷺ کی خدمت میں عرض کرے کہ میں اس قابل نہیں کہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں لب کشائی کر سکوں، آپ رضی اللہ عنہم میری گزارشات حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کر دیں۔

اللہ کریم ہمیں حضور اکرم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں باادب، مقبول حاضری کا بار بار شرف عطا فرمائے۔ آمین!

لنگر کے خدمت گزار

باگڑ سرگانہ کی دو بزرگ خواتین، اماں دولت بی بی اور اماں زینب بی بی نے نہ صرف خانقاہ سراجیہ، بابا جیؒ اور لنگر کی بے لوث خدمت کی بلکہ دونوں خواتین تہجد گزار اور بابا جیؒ سے سلوک طے کر چکی تھیں۔ دونوں کا تعلق ''میاں عظیم کی شاخ'' سے ہے۔ جب تک زندہ رہیں، رمضان خانقاہ شریف گزارتی تھیں۔ درویشوں کا کھانا باوضو پکاتی تھیں۔ سالن میں چمچہ ہلاتے ہوئے ان کی زبانیں اللہ کے ذکر سے تر رہتی تھیں۔ آٹا گوندھتے ہوئے، کھانا تقسیم کرتے ہوئے وہ بسم اللہ، الحمدللہ کا وِرد رکھتی تھیں۔ کام سے فارغ ہو کر نوافل اور مراقبے میں مشغول رہتی تھیں۔ ۲۸ رشعبان کو جب وہ شام کی ٹرین سے اترتیں تو اماں زینب کا بیٹا محمد سعید سرگانہ اور اماں دولت بی بی کے بیٹے حافظ عبدالرحیم اور عبدالرحمٰن بھی ساتھ ہوتے۔ ان کے سروں پر بڑی بڑی بھاری گٹھڑیاں ہوتیں، جن میں لنگر کے درویشوں کے لیے دیسی گھی، پسا ہوا دھنیا، مرچیں، ہلدی، دالیں اور گُڑ ہوتا۔ بچپن میں ہم نے میاں سعید سرگانہ کو چھینی ہتھوڑوں سے لنگر کے لیے لکڑیاں چیرتے، کندیاں سے سودا سلف لاتے اور

درویشوں کی خدمت میں ہمہ تن مصروف دیکھا ہے۔ اماں دولتؒ اور اماں زینبؒ نے ہمیں بہت پیار دیا۔ ہر دو خواتین کی نشست و برخواست، معاملات اور عبادات کا معمول دیکھ کر لگتا تھا کہ رابعہ بصریہؒ آپ کی طرح شفیق، مہربان اور عبادت گزار ہوں گی۔ ہر دو بزرگ خواتین کی زندگی میں اور وصال کے بعد بھی ان کے پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں، بھتیجے بھتیجیاں اور بھانجے بھانجیاں سب باباجیؒ کے عہد میں بلا ناغہ رمضان خانقاہ شریف گزارتے اور لنگر کی خدمت کرتے رہے ہیں۔ چند سالوں سے اس خاندان کی بزرگ خاتون اماں گلزار اور اماں زینبؒ کی بیٹی خالہ صفوراں باقاعدگی سے رمضان خانقاہ شریف گزارتی ہیں اور اپنی موجودگی میں سحری افطاری کی ساری ذمہ داری نبھاتی ہیں۔

حضرت میاں جان محمد سرگانہ صاحبؒ

باگڑ کے مکینوں میں ایک سعید روح حضرت میاں جان محمد سرگانہ صاحبؒ کی بھی ہے۔ وہ ایک متمول، زمین دار گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ طلب و شوق کشاں کشاں حضرتِ اعلیٰؒ کی صحبت میں لے آیا۔ حضرتِ اعلیٰؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ تیرہ برس کامل توجہ اور بلند ہمتی کے ساتھ صحبتِ شیخ میں رہ کر سلوک کی منازل طے کیں۔ حضرتِ اعلیٰ کی شفقتوں اور نگرانی کے حصار میں رہے۔ بالآخر طریقۂ نقشبندیہ میں مجاز ہوئے۔ حضرتِ اعلیٰؒ کے وصال کے بعد حضرتِ ثانیؒ کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔ کمالِ نیاز مندی سے تجدیدِ سلوک کی اور چاروں سلاسل میں مجاز ہوئے۔ اللہ کی شان! حضرتِ ثانیؒ کے وصال کے بعد، یہ کہہ کر حضرت باباجیؒ کی عقیدت وارادت کی زنجیر میں اپنے نفس کو جکڑ لیا کہ کہیں یہ آزادی کا خوگر نہ ہو جائے۔ تادمِ آخر اِس عہدِ وفا کو نبھایا:

باآں گروہ کز ساغرِ وفا مست اند
سلام ما برسانید، ہر کجا ہست اند

میاں خان محمد سرگانہ اور بابا جیؒ کا ۱۹۷۲ء کا سفرِ حج

میاں خان محمد سرگانہ صاحب کا شمار باگڑ کے ان بزرگوں میں ہوتا ہے، جن کی تکریم سب واجب سمجھتے ہیں۔ آپ حضرت میاں جان محمد سرگانہ صاحبؒ کے اکلوتے فرزند ہیں۔

بقول میاں خان محمد سرگانہ صاحب، ایک بار میں نے اپنے والد صاحبؒ سے عرض کیا کہ مجھے آپ بیعت کر لیجیے۔ تو آپ نے اس وادی کے تمام کٹھن راستوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ممکن ہے تمہیں مجھ سے فائدہ نہ ہو۔ تم حضرت خواجہ خان محمد صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کرلو، ان کا دامن نہ چھوڑنا کیونکہ اب دنیا میں ان جیسے شخص کا پیدا ہونا مشکل ہے۔

خانقاہ سراجیہ اور بابا جیؒ کے ساتھ آپ کی وابستگی عشق کی حدوں کو چھوتی ہے۔ بابا جیؒ نے دسمبر ۱۹۷۲ء میں بذریعہ سڑک حج کا سفر کیا تھا۔ یہ بابا جیؒ کا اپنی نوعیت کا منفرد سفر تھا۔ اس سفر کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے میں نے باگڑ سرگانہ کا سفر کیا اور میاں خان محمد سرگانہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے کمال شفقت فرمائی اور سفر کی روداد پر روشنی ڈالی۔ سفر کی روداد سے پہلے آپ مسکرائے اور کہا کہ میں نے جو کار خریدی تھی اس کا قصہ بھی عجیب ہے۔

کار کی خریداری

میاں صاحب نے فرمایا کہ مجھے حضرت قبلہؒ نے فرمایا کہ راولپنڈی ایک ساتھی کے پاس TOYOTA کار کھڑی ہے۔ ماڈل ۱۹۶۷ء اور اس کار کا نمبر RC-1946 ہے۔ آپ میر شبیر کے ساتھ راولپنڈی چلے جائیں اور وہ کار خرید لیں، کار بہت اچھی حالت میں ہے۔ میں میر شبیر کے ہمراہ راول پنڈی پہنچا۔ وہ کار دیکھی۔ شوق میں کچھ اور کاریں بھی دیکھیں۔ اسی دوران ایک ۱۹۶۹ء ماڈل کی کار پسند آ گئی۔ وہ اُس کار سے جو بابا جی قبلہؒ نے فرمائی تھی، دو ہزار روپے مہنگی تھی لیکن خیال آیا کہ یہ ماڈل دو سال پرانا ہے۔ کیوں نہ TOYOTA۱۹۶۹ء ماڈل لے لی جائے۔ ہم نے وہ کار غالباً سولہ یا سترہ ہزار روپے میں

خریدی اور خانقاہ شریف آ گئے۔ خوشی خوشی کار حضرتؒ کے حجرہ کے سامنے کھڑی کر دی۔ آپؒ عصر کی نماز کی لیے تشریف لائے۔ مسجد کی سیڑھیاں چڑھنے سے پہلے ایک نظر کار پر ڈالی اور چہرے پر ناگواری کا ایک عجیب سا تاثر ابھرا۔ آپ خاموش رہے اور مسجد میں تشریف لے گئے۔ دوسرے روز میں کار لے کر باگڑ پہنچا تو اچانک طبیعت بوجھل ہوگئی کہ یہ کار میرے شیخ کو پسند نہیں آئی۔ سوچتا رہا کیا کروں۔ کیا اس کار کو رکھ لوں یا بیچ ڈالوں۔ دل بوجھل بوجھل سا تھا۔ میں ملتان گیا اور اس دور میں ڈیلر کی بجائے کاروں کی خرید و فروخت والے بروکر کہلاتے تھے، ایک بروکر سے ملا اور خواہش ظاہر کی کہ کار بیچنی ہے۔ کار کا نمبر پشاور کا تھا۔ بروکر نے کہا کہ ہم پہلے پشاور سے نمبر کی تصدیق کریں گے اور پھر کار بیچنے میں آسانی ہوگی۔ کچھ دن بعد میں پھر بروکر کے پاس گیا تو اس نے کہا آپ کی کار کا نمبر پشاور میں ایک موٹر سائیکل کا ہے۔ یہ نمبر جعلی ہے۔ ایک اور مشکل نے آن گھیرا۔ بات سمجھ میں آ گئی کہ حضرت قبلہ نے کیوں کار کا ماڈل اور نمبر تک بتا کر تاکید کی تھی کہ وہی کار لینا ہے۔ اور یہ کار دیکھ کر کیوں آپ کے چہرے پر ناگواری کا تاثر ابھرا۔ شیخ کی کرامت کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ ان کی بصیرت سامنے اور میں شرمسار! آخر جوڑ توڑ کر کے وہ کار چار ہزار روپے نقصان پر فروخت کر دی اور خانقاہ شریف حاضر ہو کر حضرت قبلہ کو عرض کیا کہ دعا کریں۔ اور ساتھ معافی کا خواستگار ہوا۔ آپؒ نے کراچی جانے اور ڈھاکہ والے عبدالسّلام شاہ صاحبؒ سے ملنے کا مشورہ دیا۔ پھر کراچی گیا۔ عبدالسّلام شاہ صاحب کی قدم بوسی کے بعد درخواست کی کہ حضرت قبلہؒ نے کار خریدنے کے لیے بھیجا ہے۔ وہاں سے جو کار خریدی گئی اس پر پھر ہم نے حج کا سفر کیا۔

حج کے رفقائے سفر

اس حج کے رفیق سفر برادرم محمد زاہد، ناچیز، فضل محمود خاکوانی صاحب، میاں محمد ظفر سرگانہ صاحب اور غلام حسین تھے۔ غلام حسین کو ڈرائیونگ کے لیے ساتھ لے گئے تھے۔ کار میں چھ سواریاں، چھ بستر، چھ بکس، چولہا اور کھانے پینے کا سامان تھا۔

ہم پشاور سے چل کر طورخم اور عصر کے وقت جلال آباد پہنچے۔ وہاں پہنچنے پر اطمینان ہوا کہ ہری پور والے قاضی شمس الدین صاحب ہمارے لیے ہوٹل کا انتظام کر چکے تھے۔ ہمیں سفر کی مشکلات اور موسم کی شدت کا اندازہ تھا لیکن دل کو مکمل اطمینان تھا کہ حضرت قبلہؒ ساتھ ہیں، اللہ تعالیٰ آسانی کا معاملہ فرمائیں گے۔ سفر کے اگلے مرحلے میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا — چھ سواریاں اور ان کا مکمل سامان — میں ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ ہم کابل اور جلال آباد کے درمیان تھے کہ ایک بہت بڑے ٹریلے نے ہمیں کراس کیا اور رُکنے کا کہا۔ ہم نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ کار کا ٹائر پنکچر ہے۔ میں حیران کہ پنکچر ہونے پر کار ڈولی نہ مجھے محسوس ہوا۔ بہر حال ہم نے ٹائر تبدیل کیا۔ کابل سے ہم نے ٹائروں پر چڑھانے کے لیے چین خریدے کیونکہ برف باری کا موسم تھا۔ کابل میں جب ہم پاکستان ایمبیسی پہنچے تو وہاں بابا جیؒ کے ساتھ دھوپ میں کھڑے تھے کہ سفید سفید اون کے گالے گرنے لگے۔ حضرت قبلہؒ مسکرائے اور فرمایا کہ میاں خان محمد برف باری ہو رہی ہے۔

ہم غزنی کے لیے نکلے۔ کار کے ٹائروں پر چین چڑھوا لیے تاکہ سفر میں مشکل نہ ہو۔ غزنی تک برف کی سفید چادر بچھی ہوئی تھی۔ وہاں ہم نے نمازِ عصر ادا کی۔ شام کے وقت قندھار پہنچے اور ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ اگلے دن ایران کا بارڈر کراس کیا۔ سڑک کشادہ تھی۔ سفر میں ساتھیوں کو اکثر اونگھ آ جاتی تھی۔ فرنٹ سیٹ پر بابا جی قبلہؒ درمیان میں محمد زاہد صاحب اور میں ڈرائیونگ سیٹ پر! کار کشادہ سڑک پر ۱۲۰ رکلومیٹر کی رفتار سے جا رہی تھی۔ ایک موڑ آیا۔ میں نہیں سمجھ پایا کہ نیند کا جھونکا تھا یا کیا تھا؟ گاڑی قابو سے باہر ہو گئی اور ڈولنے لگی۔ اسٹیرنگ میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور حواس چھوڑ بیٹھا۔ اچانک ایسا محسوس ہوا کہ گاڑی کو کسی غیبی ہاتھ نے تھام کر سنبھال لیا ہے اور وہ موڑ کے بعد سیدھی سڑک پر اُسی رفتار سے جا رہی تھی۔ میں نے گھبرا کر حضرت قبلہ کی طرف دیکھا۔ آپ مسکرائے اور فرمایا کہ یہ بات بتانے کی نہیں۔ (میں یہ بات حضرت بابا جیؒ کی وفات کے بعد بتا رہا ہوں)۔

مشہد سے ہم تہران پہنچے۔ رات تہران کے ایک ہوٹل میں گزاری۔ سفر میں کھانا

پکانے کی ذمہ داری فضل محمود خان خاکوانی اور میاں محمد ظفر سرگانہ کی تھی۔ وہ اپنی ذمہ داری بہت خوش اُسلوبی سے نبھاتے تھے۔ تہران سے ہم صبح کے وقت نکلے۔ ہمیں برف کے طوفان کا سامنا تھا۔ کار میں ہیٹر بھی نہیں تھا۔ شیشہ کھولنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ ہماری سانسوں سے فرنٹ سکرین بار بار دھندلا جاتی اور محمد زاہد صاحب ایک رومال سے سارے سفر میں فرنٹ سکرین صاف کرنے کی ذمہ داری نبھاتے رہے۔ برف کا وہ طوفان جھیلتے ہم ظہر کے وقت ہمدان پہنچے۔ موسم خراب ہونے کی وجہ سے سفر جاری رکھنا ممکن نہیں تھا۔ ہم نے ہمدان کے ایک ٹرک ہوٹل میں قیام کا فیصلہ کیا۔

ہمارا ڈرائیور بھی کمال شخص تھا۔ سفر کے شروع میں ایک جگہ اس سے کار کہیں تھوڑی ٹکرا گئی تو اس نے مجھے کہا کہ میاں صاحب آپ ڈرائیونگ کریں۔ اللہ کے اُس بندے نے کابل کے بعد مدینہ شریف تک اسٹیرنگ کو ہاتھ تک نہیں لگایا اور سارا سفر ڈرائیونگ مجھے کرنا پڑی۔ سامان رکھ کر ہم نے ابھی دم بھی نہ لیا تھا کہ ایک خان صاحب نے ہمیں سمجھانے کی کوشش کی کہ کار کے ریڈی ایٹر سے پانی نکال دیں۔ اگر ایسا نہیں کریں گے تو برف جم جائے گی اور آپ کی موٹر بے کار ہو جائے گی۔

ڈرائیور غلام حسین نے خان صاحب کی بات کو اہمیت نہ دی اور ریڈی ایٹر خالی نہ کیا۔ صبح کار نے کہا کہ آپ مجھے سٹارٹ کر سکتے ہیں تو کر لیجیے۔ ایسے لگتا تھا جیسے کار مر چکی ہے۔ ہم نے ہر حربہ آزما کر دیکھ لیا لیکن اس میں جان ہوتی تو وہ سانس لیتی۔ ہوٹل والوں کو ہم پر ترس آ گیا۔ وہ تین بڑے بڑے چولہے لے آئے۔ اور کار کے ریڈی ایٹر کے نیچے جلا کر رکھ دیے۔ حضرت قبلہؒ کار میں تشریف رکھتے تھے۔ کار پٹرول تھی اور میرا دل دھڑک رہا تھا کہ ان پٹھانوں کی ترکیب سے کہیں کار ہی نہ فنا ہو جائے۔ لیکن حضرت قبلہؒ کے چہرے پر اطمینان تھا۔ پندرہ منٹ بعد سلف لگایا تو ہلکی سی کلک کی آواز آئی۔ انہوں نے چولہے اور بھڑکائے۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے کی محنت کے بعد کار اسٹارٹ ہوئی اور ہم نے سکھ کا سانس لیا۔

جب ہم عراق کے بارڈر کے قریب پہنچے تو خبر ملی کہ یہاں پر وہ نہر ہے جو فرہاد نے

شیریں کے لیے کھودی تھی۔ وہاں رک کر ہم نے تیشۂ فرہاد سے کھودی جانے والی نہر دیکھی۔ رات ہم بغداد پہنچے۔ ارادہ بن گیا کہ حضرت غوثِ اعظمؒ کے لنگر خانے میں رات گزاریں گے۔ وہاں پہنچ کر خبر ملی کہ لنگر میں جگہ نہیں ہے۔ ساتھ ایک ہوٹل ہے لیکن اس ہوٹل کی یہ شرط ہے کہ جو وہاں قیام کرے وہ کھانا ہوٹل سے کھائے۔ وہ ہوٹل میں اپنا کھانا نہیں بنا سکتا۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ قیام تو کرنا ہے۔ بعد میں فضل محمود خان اور محمد ظفر سرگانہ تہجد کے وقت جب حضرت قبلہؒ کی چائے بناتے تو ساتھ ہی کھانا بھی تیار کر لیتے۔ ہوٹل کی انتظامیہ حیران تھی کہ یہ درویش ہوٹل سے باہر بھی نہیں جاتے، دن میں کھانا بھی نہیں پکاتے، کھاتے کیا ہیں اور زندہ کیسے ہیں؟

کربلا، نجفِ اشرف سے ہوتے ہوئے سلمانیہ پہنچے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مزارات پر حاضری دی۔ وہاں حضرت قبلہ بابا جیؒ نے فرمایا کہ سفر کی عجلت اور مجبوری ہے ورنہ یہاں کچھ دن اور قیام کرتے۔ رات بصرہ میں گزاری۔ حضرت رابعہ بصریہؒ کے مزار پر حاضری دی۔ فاتحہ پڑھی۔ کویت کا بارڈر کراس کیا تو قاری عطا محمد صاحب خوش آمدید کہنے کو موجود تھے۔ تین روز کویت قیام کیا۔

کویت سے رختِ سفر باندھا۔ خفگی، دمام سے ہوتے ہوئے ریاض پہنچے۔ وہاں رات ہوٹل میں قیام کیا۔ صبح ناشتہ کر کے طائف کا سفر باندھا۔ وہاں پہنچ کر رات طائف گزارنے کا فیصلہ کیا۔ حضرت قبلہؒ کے ہمراہ طائف کے اُس باغ میں گئے جہاں ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دیر آرام کیا تھا۔ پشت پر وہ پہاڑ تھا جس کے بارے جبریل امینؑ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اگر حکم ہو تو یہ پہاڑ طائف والوں پر گرا دیا جائے تو رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے امید ہے میرا اللہ اس سرزمین سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو دین کی خدمت کریں گے۔ طائف سے ہم مکہ مکرمہ پہنچے۔

برادرم عزیز احمد کے نام خط

بابا جیؒ کا معمول تھا کہ آپ سفر کے دوران برادرم عزیز احمد کو باقاعدگی سے خط لکھتے۔

حج کے اس مبارک سفر کے دوران، جو آپ نے بذریعہ سڑک کیا، مختلف شہروں سے برادرم عزیز احمد کو خط لکھتے رہے۔ ان خطوط سے سفر کے سارے مناظر کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔

(۱)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے اعزی وارشدی عزیز احمد سلمہ اللہ تعالیٰ مطالعہ کریں کہ فقیر ویزوں میں تاخیر کی وجہ سے ۱۱ر دسمبر کو واپس گھر آ گیا تھا اور آج ۱۵ر دسمبر کو یہاں سے سیدھا پشاور جانے کی تیاری میں مصروف ہے۔ کل ۱۶ر دسمبر کو اِنشاء اللہ تعالیٰ طورخم سے سرحد عبور ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس سارے سفر میں صحت وعافیت اور سلامتی کے ساتھ رکھے۔ آمین۔

یہاں بفضلہٖ تعالیٰ ہر طرح عافیت ہے۔ گھر میں بھی سب راضی وخوشی ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ.

فقیر آپ سب کی صحت و عافیت اور سلامتی کا طالب ہے۔ مولا پاک نصیب فرماوے۔ اور علومِ نافعہ و دینیہ کے حصول میں محبت ومحنت کے ساتھ مشغول رکھے۔ اور دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرماوے۔ آمین۔

پشاور سے بھی روانگی کی اطلاع دی جاوے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ فقیر کی طرف سے سب کو سلام ودعوات۔

والسّلام

۹ر ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ/ ۱۵ر دسمبر ۱۹۷۲ء

از خانقاہ سراجیہ

(۲)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے اعزی وارشدی عزیز احمد سلمہ اللہ تعالیٰ مطالعہ کریں کہ ہم لوگ کل ۱۶ر دسمبر کو پاکستان کی سرحد عبور کر کے عصر کے وقت جلال آباد پہنچے۔ رات جلال آباد آرام سے گزاری۔ آج صبح جلال آباد سے روانہ ہو کر ساڑھے بارہ بجے کابل پہنچے۔ یہاں موٹر کی ضروری مرمت کروا رہے ہیں اور رات یہاں رہیں گے۔ صبح ۱۸ر دسمبر کو اِنشاء اللہ تعالیٰ

یہاں سے روانہ ہو کر قندھار جاویں گے۔ ہم سب بفضلہٖ تعالیٰ بصحت و عافیت ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ.

ہم سب آپ سب کی صحت و عافیت اور سلامتی کے طالب ہیں۔ مولا پاک نصیب فرماوے اور محنت و محبت کے ساتھ اپنی تعلیم میں مشغول رکھے۔ اور دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرماوے۔ آمین۔

جس جس جگہ بھی موقع ملتا رہے گا اِنشاءاللہ تعالیٰ اپنی صحت و عافیت کی اطلاع دیتے رہیں گے۔ ہم سب کی طرف سے آپ سب کو اور اپنے اساتذہ کو بہت بہت سلام و دعوات۔

والسّلام

۱۱/ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ/ ۱۷/دسمبر ۱۹۷۲ء　　　　از کابل

(۳)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوةِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِيْمَاتِ وَالتَّحِيَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے اعزی وارشدی عزیز احمد سلمہ اللہ تعالیٰ مطالعہ فرماویں کہ فقیر کا کابل سے لکھا ہوا خط مل گیا ہوگا؟ کابل سے ۱۸/دسمبر کی صبح کو روانہ ہو کر شام کو قندھار پہنچے۔ قندھار کابل سے ۳۲۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ ۱۹/دسمبر کی صبح کو قندھار سے ہرات پہنچے۔ ہرات قندھار سے ۳۵۰ میل ہے۔ ہرات علماء وصلحاء کے مزارات کا مرکز ہے۔ شیخ الاسلام حضرت عبداللہ انصاریؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ، حضرت علامہ فخرالدین رازیؒ جیسے مشاہیر یہاں مدفون ہیں۔ ان کے مزارات کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ ہرات سے قلعہ اسلام، جو کہ افغانستان کی آخری سرحدی چوکی ہے، ۲۰/دسمبر کو پہنچے۔ کسٹم اور پاسپورٹ کے اندراج سے فارغ ہو کر طائباد ایران کی سرحدی چوکی پر پہنچے۔ وہاں سے ضروری امور سے فارغ ہو کر عصر کے وقت مشہد پہنچے۔ مشہد ایران کے بڑے شہروں میں سے ایک ہے اور اس کا سارا تجارتی دارومدار حضرت امام رضاؒ کے مزار کی وجہ سے ہے۔ تمام ملکوں کے شیعہ یہاں زیارت کے لیے پہنچتے ہیں۔ مشہد سے ۲۱/دسمبر کو روانہ ہو کر ۳۰۰ میل کا سفر کر کے شاہ سنید

نامی شہر میں ٹھہرے۔ کل ۲۲ر دسمبر کو شاہ سنید سے روانہ ہو کر طہران پہنچے، جو کہ ایران کا دارالخلافہ ہے اور کراچی کے برابر کا شہر ہے۔ لیکن خوبصورتی میں کراچی سے کہیں زیادہ ہے۔ کابل سے قندھار کے درمیان قریباً ۲۰۰ میل کا سفر برف باری میں ہوا۔ اور مشہد سے طہران تک کا سفر برف باری میں ہوا۔ پہاڑ، مکان، درخت، سڑکیں، حتیٰ کہ موٹروں پر بھی فٹ فٹ برف جمی ہے۔ ابھی آج ۲۳ر دسمبر کو یہاں سے روانگی کی تیاری میں ہیں۔ شاید کل ۲۴ر دسمبر کو ایران سے گزر کر عراق میں داخل ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ سفر کے ساتھ کچھ مخصوص تکلیفات ہوتی ہیں۔ ضروریاتِ ستہ میں تغیر و تبدل ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی تکلیف اور پریشانی پیش نہیں آئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِکَ.

سفر کی نوعیت کے لحاظ سے شاید یکم جنوری تک مکہ مکرمہ پہنچنا ہو سکے۔ ہم سب بفضلہٖ تعالیٰ بصحت و عافیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی اپنا فضل و کرم شاملِ حال رکھے اور اپنی حفاظت میں صحت و عافیت اور سلامتی کے ساتھ سارا سفر سرانجام فرماوے اور ایک لمحہ بھی اپنی حفاظت سے علیحدہ نہ فرماوے۔ آمین۔

فقیر آپ سب کی صحت و عافیت اور سلامتی کا طالب ہے۔ مولا پاک نصیب فرماوے اور دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرماوے۔ آمین۔ فقیر کی طرف سے اپنے اساتذہ کرام اور طلبہ عظام کو سلام مسنون و دعوات۔ والسّلام

۱۷ر ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ/ ۲۳ر دسمبر ۱۹۷۲ء ازطہران

(۴)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوةِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِيْمَاتِ وَالتَّحِيَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے اعزی وارشدی عزیز احمد سلمہ اللہ تعالیٰ مطالعہ کریں کہ طہران سے لکھا ہوا خط مل گیا ہوگا؟ موسم کی خرابی، بارش اور برف کی وجہ سے ۲۴ر دسمبر کی بجائے ۲۵ر دسمبر کی شام کو ایران کی آخری چوکی خسروی کو عبور کیا اور ۲۵ر دسمبر کی رات کو پاکستانی ٹائم کے مطابق ۱۲ر بجے بغداد پہنچے۔ ۲۶، ۲۷ر دسمبر کو بغداد قیام رہا اور اکابر اسلام کے مزارات کی زیارت

سے مشرف ہوئے۔ مشہور مزارات حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام غزالی، حضرت امام ابو یوسف، حضرت امام کاظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ہیں اور اسی طرح بے شمار مزارات اکابر کا مرکز ہے۔ بغداد سے ۱۰۰ میل کے فاصلہ پر کربلا، نجف اشرف کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔ ۲۸ر دسمبر کی صبح کو بغداد سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں صحابہ کرام حضرت سلمان فارسی، حضرت عبداللہ بن جابر، حضرت حذیفہ (رضی اللہ عنہم) کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہوئے اور رات کو دس بجے بصرہ پہنچے۔ صبح ۲۹ر دسمبر کی فجر کی نماز کے بعد متصل بصرہ سے روانگی ہوئی۔ حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت حسن بصری (رضی اللہ عنہم) کے مزارات کی زیارات کرتے ہوئے عراق کی آخری سرحدی چوکی سفوان پر پہنچے تو قاری عطا محمد بھی وہاں پہنچ آئے۔ عراق اور کویت کی چوکیوں سے فارغ ہو کر ۱۲ ربجے کویت پہنچ آئے ہیں۔ جمعہ، ہفتہ، اتوار یہاں قیام ہوگا اور موٹر کی ضروری مرمت وغیرہ ہوگی۔ سوموار یکم جنوری کو اِنشاء اللہ تعالیٰ روانگی ہوگی اور ۴ر جنوری جمعرات کو اِنشاء اللہ تعالیٰ حاضری ہو جاوے گی۔ مکہ مکرمہ سے آپ کو خط خانقاہ پاک کے پتہ پر لکھا جاوے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ کیونکہ عید کی چھٹیوں پر آپ گھر ہوں گے۔ ہم سب بفضلہٖ تعالیٰ بعافیت ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ.

آئندہ بھی اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم شاملِ حال رکھے اور صحت و عافیت اور سلامتی کے ساتھ واپس گھر پہنچاوے۔ اور آپ سب کو بھی صحت و عافیت اور سلامتی کے ساتھ رکھے۔ اور آپس میں پیار و محبت کے ساتھ رکھے۔ اور اپنی رضامندی و خوشنودی سے سرفراز فرماوے۔ آمین۔

فقیر کی طرف سے احباب اور اساتذہ کرام کو سلام مسنون و دعوات۔ جو چیز منگوانی ہو، ضرور لکھیں۔ گھر پہنچ کر خلیل، رشید سے بھی پوچھیں۔ بھائی فتح محمد صاحب، قاری عطا محمد صاحب و دیگر سب ساتھیوں کی طرف سے آپ سب کو سلام مسنون۔ والسّلام

۲۴ر ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ/ ۳۰ر دسمبر ۱۹۷۲ء — از کویت

(۵)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے اعزی وارشدی عزیز احمد سلمہ اللہ تعالیٰ مطالعہ کریں کہ کویت سے لکھا ہوا خط مل گیا ہوگا؟ ہم اپنے پروگرام کے مطابق ۴؍جنوری کو مکہ مکرمہ حاضر ہو گئے ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ ہر طرح صحت وعافیت اور سلامتی کے ساتھ ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ.

خیال تھا کہ مکہ مکرمہ میں آپ لوگوں کی خیریت وعافیت کی اطلاع کا خط پہنچا ہوا ہو گا۔ لیکن یہ خیال پورا نہیں ہوا۔ نہ آپ نے اور نہ خانقاہ پاک میں سے کسی نے یہ تکلیف گوارا کی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے آپ سب کو صحت وعافیت اور سلامتی کے ساتھ رکھے۔ اور ہمہ قسم کے مکروہات سے ہمیشہ اپنی حفاظت میں محفوظ ومصئون رکھے۔ اور دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرماوے۔ آمین۔

یہاں ۱۳؍جنوری ہفتہ کے روز حج ہے۔ ۱۶، ۱۷؍جنوری کو اِنشاء اللہ تعالیٰ مناسک حج سے فراغت کے بعد واپسی ہوگی اور ۱۹، ۲۰؍جنوری کو یہاں سے مدینہ منورہ کے لیے روانگی ہوگی۔ اور اِنشاء اللہ تعالیٰ دو ہفتے مدینہ منورہ ٹھہرنے کا خیال ہے۔ آپ لوگ اگر کوئی خط لکھیں تو اس اندازہ سے لکھیں جو کہ ہمیں مکہ مکرمہ ۱۹؍تاریخ تک مل جاوے اور مدینہ منورہ میں ۶؍فروری تک مل سکے۔ مدینہ منورہ کا پتہ یہ ہے: معرفت معلم حیدر الحیدری، مدینہ منورہ، سعودی عرب۔

فقیر کی طرف سے گھر والوں کو فرداً فرداً اور ساتھیوں اور طالب علموں اور استادوں کو سلام مسنون ودعوات اور عزیزہ کلثوم، فاطمہ، خلیل احمد، رشید احمد، سعید احمد، نجیب احمد، محمد حامد، اسماء، میمونہ کو بہت بہت پیار۔ سلطان بی بی اور اس کے بچوں کو بھی بہت پیار۔

قاری عبدالرحیم صاحب کے والد صاحب ملے ہیں۔ خیریت سے ہیں اور سب کو بہت بہت سلام کہتے ہیں۔

والسّلام

۲؍ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ/ ۷؍جنوری ۱۹۷۳ء

از مکہ مکرمہ

(۶)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے اعزی وارشدی عزیز احمد سلمہ اللہ تعالیٰ مطالعہ کریں کہ فقیر مع احباب مناسک حج سے فارغ ہو کر بصحت وعافیت مکہ مکرمہ سے ۲۰/جنوری کو مدینہ منورہ حاضر ہو گیا ہے۔ اور ہر طرح صحت وعافیت اور سلامتی کے ساتھ ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ. فقیر آپ سب کی صحت وعافیت اور سلامتی کا طالب ہے۔ مولا پاک نصیب فرماوے۔ آمین۔

آپ عید کی رخصتیں گزار کر واپس بعافیت آ گئے ہوں گے؟ اور آپ سب اور گھر میں ہر طرح عافیت ہو گی؟ آپ میں سے کسی کا بھی کوئی ایک خط آج تک نہیں ملا۔ باعث بخیر ہو۔

فقیر یہاں سے ۴/فروری کو روانہ ہو کر ۶/فروری کو کویت پہنچے گا اور کویت سے ۹/فروری کو ہوائی جہاز پر سوار ہو کر کراچی پہنچ جاوے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ کراچی سے پھر روانگی کی اطلاع بذریعہ تار دی جاوے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ فقیر کی طرف سے سب کو سلام مسنون۔ خیال ہے کہ کراچی سے ۱۰/فروری کو خیبر میل پر سوار ہوں۔ والسّلام

۱۸/ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ/۲۳/جنوری ۱۹۷۳ء — از مدینہ منورہ

میاں خان محمد سرگانہ صاحب کا کہنا ہے کہ غالباً سن ۱۹۴۸ء کا تھا جب میں نے حضرت قبلہؒ کے ساتھ بحری سفر کیا اور یہ حج کا سفر تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں حضرت قبلہؒ کے ساتھ ۲۲/حج کیے اور عمروں کی تعداد مجھے یاد نہیں۔ میاں صاحب نے اشک بار آنکھوں سے ایسے واقعات سنائے جو کاملین کی صحبت کا ایسا ثمر ہوتے ہیں جو کم کم لوگوں کے نصیب میں آتے ہیں۔

حضورِ اکرم ﷺ کی زیارت

میاں خان محمد سرگانہ نے فرمایا کہ ایک بار حج کے دوران ہم نے مسجد نبوی ﷺ میں نماز ادا کی۔ عصر کی نماز کے بعد باباجی قبلہؒ روضہ اقدس پر سلام کے لیے حاضر ہوئے۔ سلام

پیش کرنے کے بعد آپ روضہ مبارک پر مراقب ہوئے۔ ہم بھی مراقبے میں تھے۔ میرے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ اس عظیم الشان لمحے میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں ہم بہ حالت بیداری موجود تھے یا وہ مراقبے کی کیفیت تھی۔ میں نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی — کیا روشن پیشانی، پُر نور چہرہ — آنکھوں کا حسن کہ نگاہ نہ ٹھہرتی تھی۔ ریش مبارک ایسی کہ دنیا کے کسی چہرے پر ویسی ممکن ہی نہیں۔ یہ بھی نہیں معلوم ہم کتنی دیر آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں رہے۔ مراقبہ ختم ہوا تو میری عجیب کیفیت تھی۔ میں سرشار تھا لیکن سوچ رہا تھا کہ مجھ گناہ گار پر اللہ کریم نے اتنا بڑا انعام کر دیا۔ میں نے جھجکتے ہوئے حضرت قبلہؒ سے ساری کیفیت بیان کی اور آپ ﷺ کا سراپا مبارک بیان کیا۔ بابا جیؒ نے فرمایا کہ لاریب! آپ حضور اقدس ﷺ کی مبارک محفل میں تھے اور آپ نے کھلی آنکھوں ان کی زیارت کی۔

حضورِ اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں سلام

میاں خان محمد سرگانہ صاحب نے گزشتہ برس کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے چشمِ نم سے بتایا کہ میں یہ واقعہ من وعن بیان کر رہا ہوں، اس میں کہیں کوئی مبالغہ نہیں۔ علالت اور ضعیفی کی وجہ سے بابا جیؒ آخری چند برس حج پر نہ جا سکے۔ میاں صاحب کا کہنا ہے کہ میں روضہ اقدس پر حاضر ہوا۔ ختم الرسل ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرنے سے پہلے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرے شیخ میرے مرشد حضرت خواجہ خان محمد مدظلہٗ نے آپ ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کیا ہے، آپ قبول فرمائیں۔

میں نے جیسے ہی حضرت قبلہؒ کا سلام پیش کیا ایک حیرت انگیز بات سامنے آئی۔ روضہ اقدس اور میرے درمیان جتنے لوگ موجود تھے، وہ سامنے سے خود بخود ایک طرف ہو گئے۔ میں نے اسے اتفاق جانا۔ جتنی دیر میں وہاں موجود رہا، آپ ﷺ اور میرے سلام کے درمیان کوئی شخص حائل نہ ہوا۔ دوسرے روز پھر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرے شیخ میرے مرشد حضرت خواجہ خان محمد مدظلہٗ نے آپ ﷺ کی خدمت میں

سلام پیش کیا ہے، آپ قبول فرمائیں۔ جتنی بھیڑ میرے سامنے تھی وہ چھٹ گئی۔ میری آنکھیں نم ہوگئیں کہ میرے شیخ ادب کے اُس اعلیٰ مقام پر ہیں کہ اللہ رب العزت نے ان کے سلام اور اپنے محبوب ﷺ کے درمیان کسی اور شخص کی موجودگی کو پسند نہیں فرمایا اور سارے پردے درمیان سے ہٹا دیے۔ تیسرے روز جب میں پہنچا تو بھی لوگوں کا ہجوم تھا۔ میں جیسے وہاں پہنچا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرے شیخ میرے مرشد حضرت خواجہ خان محمد مدظلہٗ نے آپ ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کیا ہے، آپ قبول فرمائیں۔ تو میرے اور آپ ﷺ کے درمیان سے لوگوں کی بھیڑ چھٹ گئی۔ میں سات دن ختم الرسل ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور ہر روز اِکرام کا ایک سا معاملہ تھا۔

محمد قاسم کی بیماری اور بابا جیؒ کی توجہ

میاں صاحب کا کہنا ہے کہ بہت برس پہلے میرا بیٹا محمد قاسم شدید بیمار ہو گیا۔ ملتان اور لاہور چوٹی کے ڈاکٹروں سے اس کا علاج کرایا لیکن:

ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

علاج کے سلسلے میں اسے لاہور Brain Centre لے گئے۔ وہاں کیفیت یہ تھی کہ بیٹا بستر پر چِت بے ہوش لیٹا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور پلکیں اپنی جگہ ٹھہر گئیں۔ ڈاکٹرز اپنی سی کوششوں میں تھے لیکن محمد قاسم نے پلک نہ جھپکی۔ ڈاکٹروں کی گفتگو سے ظاہر ہوتا تھا کہ بیماری لاعلاج ہے۔ والدین کی قلبی کیفیت کا اندازہ وہی صاحب دل کر سکتے ہیں جو اللہ نہ کرے ایسے درد سے گزرے ہوں۔ علاج کے دوران بابا جیؒ لاہور تشریف لائے تو محمد قاسم کی بیمار پرسی کے لیے Brain Centre تشریف لائے۔ آپؒ محمد قاسم کے سرہانے بیٹھے اور سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دم فرمایا۔ تھوڑی دیر میں بیٹے نے آنکھیں جھپکیں تو سب کی خوشی سے آنکھیں چھلک پڑیں۔ ڈاکٹرز خود حیران تھے۔ اس دن محمد قاسم نے واپس صحت کی طرف لوٹنا شروع کیا اور اللہ کریم نے اسے مکمل صحت عطا کی۔ میرا یقین ہے کہ اللہ کریم نے میرے بیٹے کو بابا جیؒ کی دعا سے صحت عطا کی۔

شمس الاسلام انڈیا والے

میاں خان محمد سرگانہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری تھی۔ وہ اپنے شیخؒ کے ہجر میں جو بات شروع کرتے ان کی آواز بھرا جاتی۔ اس لمحے مجھے پچیس چھبیس سال پہلے کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ امروہہ ہندوستان سے قاری مرغوب الرحمٰن صاحب اور شمس الاسلام اور بابو صاحب خانقاہ سراجیہ بابا جیؒ کی زیارت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ وہ ایک پل بھی بابا جیؒ سے جدا ہونا سوہانِ روح سمجھتے۔ سارا وقت بابا جیؒ کی صحبت اور تسبیح خانے اور مسجد میں گزارتے۔ میرے اصرار پر وہ میرے گھر آ نکلتے اور چائے کے دوران مَیں ان کی باتوں اور صحبت سے فیض یاب ہوتا۔ میرے گھر کے سامنے سنبل کے درختوں کی لمبی قطار تھی۔ ایک دن میں گھر سے جو نکلا تو سنبلوں کے درمیان شمس الاسلام کو اکیلا پایا۔ اس کے قریب پہنچا تو اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور پوچھا کہ شمس بھائی! خیریت، کیا ہوا؟ اچانک شمس الاسلام میرے سینے سے لگ کر بلک بلک کر رونے لگا۔ جب اس کے آنسو کچھ تھمے تو ہچکیاں لیتے ہوئے بولا کہ کل بابا جیؒ سے جدائی کا دن ہے، ہماری ہندوستان واپسی ہے، جانے پھر کب یہ آنکھیں بابا جیؒ کی زیارت کریں گی۔ اور اس کے آنسوؤں کا بندھن پھر ٹوٹ گیا۔

کالا موتیا اور کرامت

میاں خان محمد سرگانہ صاحب کے آنسو شمس الاسلام کی طرح جاری تھے اور وہ بے چین آنکھوں سے اپنے شیخؒ کو تلاش کرتے تھے۔ کہنے لگے، ایک بار مجھے آنکھوں کی تکلیف نے آ لیا، آنکھوں کا معائنہ کرایا تو ڈاکٹر نے کہا کالا موتیا (Glaucoma) کا اندیشہ ہے۔ میں نے خانقاہ شریف حاضر ہو کر بابا جیؒ سے عرض کیا۔ آپ نے آنکھوں پر دَم کیا اور اُس کے بعد جتنی بار میں آپؒ کی خدمت میں آیا، دم کرنے کی درخواست کی۔ ایک بار مجھے جھجک سی ہوئی کہ حضرت قبلہؒ کو بار بار تکلیف دینا مناسب نہیں۔ میں آپؒ کی خدمت میں خاموش بیٹھا تھا کہ آپؒ نے فرمایا کہ خان محمد! میرے قریب آئیں۔ میں آپ کے

قریب دوزانو بیٹھ گیا۔ آپؒ نے آنکھوں کو دَم کیا اور دعا فرمائی۔ ملتان پہنچ کر میں نے آنکھوں کا معائنہ کرایا تو ڈاکٹر نے کہا کہ آپ نے کہاں سے علاج کرایا؟ آنکھیں مکمل طور پر ٹھیک ہیں۔

میاں اسلم سرگانہ

باباجیؒ نے جس دور میں اپنے مکان کی پشت پر تین کمرے مہمانوں کے قیام کے لیے بنوائے تھے اس جگہ کو ہمیشہ ڈیرے کے نام سے یاد کیا گیا۔ ڈیرے کے درمیان دوفٹ اونچا صحن رکھا گیا۔ ہم اکثر وہاں بیٹھتے تھے۔ اس دور میں باگڑ سے میاں اسلم سرگانہ صاحب تشریف لایا کرتے تھے۔ آپ کا حقہ مشہور تھا۔ ادب کی وجہ سے مسجد کے سامنے کوئی حقہ یا سگریٹ نہیں پیتا تھا۔ میاں اسلم سرگانہ صاحب کا ملازم ساتھ ہوتا تھا۔ وہ وہیں ڈیرے پر اُپلے اور لکڑیاں جلا کر کوئلے بناتا اور حقہ تازہ کرتا۔ میاں اسلم سرگانہ صاحب کے پاس ایک کار تھی جس پر وہ باباجیؒ کو باگڑ لے جایا کرتے تھے۔

بچے کا محمد فیروز نام رکھنا

ان کے بیٹے ارشد سرگانہ نے مجھے اپنا ایک واقعہ سنایا کہ جب اللہ نے مجھے بیٹا عطا کیا تو میری خواہش تھی کہ اس کا نام محمد فیروز رکھا جائے۔ لیکن حضرتؒ کی مشاورت کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ میں نے دو پرچیاں بنائیں۔ ایک پر اسلامی نام لکھے اور دوسری پر اپنی پسند کے محمد فیروز، محمد نوروز وغیرہ لکھے۔ دل میں تھا کہ دونوں پرچیاں حضرتؒ کی خدمت میں پیش کردوں گا، جو آپ فرمائیں گے وہی نام رکھ لیا جائے گا۔ جب ملتان آپؒ کی خدمت میں پہنچا تو اسلامی ناموں والی پرچی نکل آئی اور دوسری پرچی کسی جیب سے برآمد نہ ہوئی۔ میں نے وہ پرچی آپؒ کے دستِ مبارک میں تھمائی اور چپ چاپ آپؒ کے چہرے کو دیکھا۔ آپؒ نے تھوڑی دیر بعد مجھے ایک نظر دیکھا اور پوچھا کہ خاندان میں کیا کسی بچے کا نام محمد فیروز ہے؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں حضرت۔ آپؒ نے فرمایا کہ پھر بچے کا نام محمد فیروز رکھ لیں۔ میری عجیب کیفیت تھی۔ حیران تھا کہ اللہ نے باباجیؒ کو میرے دل کی بات کی خبر کردی۔

کچھ عرصہ بعد محمد فیروز بیمار ہوا۔ ہم اسے لے کر حکیم حنیف اللہ صاحب کے پاس گئے۔ حکیم صاحب نے نسخے پر لکھنے کے لیے نام پوچھا تو ہم نے کہا کہ محمد فیروز۔ حکیم صاحب نے کہا کہ یہ نام کس نے رکھا ہے؟ میں دوائی نہیں دیتا۔ ہم پریشان ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ حکیم صاحب یہ نام ہمارے مرشد خواجہ خان محمد صاحبؒ نے رکھا ہے۔ حکیم صاحب نے نسخے پر محمد لکھا، مگر فیروز نہیں لکھا۔ اور کہا کہ جائیں دوائی لے لیں۔ ہم نے دوائی لے لی۔ ایک عرصے بعد ملتان میں میاں خان محمد سرگانہ صاحب کی کوٹھی پر بابا جیؒ تشریف لائے۔ اتفاق کہ ہم بھی موجود تھے اور حکیم صاحب بھی تشریف لے آئے۔ دورانِ گفتگو بابا جیؒ نے فرمایا کہ بھئی ارشد! جو فیروز نام میں نے رکھا تھا اس کی نسبت اس صحابی رسول ﷺ سے ہے جنہیں حضور ﷺ نے ایک مدعی نبوت کا سر کاٹ کر لانے کے لیے بھیجا تھا، نہ کہ وہ فیروز جس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔ حکیم صاحب بابا جیؒ کی بات انتہائی انہماک سے سن رہے تھے۔ جب بات ختم ہوئی تو حکیم صاحب نے ادب سے عرض کیا کہ حضرت! میرا اشکال دور ہو گیا ہے۔

محمد حیات سرگانہ

بابا جیؒ کی وفات کے بعد ایک روز مجھے ملتان سے حیات سرگانہ کا فون آیا کہ بابا جیؒ کے سیال کلینک ملتان میں وصال کے بعد ایک آدھا پیک ٹشو پیپر کا، ایک بھاپ لینے کی مشین، بوتل پینے والے چند سٹراز، اور ایک سیون اپ یا پیپسی کی خالی بوتل ہمارے پاس رکھی ہے۔ یہ معمولی چیزیں تھیں جو بھائی حیات نے سیال کلینک سے بطور امانت سنبھالیں اور مجھے فون کیا کہ برادرم خلیل احمد سے پوچھ کر بتائیں کہ کیا ہم ان میں سے ٹشو پیپر اور کولڈ ڈرنک پینے والے سٹراز بہ طور تبرک رکھ لیں؟ اور بھاپ والی مشین کہاں پہنچانی ہے؟ میں نے برادرم خلیل احمد سے بات کی تو انہوں نے کہا کہ بھاپ والی مشین ڈاکٹر محمد عنایت اللہ صاحب کی ہے ان سے بات کر لیں۔ باقی تبرکات بے شک بھائی حیات رکھ لیں۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو فون کیا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے یہ چیزیں قبلہ بابا جیؒ کے لیے دی

تھیں، واپس لینے کے لیے نہیں۔ میں نے بھائی حیات کو فون کر کے کہا کہ وہ تبرکات رکھ سکتے ہیں۔ یہ سب صحبت کے اثرات ہیں۔

باگڑ پل کا ہوٹل

باگڑ پل پر حیات سویٹ ہاؤس اور ہوٹل ہے، جس کی بنیاد چچا محمد حسین نے ۱۹۶۰ء میں رکھی تھی۔ ایک چولہا، چھے پیالیاں، چند کرسیاں، ایک چارپائی، کیتلی اور چائے پکانے کے برتن سے اس ہوٹل کا آغاز کیا۔ باگڑ پل کے اس ہوٹل کو سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے لے کر بابا جیؒ تک کتنے ہی اکابرین ہیں جنھوں نے اپنے مبارک قدموں سے رونق بخشی۔ وہاں رکے، ایک کپ چائے اور مٹھائی سے ان کی تواضع کی گئی اور وہ دعا کی سوغات بانٹ کر اس ہوٹل کو ثمر بار کر گئے۔ آج اس ہوٹل پر پندرہ سے بیس ملازم کام کرتے ہیں اور لاکھوں روپے رزقِ حلال اس کے مالک کا مقدر ہے۔

نوکر کے پاس قیمتی موبائل

اسی ہوٹل کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دن بھائی حیات سرگانہ نے اپنے ملازم کے پاس ایک نہایت قیمتی اور مہنگا موبائل دیکھا۔ اسے خیال آیا کہ تیس پینتیس ہزار روپے کا موبائل رکھنا تو اس ملازم کے لیے ممکن نہیں تو یہ اس نے لیا کہاں سے ہے؟ اس نے نرمی سے ملازم سے پوچھا تو اس نے کہا کہ میاں صاحب! میں جھنگ سے آ رہا تھا۔ میرے ساتھ ایک سواری بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ کہیں راستے میں اتر گئی۔ میں نے بعد میں دیکھا تو یہ میرے ساتھ والی سیٹ پر رکھا ہوا تھا۔ میں نے اٹھا لیا۔ بھائی حیات نے موبائل اور سم لے کر کچھ دن بعد اس نمبر پر رابطہ کیا تو جن صاحب سے بات ہوئی تو انھوں نے تفصیل سن کر کہا کہ جی یہ میرا موبائل ہے۔ بھائی حیات نے اپنا فون نمبر اور ایڈریس دیا کہ آپ ہوٹل سے آ کر اپنی امانت لے جائیں۔ آنے والا ایک ایس.ایچ.او. تھا۔ تواضع کے بعد جب اس کو موبائل دیا گیا تو اس نے سوال کیا کہ مجھے یہ بتائیں کہ اتنا قیمتی موبائل رکھنے کو آپ کا دل نہیں کیا؟ آپ نے مجھے تلاش کر کے واپس کیوں کیا؟ بھائی حیات نے کہا کہ ہم حضرت خواجہ خان محمد صاحبؒ

کے مرید ہیں اور ہمارے مرشد نے ہمیں امانت کی حفاظت کرنے کی تاکید کی ہے۔

اولیاء کے قدموں میں بیٹھنے کی برکات

صحبت کے اثرات انسانی شخصیت پر بہت گہرے ہوتے ہیں۔کبھی کبھی لوگ سوال کرتے ہیں کہ لوگ یہ پیروں کے پاس کیوں جاتے ہیں؟ جب قرآن وحدیث موجود ہے تو لوگوں نے یہ بازار کیوں سجا رکھے ہیں؟ ایسے سوالات کرنے والوں کو کیا معلوم کہ انسان کے باطن کی جو بیماریاں ہیں،نفرت،حسد،غصہ،کینہ،نفرت،کسی کا حق غصب کرنا،دھوکا،جھوٹ، فریب،ان بیماریوں سے ان بوریہ نشینوں کے قدموں میں بیٹھ کر ہی نجات ملتی ہے۔ یہ سودے بازاروں میں نہیں بکتے کہ انسان خرید لائے۔تربیت اور مرشد کی صحبت کے ثمرات ساری زندگی سنوار دیتے ہیں۔

انسان کے اندر یہ خوبیاں اولیاء کے قدموں میں بیٹھ کر پیدا ہوتی ہیں۔ بابا جیؒ کی صحبت میں بیٹھ کر سفید ریش چچا مہر محمد لانگری ترکھانوں کے گھر سودا سلف دینے کے ساتھ چوّنی واپس کرنے جاتا ہے۔آپ کی صحبت میں رہنے والا ہمارے مدرسے کا ایک طالب علم نماز کے بعد مسجد میں کہتا ہے کہ مجھے وضو کی جگہ سے ایک موبائل ملا ہے،جن کا ہو وہ نشانی بتا کر مجھ سے لے لیں۔

دیگر متعلقین

صوفی شیر محمد صاحب

صوفی شیر محمد زرگر صاحب (میانوالی) کا شمار باباجیؒ کے قریبی اور با اعتماد ساتھیوں میں ہوتا ہے۔صوفی صاحب موصوف شیخ العرب والعجم مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ سے بیعت تھے۔اوائل جوانی میں آپ بہت باقاعدگی سے خانقاہ سراجیہ مولانا ابوالسعد احمد خانؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔مولانا سیّد حسین احمدؒ کے وصال کے بعد آپ خانقاہ سراجیہ مولانا محمد عبداللہ (حضرت ثانیؒ) سے بیعت ہوئے اور حضرت ثانیؒ کے وصال کے بعد باباجیؒ کے دامن سے مستقل وابستہ ہوگئے۔آپ کے وابستہ ہونے سے آپ کا پورا گھرانہ باباجیؒ کا مرید ہوگیا۔صوفی شیر محمد صاحبؒ کے گھر کے بارے میں باباجیؒ نے فرمایا کہ میانوالی میں صوفی صاحب کا گھر میرا ذاتی گھر ہے۔

باباجیؒ نہ صرف صوفی شیر محمد صاحب سے بلکہ ان کے فرزندان حاجی بشیر صاحب، حکیم رفیق اور مولانا نذیر احمد صاحب سے محبت کا معاملہ فرماتے تھے اوران کے دکھ سکھ کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔آپؒ کی ڈائریوں میں ہمیں صوفی شیر محمد صاحب کا ذکر ملتا ہے۔ صوفی صاحب کے انتقال پر آپ نے لکھا کہ ''۵رفروری ۱۹۸۳ء۔آج عشاء کی نماز کے بعد ساڑھے آٹھ بجے صوفی شیر محمد میانوالی والوں کا انتقال ہوا۔اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ. اللہ تعالیٰ مغفرت فرماوے اور اپنی قبر میں جنت کی راحتیں اور آسائشیں عطا فرماوے۔ آمین۔اور جملہ پسماندگان کو اِس صدمہ عظیم کا اجرِ جزیل عطا فرماوے۔آمین۔''

مولانا نذیر احمد صاحب

صوفی شیر محمد زرگر صاحب کے فرزند مولانا نذیر احمد صاحب گزشتہ نصف صدی سے جامعہ مسجد غوثیہ، کندیاں میں امامت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ ایک نیک، نفیس، ملیح اور عمدہ شخصیت کے مالک ہیں۔ باباجیؒ کے ساتھ آپ کی خط وکتابت ان کی قربت اور روحانی اور قلبی تعلق کو اُجاگر کرتی ہے۔

باباجیؒ کے تہجد کا معمول

غالباً ۱۹۶۵ء کی بات ہے، ایک بار مولوی نذیر صاحب باباجیؒ کی خدمت میں تشریف لائے۔ مغرب کی نماز کے بعد باباجیؒ نے فرمایا کہ مولوی صاحب! آپ نے ایک ہفتہ خانقاہ پاک رکنا ہے۔ شیخ کے حکم کی تعمیل فرض تھی۔ عشاء کی نماز کے بعد باباجیؒ نے کہا کہ مولوی نذیر! آپ نے میرے کمرے میں سونا ہے۔ مولانا نذیر صاحب نے کہا کہ جی حضرت! جو آپؒ کا حکم۔ مولانا نذیر صاحب کا کہنا ہے کہ حضرتؒ جب اپنے کمرے میں پہنچے تو کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں۔ بعد میں آپ نے اپنے وظائف مکمل کیے اور ہم سو گئے۔ رات اڑھائی یا تین بجے کا وقت ہوگا۔ سردیوں کی یخ بستہ رات تھی۔ باباجیؒ نے مجھے جگایا اور فرمایا کہ مولوی نذیر! اٹھیں، تہجد پڑھ لیں۔ میں آنکھیں ملتا اُٹھ بیٹھا۔ دیکھا تو پیتل کی گاگر میں حضرت قبلہؒ باورچی خانے سے پانی گرم کر لائے ہیں اور لوٹے میں پانی ڈال کر چوکی بھی رکھ دی ہے۔ میری عجیب کیفیت تھی۔ میں نے وضو کیا۔ اس کے بعد حضرت قبلہؒ نے فرمایا کہ مولوی صاحب! میرے ساتھ کھڑے ہوں۔ آپؒ نے تہجد کی آٹھ رکعت میں ایک پارہ اور چار رکوع تلاوت کی۔ تہجد کے بعد آپ مراقب ہوئے اور صبح کی اذان تک مراقبہ کیا۔ اذان کے بعد فجر کی سنتیں پڑھیں اور مسجد کے لیے تشریف لے گئے۔ میں نے چھ دن خانقاہ قیام کیا اور آپ نے میری تربیت فرمائی کہ تہجد کس طرح پڑھتے ہیں۔

مکاتیب بنام مولانا نذیر احمد صاحب

(۱)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے اعزی حافظ نذیر احمد صاحب مطالعہ فرماویں کہ آپ کے دونوں خط ملے۔ کوائف سے آگاہی ہوئی۔ والد صاحب قبلہ کی علالت باعثِ تشویش ہوئی۔ مولا پاک ان کو صحت کاملہ عاجلہ عطا فرماوے۔ اور آپ سب کو اطمینان وسکون کرامت فرماوے۔ آمین۔

ٹیکہ سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ اطمینان سے لگواتے رہیں۔ یہاں پہلے حافظ عطا محمد صاحب سنا رہے ہیں۔ تین پارے روزانہ سنے جا رہے ہیں۔ مولوی قطب الدین صاحب بھی ۴ر رمضان المبارک ہفتہ کے روز پہنچ رہے ہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ اطمینان سے قرآن مجید سناتے رہیں۔ ختم کرنے کے بعد آجاویں۔ یہاں بفضلہٖ تعالیٰ عافیت ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ.

فقیر کی طرف سے والد صاحب ودیگر سب احباب کی خدمت میں سلام مسنون عرض کر دیویں۔

والسّلام

۲ر رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ

از خانقاہ سراجیہ

(۲)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے اعزی وارشدی حافظ نذیر احمد سلمہ اللہ الصمد مطالعہ کریں کہ آپ کا خط ملا تھا۔ مندرجہ اش سے آگاہی ہوئی۔ خانقاہ پاک حاضری کے لیے موانع کا پڑھ کر صدمہ ہوا۔ اور بدیں وجہ آپ کی پریشانی مزید افسوس کا باعث ہوئی۔ عزیز! یہ سب فقیر ہی کا اثر ہے۔ اس فقیر حقیر لاشئے مسکین پر بھی سب اعزہ واقارب ناخوش رہتے ہیں۔ یہی اثر آپ کی طرف بھی منتقل ہو رہا ہے۔ فقیر کے ساتھ آپ کا جو تعلقِ خاطر ہے، فقیر کو اُس کا بہت احساس ہے۔ اللہ تعالیٰ اِس تعلق کو مزید برآں مضبوط کرے۔ اور اس کو اپنی خوشنودی اور

رضامندی کا باعث بناوے۔ آمین۔ یہی تعلق اور گرویدگی معنوی کمالات کے حصول کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اس کے بغیر ظاہری تعلق بے سود و بے معنی ہوتا ہے۔ لہٰذا اِس کو مستحکم کرنے کی سعی کرنی چاہیے۔ مولا پاک توفیق کرامت فرماوے۔ آمین۔

ماحول کے اس انداز سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ آخر وہ بھی اہلِ حقوق میں سے ہیں۔ اور اپنی طرف سے خیر خواہی کی بنا پر کرتے ہیں۔ ان کے حقوق کی بھی رعایت لازمی ہے۔ تاکہ نظام برہم نہ ہونے پائے۔ فقیر نے اپنی طبیعت کے برعکس یہ لکھ دیا ہے، ورنہ فقیر اس طرح کے خطوط لکھا نہیں کرتا۔ اور اِس وقت طبیعت کچھ اِس انداز میں ہے کہ بہت کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے:

اند کے پیشِ تو گفتم غمِ دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

فقیر بفضلہٖ تعالیٰ عافیت سے ہے۔ خانقاہ پاک میں بھی ہر طرح عافیت ہے۔ اور رمضان المبارک نہایت جمعیت وسکون سے گزر رہا ہے۔ اللّٰھم زد فزد. وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ.

والسّلام

۹ رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ — از خانقاہ سراجیہ

(۳)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے اعزی وارشدی حافظ نذیر احمد صاحب مطالعہ فرماویں کہ آپ کا مفصل والا نامہ ملا۔ مندرجہ اش سے آگاہی ہوئی۔ اکثر و بیشتر گھر والوں کی عجلت اس قسم کی پریشانیاں پیدا کر دیتی ہے۔ خیر اس سے آپ پریشان نہ ہوویں۔ اور اپنے مشغلہ میں ہمہ تن مشغول رہیں۔ مترس از بلائے کہ شب درمیان مشہور ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بہتری کی امید رکھنی چاہیے۔ اس جمیل مطلق کی طرف سے جو کچھ ہوتا ہے، سراسر جمیل ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت پاک کی رضا کے موافق زندگی گزارنے کے اسباب پیدا فرماوے۔ اور

دنیاو آخرت کی عزت وآبرو اور عافیت کرامت فرماوے۔آمین۔

فقیر کے پاس رہنا بڑا مشکل ہے۔فقیر کے پاس رہنا دنیاو جہاں کی مصیبتوں کو گلے لگانے کے مترادف ہے۔خدا طلبی بلا طلبی۔دوسرا جملہ ہے: درویشی دل ریشی۔درویش کی تعریف میں کسی نے کہا ہے، خاکے بیختہ وآب بروریختہ نہ کفے پارا از ودردے ونہ کسے را از وگردے۔ اس قسم کی درویشی اس زمانہ میں کون ہے جو کرلے گا؟ بہر حال یہ ہمت کا کام ہے۔شعر:

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰى سُعَادَ وَ دُوْنَهَا

قُلَلُ الْجِبَالِ وَ دُوْنَهُنَّ خُيُوْفٌ

فقیر بفضلہٖ تعالیٰ عافیت سے ہے۔خانقاہ پاک میں بھی خیریت و عافیت ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ. فقیر کی طرف سے عزیز رفیق کو سلام ودعوات۔

والسّلام

۲/رجب ۱۳۸۰ھ ازخانقاہ سراجیہ

(۴)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوةِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِيْمَاتِ وَالتَّحِيَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے عزیز مکرم مولوی نذیر احمد صاحب مطالعہ فرماویں کہ آپ کا ابھی ابھی رقعہ مع دس روپے موصول ہوا۔رسم نکاح کا کوئی پروگرام وضع شدہ نہیں تھا، اس لیے کسی کو اطلاع نہیں دی جاسکی۔حتیٰ کہ محمد افضل صاحب وغیرہ بھی شریک نہیں ہو سکے۔خود خانقاہ پاک پر رہنے والوں کو عین ایجاب وقبول کے وقت علم ہوا۔ولیمہ کی دعوت کندیاں والے ساتھیوں کو دی تھی۔باہر سے کسی ساتھی کو بالکل اطلاع نہیں دی۔آپ کے نہ آنے کا طبیعت پر واقعی بوجھ تھا۔آپ سے جو تعلق خاطر ہے وہ ایسی بے پرواہیوں سے بہت زیادہ بوجھ کا سبب بن جاتا ہے۔اور یہ اپنے بس کی بات نہیں ہے۔آپ کا نہ آنا اور روپے بھیج دینا بھی مناسب نہیں تھا۔فقیر اس طرح کسی سے ہدیہ روپے نہیں لیتا۔آپ زیادہ پریشان نہ ہوں، اس لیے رکھ لیے ہیں۔بہر حال جس طرح مولا پاک کو منظور تھا، ہوگیا۔آپ بھی

اب زیادہ فکر نہ کریں۔ گھر والوں کی علالت کا پڑھ کر افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرماوے اوران کو صحت کاملہ وشفائے عاجلہ عطا فرماوے۔ اور جملہ پریشانیاں دور فرما کر جمعیت وسکون کے ساتھ اپنے مشاغل دینیہ میں مصروف رکھے۔ آمین۔ فقیر کی طرف سے عزیز کو دعوات ودیدہ بوسی۔ والسّلام

۳۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ از خانقاہ سراجیہ

(۵)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے اعزی وارشدی حافظ نذیر احمد صاحب سلمہ اللہ الصمد مطالعہ فرماویں کہ آپ کے خطوط فقیر کو خانقاہ پاک ملتے رہے ہیں۔ اور حالات سے اطلاع ہوتی رہی ہے۔ آئندہ بھی یہی امید ہے کہ آپ اس فقیر کو گاہے گاہے اپنی یاد کی اطلاع دیتے رہیں گے۔ فقیر بھی اپنے وظیفۂ دعا گوئی سے غافل نہیں ہے۔ اللہ پاک اپنے فضلِ عمیم سے آپ کو مع اپنے جمیع ہمراہیوں کے علومِ نافعہ سے مشرف فرماوے۔ اور اپنے دین متین کی خدمت و اشاعت کے لیے قبول فرماوے اور دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرماوے:

ع ایں دعا زمن و از جملہ جہاں آمین باد

فقیر ۵/ ذی قعدہ کو خانقاہ پاک سے روانہ ہوا۔ چھ ذی قعدہ کو لاہور پہنچا۔ لاہور سے سات ذی قعدہ کو روانہ ہو کر آٹھ ذی قعدہ سرہند شریف حاضر ہوا۔ یہاں کتنا قیام رہے گا، واللہ اعلم بالصواب۔ بہرحال ذی قعدہ کے اواخر میں خانقاہ پاک انشاء اللہ تعالیٰ واپسی ہو گی۔ اس دوران میں یہاں خط لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقیر یہاں سے خط اس لیے لکھ رہا ہے تاکہ آپ یہ نہ سمجھیں کہ فقیر آپ کی طرف سے غافل ہے۔ آئندہ کے لیے یہ پوری طرح سے جان لیں کہ فقیر خط لکھے یا نہ لکھے، خط نہ لکھنے کو یاد و دعا میں غفلت پر محمول نہ کریں۔ فقیر کے ساتھ بابو عبدالوحید، عبداللہ خان صاحب، محمد اشرف خان صاحب ہیں۔ بعض احباب بعد میں پہنچیں گے۔ ہمراہی احباب سلام کہتے ہیں۔ فقیر کی طرف سے سب ساتھیوں کو سلام

مسنون کہہ دیں۔ والسّلام

از دربار عالیہ روضہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ

۹/ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ سرہند، ضلع پٹیالہ (ہندوستان)

(۶)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے مکرم ومحترم مولوی نذیر احمد صاحب مطالعہ فرماویں کہ آپ کا رُقعہ پڑھا۔ مافیہا سے آگاہی ہوئی۔ فقیر دعا گو ہے کہ مولا پاک اپنا فضل وکرم فرماوے۔ اور آپ کو صحت کاملہ و شفائے عاجلہ عطا فرماوے و دیگر جملہ پریشانیاں دور فرماوے۔ اور اپنی رضامندی وخوشنودی سے مشرف فرماوے۔ اور ہمیشہ اپنی حفاظت میں صحت و عافیت اور عزت وآبرو اور جمعیت وسکون کے ساتھ رکھے۔ آمین۔

منظوم اسماء حسنیٰ کسی ایک وقت میں پڑھا کریں۔ اور دلائل الخیرات کی بھی اجازت ہے۔ وہ بھی شروع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے وظائف عبودیت پر پابندی کی توفیق کرامت فرماوے۔ اور اپنی یاد سے آپ کے باطن کو منور کرے۔ اور اپنے انعامات سے سرفراز فرماوے۔ آمین۔

فقیر بفضلہٖ تعالیٰ بعافیت ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ.

فقیر کی طرف سے سب کو سلام مسنون۔ والسّلام

۱۳/محرم ۱۳۹۱ھ از خانقاہ سراجیہ

(۷)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے مکرم ومحترم مولوی نذیر احمد صاحب مطالعہ فرماویں کہ آپ کا دستی لفافہ ملا۔ مندرجہ اش سے آگاہی ہوئی۔ ایک روز پہلے حاجی محمد صدیق صاحب نے بھی زمین کا ذکر کیا تھا۔ اس قدر تھوڑی زمین سے اگر پورا فصل ہو تو دو چار بوری سے زائد آمدن ناممکن

ہے۔جس غرض کے لیے آپ زمین لینا چاہتے ہیں، پوری طرح پوری نہیں ہوگی۔البتہ ہر سال زمین کی قیمت میں اضافہ ہوتا جاوے گا۔اور جب کبھی آپ فروخت کریں گے، کچھ روپے زائدمل جاویں گے۔باقی زمین بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔فقیر اِس سلسلہ میں کوئی حتمی رائے عرض نہیں کرسکتا۔اپنے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے جس طرف اطمینانی کیفیت معلوم ہو، وہ کریں۔نیز والد بزرگوار سے مشورہ ضرور کریں۔اور ہر طرح عافیت ہے۔

والسّلام

۲۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ — از خانقاہ سراجیہ

(۸)

مولانا نذیر صاحب کا بابا جیؒ کے نام مکتوب

قبلہ حضور حضرت جی دامت برکاتہم۔السّلام علیکم۔سلام مسنون کے بعد بصد آداب وتکریم عرض ہے کہ اپنے خادم کو ٹریکٹر دے کر بھیج دیں وہ دس گٹو سیمنٹ اٹھا کر لے جائے۔ہمیں قیمتاً ساڑھے اٹھارہ روپے فی گٹو پڑا ہے۔حضور اگر قیمت ادا فرمادیں گے تو یہی ہو گی۔اور سب خیریت ہے۔حضور والا کی دعا کے محتاج ہیں۔

فقط والسّلام

از حقیر خادم نذیر احمد

یکم ذی القعدہ ۱۳۹۶ھ — مسجد غوثیہ کندیاں

بابا جی قبلہؒ کا جوابی مکتوب

سلام مسنون کے بعد گزارش ہے کہ آپ حضرات کی اس عنایت کا بہت بہت شکریہ۔جَزَاکُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنَّا خَیْرَ الْجَزَآءِ. بازار سے (سیمنٹ کی بوری) ساڑھے بائیس روپے میں پہلے خرید کی گئی تھی۔آپ لوگوں کو اگر خرید کرنی پڑے تو بازار کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔لہٰذا اِس میں مسجد کا نقصان ہوگا۔اس واسطے ساڑھے بائیس کے حساب سے قیمت -/۲۲۵ روپے ارسال ہیں۔

والسّلام

یکم ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ — فقیر خان محمد عفی عنہ

(۹)

بَعۡدَ الۡحَمۡدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرۡسَالِ التَّسۡلِیۡمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے مکرم ومحترم مولوی نذیر احمد صاحب مطالعہ کریں کہ فقیر بفضلہٖ تعالیٰ بعافیت ہے۔ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ. فقیر آپ سب کی صحت و عافیت اور سلامتی کا طالب ہے۔ مولا پاک نصیب فرماوے۔ آمین۔

اس جمعہ پر اور آئندہ ہر جمعہ پر ربوہ کے نام کی تبدیلی کی قرارداد منظور کروا کر افسرانِ بالا اور اخبارات میں بھجوایا کریں۔ اس سلسلہ میں دوسری مساجد میں بھی تحریک کریں۔ نہایت ضروری ہے۔ فقیر کی طرف سے سب کو سلام۔ والسّلام

۱۴رذی الحجہ ۱۳۹۷ھ از خانقاہ سراجیہ

(۱۰)

۱۲ر اکتوبر (۱۹۷۹ء) جمعہ کے روز صبح دس بجے فرزندی عزیز احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کی شاملِ خانہ آبادی کے سلسلہ میں دعوت ولیمہ ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اُس میں شرکت کی دعوت پیش ہے۔ ضرور تشریف لاویں۔ والسّلام

فقیر خان محمد عفی عنہ

(۸ر ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ/ ۳۰ر ستمبر ۱۹۷۹ء) از خانقاہ سراجیہ

(۱۱)

سلام مسنون کے بعد گزارش ہے۔ اس بچے کے والد کو فرمائیں کہ وہ صبح کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان ۴۱ بار اَلحمد شریف مع بسم اللہ پڑھ کر بچے کی واپسی کے لیے دعا کیا کرے۔ جب بچہ واپس آ جاوے تو اس کو اسی طرح الحمد شریف پڑھ کر پانی پر دَم کر کے پلاوے۔ انشاء اللہ تعالیٰ فائدہ ہوگا۔ اور ہر طرح سے عافیت ہے۔ والسّلام

۱۹ر صفر المظفر ۱۴۰۲ھ از خانقاہ سراجیہ

(۱۲)

سلام مسنون کے بعد گزارش ہے کہ بچی کے فوت ہونے کا افسوس ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ. لیکن بروقت اطلاع نہ دینے کا بھی افسوس ہے۔ کوئی تو جنازہ میں شریک ہوجاتا۔

اللہ تعالیٰ بچی کو والدین کے لیے اجر و فرط اور شافعہ بناوے اور اس کا نعم البدل عطا فرماوے۔ آمین۔

دَفْنُ الْبَنَاتِ مِنَ الْمَکْرُمَاتِ ایک عربی محاورہ ہے۔ لیکن اولاد تو ہے اور اولاد کا صدمہ بہرحال بہت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم و کرم فرماوے۔ آمین۔

فقیر بعافیت ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ.

فقیر کی طرف سے سب کو سلام و دعوات۔ والسّلام

فقیر خان محمد عفی عنہ

۱۴ ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ ازخانقاہ سراجیہ

(۱۳)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے مکرم و محترم مولوی نذیر احمد صاحب مطالعہ فرماویں، فقیر بفضلہٖ تعالیٰ بعافیت ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ. فقیر آپ سب کی صحت و عافیت اور سلامتی کا طالب ہے۔ مولا پاک نصیب فرماوے۔ آمین۔

حاملِ رقیمۂ ہٰذا اپنے ساتھی ہیں، موسیٰ خیل کے رہنے والے ہیں۔ کام کی نوعیت زبانی بیان کریں گے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ بھی ممکن ہو سکے اُس سے دریغ نہ کریں۔ فقیر ممنون ہوگا۔ فقیر کی طرف سے بچوں کو دعوات۔ والسّلام

بروز جمعۃ المبارک ازخانقاہ سراجیہ

(۱۴)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد

عفی عنہ کی طرف سے عزیز مکرم مولوی نذیر احمد صاحب مطالعہ کریں۔ اُس روز میانوالی آپ کے آ جانے کے بعد پتہ چلا کہ آپ گھر والوں سے ناراض ہیں۔ آپ اور گھر والوں سے ناراضگی، تعجب ہوا۔ فوراً خاوند بیوی جا کر والدین کو راضی کریں۔ اور شکایت آئندہ ہرگز نہ پیدا ہونے دیں۔ یہ فقیر کی طرف سے حکم ہے۔ کوئی عذر مسموع نہیں ہوگا۔ اور ہر طرح سے عافیت ہے۔

والسّلام

از خانقاہ سراجیہ

(۱۵)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے مولوی نذیر احمد صاحب مطالعہ کریں کہ کل منگل کی صبح کو مولانا تاج محمود صاحب فیصل آباد والے ماڑی انڈس سے آ رہے ہیں۔ آپ ان کو اسٹیشن سے لے کر اپنے پاس لے جائیں۔ پھر اِنشاءاللہ تعالیٰ عزیز احمد اُن کو آپ کے پاس سے لے آوے گا۔ اطلاعاً تحریر ہے۔ باقی ہر طرح سے عافیت ہے۔

والسّلام

از خانقاہ سراجیہ

(۱۶)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ. منجانب فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ، محترم جناب مولانا نذیر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ مطالعہ فرمائیں۔ آپ کا مکتوب گرامی ملا۔ فقیر آپ پر راضی اور خوش ہے۔ کسی نے غلط تاثر دے کر آپ کو پریشان کیا ہے۔ آپ بڑی خوشی سے تشریف لایا کریں:

ع کفر است در طریقت ما کینہ داشتن

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے فضل و کرم و رضا و رحمت سے نوازے۔ آمین۔ اور ہر قسم کے اغوائے نفسانی و شیطانی سے بچائے۔ آمین۔ اور ذکر، شکر اور حسن عبادت کی توفیق بخشے۔ آمین

والسّلام

قاری عبدالرحمٰن سرگودھا والے

قاری عبدالرحمٰن صاحب، جن کا وطن مولود کلورکوٹ اور مدرسہ سرگودھا میں ہے۔ میں ایک بار لاہور کے سفر میں تھا۔ تین چار گھنٹے قاری صاحب کے ہاں قیام کیا۔ آپ نے بابا جیؒ کی عجیب کرامت بیان کی۔ فرمایا کہ حامد صاحب! جس دن سے حضرت قبلہ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے، اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے محفوظ کر دیا ہے۔ اللہ اپنے کرم سے آئندہ بھی محفوظ فرمائے۔

میٹھے پانی کا چشمہ

سرگودھا ریلوے پل کے ساتھ قاری صاحب کا مدرسہ ہے۔ وہاں کی ایک کرامت، جو اللہ پاک نے حضرت بابا جیؒ کی دعاؤں پر ظاہر فرمائی، یہ ہے کہ مدرسے کے ساتھ ایک بہت بڑی مارکیٹ ہے۔ اس مارکیٹ کے مالک نے تین چار جگہ پانی کے لیے بور کرایا اور ہر بار پانی کڑوا نکلا۔ قاری صاحب فرماتے ہیں کہ ہم متفکر تھے کہ ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا سلسلہ کیسے ہو؟ بابا جیؒ قبلہ کے پاس آئے اور پریشانی بیان کی۔ بابا جیؒ خود سرگودھا تشریف لے گئے۔ مدرسے میں قیام کیا۔ دعا فرمائی اور کنواں کھودنے کا حکم دیا۔ جب پانی نکلا تو وہ اتنا شیریں، میٹھا اور شفاف تھا کہ ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اب میٹھے پانی سے نہ صرف مدرسے کے طالب علم سیراب ہوتے ہیں بلکہ آس پاس کے لوگ بھی آپ کو دعائیں دیتے ہیں۔

مفتی جمیل احمد خان شہیدؒ

حضرت بابا جیؒ کے کتنے ایسے خادم ہیں جو سامنے نظر نہیں آتے۔ خود حضرت بابا جیؒ نے اپنی ایک تحریر میں اظہار فرمایا کہ مفتی جمیل خان صاحبؒ شہیدِ ختم نبوت کو چار بزرگوں سے خلافت ملی، اس کے باوجود خانقاہ پاک میں پے در پے حاضری دیتے۔ ایک دفعہ

حضرت باباجیؒ کی عینک بنوانے کے لیے لاہور سے آنکھوں کا ڈاکٹر مع سازوسامان لے آئے۔ حضرت باباجیؒ کی آنکھیں چیک کرنے کے بعد لاہور سے عینک تیار کروا کر دوبارہ دینے کے لیے آئے۔

رانا عبدالرؤف

آخری ایام میں عموماً حضرت باباجیؒ پر غنودگی طاری رہتی تھی اور بولتے تھے تو صحیح طرح سمجھ نہیں آتی تھی مگر اپنی رائے کا اظہار فرما دیتے تھے۔ جب حضرت باباجیؒ لاہور علاج کے لیے تشریف لے گئے اور ڈاکٹرز ہسپتال میں داخل رہے اور واپس خانقاہ شریف ہوائی جہاز سے آئے تو مجھ سے فرمایا تھا کہ چھوٹے بھائی نے جہاز کا بندوبست کیا اور اس پر ہم میانوالی پہنچے۔ میانوالی سے کار پر خانقاہ شریف پہنچے۔ (چھوٹے بھائی سے مراد رانا عبدالرؤف صاحب تھے۔) اللہ تعالیٰ ان کو اپنی شایانِ شان جزائے خیر عطا فرمائے اور ظاہر سے باطن کو بہتر بنائے اور دنیا و آخرت کی کامرانیوں سے نوازے۔ آمین۔

خُدّام

صوفی محمد عبداللہ

حاجی محمد یعقوب صاحب فرماتے ہیں کہ میں ۱۹۸۰ء میں خانقاہ شریف حاضر ہوا۔ اس وقت مستقل حاضر باش خدام میں سے ایک شخصیت حضرت صوفی محمد عبداللہ صاحبؒ کی تھی۔ آپ افغانستان کے بادشاہ امان اللہ خان کے درزی تھے۔ جب قسمت نے یاوری کی تو خانقاہ سراجیہ پہنچ گئے۔ تب حضرت اعلیٰ مولانا ابوالسعد احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دور تھا۔ بس ایک نظر دیکھا اور دِل دے بیٹھے۔ افغانستان سے کئی لوگ لینے آئے مگر وہ کسی قیمت پر جانے کو تیار نہ تھے۔

اپنی جہاں آنکھ لڑی پھر وہیں دیکھو!
آئینے کو لپکا ہے پری شان نظری کا

افغانستان میں شہزادوں کی طرح رہتے تھے۔ ان شاہی تکلّفات کو ٹھکرا کر یہاں ریگستان میں ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت سے رہنے لگے۔ سارا دن لنگر کے جانور دریا کے کنارے چراتے، شام کو واپس آتے۔ پھر رات کو بندوق لے کر خانقاہ کے اردگرد پہرا دیتے۔ ہمارے حضرت باباجیؒ حضرت صوفی صاحب کی باتیں خوب عقیدت سے سناتے تھے۔

گائے کو تنبیہ

ایک مرتبہ صوفی صاحب جانور دریا پر لے گئے اور جب واپس پہنچے تو ایک گائے نہیں تھی۔ ہم نے پوچھا، وہ گائے کہاں ہے؟ حضرت صوفی صاحب نے جواب دیا، وہ لوگوں کی گھاس چر جاتی ہے، اس کو تنبیہ کی ہے، اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی ہے، فلاں جگہ پڑی ہے

اُٹھالاؤ۔

گھوڑی کا واقعہ

خانقاہ کے مہمانوں کی حفاظت اور خدمت کا خاص خیال رکھتے تھے۔ایک مرتبہ کسی مہمان کی گھوڑی کپاس میں بندھی ہوئی تھی اور چکر کاٹ کاٹ کر پھنس گئی تھی۔حضرت صوفی صاحب اس کو کھولنے گئے۔رسّی کو گھماتے گئے۔رسّی کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔رسّی کا وسیع دائرہ دیکھ کر گھوڑی ڈر گئی اور کھونٹا اُکھاڑ کر بھاگنے لگی۔کھونٹا اور رسّی صوفی صاحب کی کلائی میں پھنس گئے۔کلائی سے ہاتھ کٹ گیا اور رسّی سے باہر نکل آیا اور ہاتھ لٹکنے لگ گیا۔ہم صوفی صاحب کو میانوالی ہسپتال لے گئے۔بہت ضعیف تھے اس لیے ہسپتال والے ایک دوسرے سے مشورہ کرنے لگے کہ بے ہوش کیا تو بابا فوت ہو جائے گا۔کریں تو کیا کریں؟ صوفی صاحب نے پوچھا کہ یہ لوگ علاج کیوں نہیں کر رہے۔میں نے جواب دیا کہ وہ بے ہوش کرنے سے ڈر رہے ہیں۔فرمایا، واہ کملا! ان کو بلاؤ۔سٹول پر بیٹھ گئے، اپنا ہاتھ گھٹنے پر رکھا اور فرمایا، لو بے ہوش کیے بغیر ہی ٹانکے لگا دو۔(پھر بے ہوش کیے بغیر) ٹانکے لگا دیے گئے اور گھر آ گئے۔صوفی صاحب اس واقعہ کے بعد تقریباً پچاس سال زندہ رہے مگر زخم پر مسح نہیں کرتے تھے، دھوتے تھے جس کی وجہ سے آخری دم تک زخم ہرا رہا۔جب میں خانقاہ شریف پہنچا تو صوفی صاحب تقریباً ۹۰ سال سے اوپر تھے مگر اُن کی نگاہ ہر آدمی پر رہتی تھی۔آپ اس مصرع کا مصداق تھے:

ع جو سدا رہتے ہیں چوکس پاسبانوں کی طرح

صوفی صاحب کا حقہ

حضرت صوفی صاحب حقہ کے عادی تھے مگر خانقاہ میں حقہ پینا بے ادبی سمجھتے تھے۔ رمضان المبارک میں رات دو بجے تراویح ختم ہوتی تو سحری کھا کر کندیاں چلے جاتے۔ تقریباً چھ کلومیٹر کے فاصلہ پر اسٹیشن کے آؤٹر سگنل پر ایک بابا حقہ والا تھا، اس کے پاس حقے کے کش لگاتے اور واپس خانقاہ شریف میں صبح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتے۔رات کو

عشاء کے بعد بابو دلّی والے ان کے لیے چائے پکاتے اور حضرت صوفی صاحب نوش فرماتے۔ ہم ان کی محفل میں بیٹھا کرتے تھے۔ ان کا انتقال ہوا تو حضرت بابا جیؒ نے بذریعہ گرامی نامہ اطلاع فرمائی کہ ہم ایک نہایت ہی مخلص مہربان سے محروم ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ. آپ خانقاہ شریف کے قبرستان میں مدفون ہیں۔

مولانا غلام محمد جھنگویؒ

انہی دنوں خانقاہ شریف میں مولانا غلام محمد صاحبؒ رہائش پذیر تھے۔ آپ ہمارے حضرت بابا جیؒ کے خلیفہ تھے۔ آپ کے ذمہ لائبریری کی کتب کی دیکھ بھال تھی۔ فن کے اعتبار سے تمام کتابوں کی فہرست مرتب کی اور فہرست کے مطابق کتابوں کو الماریوں میں سجایا۔ فارغ اوقات میں تعویذ لکھنا آپ کی ذمہ داری تھی اور حضرت بابا جیؒ کی مخصوص پانچ پاٹ والی ٹوپیاں بھی مولانا صاحب خود تیار فرماتے تھے۔ لائبریری کی کتب کی صفائی اور جلدوں کی حفاظت مولانا صاحب کا خاص ذوق تھا۔ سرخ غلاف والی تعویذوں کی کتاب مولانا صاحب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت بابا جیؒ نے راقم (محمد یعقوب) کو فرمایا کہ کتب کے پشتے پر کتاب کے نام کی چٹ لگا کر رجسٹر کے نمبر کا اندراج بھی کر دیا جائے تا کہ کتاب آگے پیچھے ہو تو آسانی سے اپنی مطلوبہ جگہ پر رکھی جا سکے۔ بندہ بھی خون لگا کر شہیدوں میں شامل ہو گیا۔ مولانا صاحب سرگودھا روڈ جھنگ پر قصبہ اکڑیانوالہ کے رہائشی تھے۔ آخری ایام میں سرگودھا شہر میں کوٹ فرید کی مسجد کے امام مقرر ہوئے۔ آپ کی غیر موجودگی میں تعویذات کی لکھائی بھی بندہ کے ذمہ تھی۔ چونکہ ہزاروں کی تعداد میں تعویذات لکھنے ہوتے تھے تو حضرت بابا جیؒ نے فرمایا کہ اچھا ہے تعویذوں کی زکوٰۃ لکھتے لکھتے ادا ہو جائے گی۔ مولانا صاحب عام طور پر شکوہ فرماتے تھے کہ حضرت صاحب کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو گیا تو دوسرا نکاح فرما لیا، مگر مجھے نکاح نہیں کرنے دیتے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائیں۔

قاری عبدالرحیم میانہ صاحبؒ

جن دنوں مجھے خانقاہ شریف میں حاضری نصیب ہوئی تو کچھ نمازیں قبلہ حضرت بابا جیؒ خود پڑھاتے اور کچھ نمازیں قاری عبدالرحیم صاحب، جو حافظ محمد عبداللہ صاحب کے والد تھے، پڑھاتے تھے۔ حافظ عبداللہ صاحب آج کل آدھی کوٹ خوشاب کے سکول میں ملازم ہیں۔ قاری عبدالرحیم صاحبؒ کو سانس کی تکلیف تھی اور جلد ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

حضرت قاری غلام رسول صاحبؒ

حضرت قاری غلام رسول صاحبؒ خانقاہ شریف کے مایہ ناز طالب علم تھے۔ آپ کی تعلیم کے لیے انڈیا سے قاری محمد شریف صاحب کو استاد مقرر کیا گیا۔ قاری غلام رسول صاحب نے مجھے اپنا واقعہ سنایا کہ میں قاری صاحب کے پاس پڑھتا تھا۔ گھر کی خدمت بھی میں کرتا تھا۔ کپڑے دھونا، صفائی کرنا اور گائے کی خدمت بھی میرے ذمے تھی۔ سبق کی وجہ سے مار بھی مجھے سب سے زیادہ پڑتی تھی۔ جب قرآن مجید کی تعلیم مکمل ہوئی اور میں فارغ ہو کر جانے لگا تو حضرت استاد جی نے مجھے بلایا اور فرمایا، قاری صاحب! میں آپ کو مارتا بھی تھا اور کام بھی کراتا تھا، آپ مجھے اللہ کے لیے معاف فرما دیں، میرا کام کرانا اور مارنا صرف آپ کی اصلاح کے لیے تھا، تاکہ آپ معاشرہ میں ناکام نہ ہو جائیں۔ استاد جی بھی رو رہے تھے اور میں بھی رو رہا تھا۔ پھر میں رخصت ہوا۔ یہ استاد جی کی مار اور محبت کی برکت ہے کہ میں نے ۵۱ سال قرآن مجید پڑھایا اور اس وقت دنیا بھر میں میرے شاگرد ہیں۔ قاری صاحب مانسہرہ میں بیمار تھے، یہ ان کا خانقاہ شریف سے لگاؤ تھا کہ خانقاہ شریف آئے اور یہاں فوت ہو کر پیوندِ خاک ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ۔[1]

۱۔ حافظ میاں محمد اکبر صاحبؒ کل ۵/نومبر ۲۰۱۰ء تک حیات تھے، آج رحمۃ اللہ علیہ بن گئے۔ یہ بھی قاری غلام رسول صاحب کے ہم درس تھے۔

قاری مفتاح الاسلام صاحب

قاری عبدالرحیم کے بعد قاری محمد ظریف صاحب امامت فرماتے اور وہ بھی دوسری جگہ چلے گئے۔ اُن دنوں ہمارے حضرت کا مانسہرہ کا دورہ تھا۔ میں بھی حضرت کے ہمراہ تھا۔ کسی گھر میں مجلس کے دوران قاری مفتاح الاسلام صاحب نے تلاوت فرمائی جو بہت پسند کی گئی۔ آپ قاری غلام رسول صاحبؒ کے صاحبزادے تھے۔ بندہ نے تجویز پیش کی کہ قاری غلام رسول صاحب کے ایک صاحبزادے خانقاہ شریف میں متعین ہوں تاکہ قاری محمد ظریف صاحب کی جگہ پُر ہو سکے۔ حاجی عبدالرشید صاحب مدظلہٗ بھی حضرت کے شریکِ سفر تھے۔ آپ نے بھرپور تائید فرمائی۔ قبلہ حضرت بابا جیؒ سے ہم نے عرض کیا اور دعا کی گذارش کی۔ قاری غلام رسول صاحبؒ نے گذارش قبول فرمالی اور اپنے لاڈلے خوش الحان بیٹے قاری مفتاح الاسلام صاحب کو خانقاہ شریف کے لیے پیش فرمایا جو اُس وقت سے نہ صرف مدرسہ سعدیہ کے مدرّس، بلکہ مسجد کے امام بھی ہیں اور حضرت بابا جیؒ کی ہدایات کے مطابق نماز پڑھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

صوفی اشفاق اللہ واجد

میرے خانقاہ شریف میں حاضر ہونے سے پہلے صوفی اشفاق اللہ واجد صاحب یہاں لانگری کی خدمات ادا کرتے تھے، پھر گوجرہ تشریف لے گئے۔ ان کے کارناموں کے تذکرہ کے لیے علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔ بس اتنا کافی ہے کہ ہمارے حضرت بابا جیؒ ان سے محبت کرتے تھے اور صوفی صاحب دل و جان سے حضرت بابا جیؒ پہ فدا تھے۔ حضرت بابا جیؒ کی حیاتِ طیبہ پر کتاب ''میرے خلیل'' آپ نے تصنیف فرمائی اور اس کے علاوہ سلسلہ پاک کی ترویج کے لیے کافی کتابیں لکھی ہیں۔ آج کل گوجرہ میں پینسرہ روڈ بائی پاس احمد ٹاؤن کے نزدیک دارالقرآن کے نام سے ایک مدرسہ کے مہتمم ہیں اور ماہنامہ ''فیضانِ

سعد'' شائع فرماتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں ''سراج الوظائف'' کے نام سے ایک نہایت ہی دیدہ زیب کتاب شائع فرمائی ہے جس میں بزرگوں کے اکثر وظائف درج فرما دیے ہیں۔ آپ نے اپنی کتاب ''فیضانِ معصومیہ'' میں تیرہ حضرات ذی قدر مشائخ کے احوال درج فرمائے ہیں اور کتاب ''کشکولِ اولیا'' میں مختلف اولیاء اللہ کے احوال و معمولات پر خوش کُن معلومات درج فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تحریر کردہ کتب کو نافعِ خلائق بنائے اور آپ کے دستِ راست عزیز محمد باہو صاحب کی زندگی میں برکت دے (آمین)۔

برادرم بشیر احمد

برادرم بشیر احمد کے شب و روز کے معمولات کو گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو ان کی زندگی کا ایک ہی مقصد رہا ہے اور وہ ہے بابا جیؒ قبلہ اور لنگر شریف کی تن دہی سے خدمت۔ ان کے ذکر کے بغیر ہمارے عہد کی خانقاہ کا تذکرہ نامکمل رہے گا۔

گرمی، سردی، بہار، خزاں، بارش، آندھی یا طوفان، ہر موسم میں بشیر احمد اپنی ذات سے بے پرواہ ہو کر لنگر کی خدمت میں مگن رہتے۔ برادرم بشیر کون ہے؟ کہاں سے آیا؟ وہ جہاں سے بھی آیا، حضرت بابا جیؒ کا ہو کر رہ گیا۔ یہ تو عشق کا سودا تھا جس میں عمر تج دی۔ بقول برادرم بشیر احمد، ''میں ایک کُرتے میں آیا تھا۔ میرے والد محترم کا نام عبدالستار تھا۔ ہم دو بھائی تھے۔ میرے بڑے بھائی کا نام شبیر احمد تھا۔ میرے والدین کا مسکن کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان تھا۔ ہمارا گھر اماں جیؒ کلاچی والی کے گھر سے متصل تھا (اماں جیؒ کلاچی والی بانیِ خانقاہ سراجیہ مولانا ابو اسعد احمد خان صاحبؒ کی تیسری اہلیہ تھیں)۔ ہم نے ایک عمر اُن کی شفقت کے سائے میں گزاری۔ اماں جیؒ کلاچی کی وساطت سے میرے والد محترم عبدالستار اور والدہ خانقاہ موسیٰ زئی شریف حضرت خواجہ سراج الدین صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے۔ ایک عرصہ انہوں نے خانقاہ موسیٰ زئی شریف بزرگوں کی خدمت میں گزارا۔ حضرت خواجہ سراج الدین صاحبؒ کے وصال کے بعد مولانا ابراہیم صاحبؒ مسند نشین ہوئے تو

میرے والدین نے ایک عرصہ ان کے ساتھ گزارا۔ بعدازاں وہ دریا خان حضرت جان محمد کے بنگلے پر آ گئے۔ اس دوران ایک بار دریا خان سے ان کا خانقاہ سراجیہ آنا ہوا۔ بابا جی قبلہؒ کی شفقت دیکھ کر انہوں نے میرے بھائی شبیر احمد کو مدرسے میں داخل کرا دیا۔ اس وقت مدرسہ میں قاری غلام ربانیؒ مدرس تھے۔ بقول قاری غلام ربانیؒ، شبیر احمد مدرسے کا سب سے پہلا حافظ تھا۔ میں بھی بھائی کے ساتھ خانقاہ آیا۔ وہ حفظ کر کے چلا گیا۔ بابا جی قبلہؒ نے مجھے اپنے پاس بیٹا بنا کر رکھ لیا اور بیٹوں سے بڑھ کر شفقت فرمائی۔ ساری عمر اِس حد تک خیال رکھا کہ مجھے اپنا گھر، وطن، والدین سب بھول گئے۔''

چاچا عبدالرحمٰن[1] اور ماسی جیواں

جس دور میں خانقاہ سراجیہ کا ریلوے اسٹیشن وجود میں آیا، وہاں پہلا اسٹیشن ماسٹر بابو سلیم تھا اور پانی بھرنے والا چاچا عبدالرحمٰن اور اس کی اہلیہ ماسی جیواں — دو محنت کش، کلروالی، ضلع مظفر گڑھ کے رہنے والے — وہ ریلوے کوارٹروں میں آن آباد ہوئے۔ ایک دن سورج جب کافی اوپر آ گیا تھا، عبدالرحمٰن اپنا کام نمٹا کر سامنے مشرقی سمت نظر آنے والی عظیم الشان گنبدوں والی مسجد کی طرف چل پڑا۔ وہ خانقاہ پہنچا اور بابا جی کی خدمت میں بیٹھ گیا۔ اسے خانقاہ کے ماحول کی پاکیزگی ایسی بھائی کہ وہ ایک دن اپنی اہلیہ کو ساتھ لایا اور بابا جیؒ کا مرید ہو گیا۔ آپؒ نے اسے لنگر کی خدمت کے لیے کہا تو بلا چون و چرا، وہ ریلوے کوارٹر سے اٹھ کر خانقاہ چلا آیا۔ اس نے بھینسوں کی دیکھ بھال کو اپنے ذمہ لے لیا اور ماسی جیواں نے لنگر کی خدمت کو اپنا شعار بنا لیا۔ عبدالرحمٰن کی بیٹیوں نے لنگر کو اپنا گھر سمجھا اور گھر کے کام مستعدی سے نمٹانے لگیں۔ اسی دوران آپا جیؒ نے بابا جیؒ سے بات کی کہ میرا خیال ہے کہ اگر بشیر احمد کا رشتہ عبدالرحمٰن کے گھر ہو جائے تو مناسب رہے گا۔ بابا جیؒ نے رضامندی کا اظہار کیا اور عبدالرحمٰن کی بیٹی منظوراں بی بی برادرم بشیر کے عقد میں آ گئی۔ یہ صرف شادی کا بندھن نہیں تھا بلکہ منظوراں نے نہ صرف پورے گھر اور لنگر کا انتظام سنبھالا بلکہ خوش اُسلوبی

---

[1] ۔ برادرم بشیر احمد کا سسرال

سے چلایا۔ مہمانوں کا سالن تیار کرنا، اس بات کا خیال رکھنا کہ کون کون سے درویش پرہیزی غذا لیتے ہیں، کس بزرگ درویش کی روٹی موٹی اور نرم پکانی ہے۔ لنگر کے تمام برتن دھو کر انہیں ترتیب سے رکھنا، بستروں اور مہمانوں کا خیال رکھنا اسی کے ذمے تھا۔ لالہ بشیر اور منظوراں نے باباجیؒ کے لنگر کی خدمت میں اپنی جوانی اور عمر لگا دی۔ عبدالرحمٰن کی تین اور بیٹیوں نے بھی اس دینی خانوادے کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھا اور وہ مستقل اس گھرانے کی خدمت میں ہمہ تن مشغول ہیں۔ ان کو یہ یاد نہیں کہ ان کا اصلی وطن کون سا ہے۔ ان کا ایک بھائی عبداللہ، جو بچپن میں ہمارے ساتھ مدرسے میں پڑھتا تھا، اس کی جب شادی ہوئی تو اس کی اہلیہ صغراں بی بی نے لنگر کی بہت خدمت کی، آپا جیؒ صغراں اور منظوراں پر مکمل اعتماد کرتی تھیں اور لنگر کے سودا سلف کی الماری کی چابیاں ان کے حوالے تھیں۔ بعدازاں صغراں بی بی اپنے خاوند عبداللہ کے ساتھ اپنے وطن موضع کلروالی، علی پور، ضلع مظفر گڑھ چلی گئی اور برادرم بشیر اور منظوراں شب و روز لنگر کی خدمت کو سعادت سمجھ کر گزار رہے ہیں۔ جہاں انہوں نے باباجیؒ کی بے لوث خدمت کو ایمان جانا، وہاں باباجیؒ نے برادرم بشیر کی بیٹیوں اور بیٹوں کی شادیوں کا انتظام خود کیا اور تمام شادیاں خوش اُسلوبی سے خود اپنی نگرانی میں کروا کر اپنے دینی خانوادے کی عظمت کا پاس رکھا۔

برادرم بشیر احمد کا دورانیہ خدمت

اُن دنوں حضرت باباجیؒ کی موٹر سائیکل، پھر جیپ اور پھر کار چلانا سب بھائی بشیر احمد صاحب کے ذمے تھا۔ فصل کی کاشت، جانوروں اور بھینسوں کی نگہداشت، کندیاں یا میانوالی بازار سے سودا سلف کی خرید، خانقاہ پاک کے لیے گندم کی خریداری اور حفاظت سے ذخیرہ کرنا، قربانی کے جانور خریدنا اور ذبح کا بندوبست، خوشی غمی کے تمام انتظامات میں باورچی کا بندوبست، سب برادرم بشیر احمد کی ذمہ داری ہے۔ مزید برآں قبلہ حضرت باباجیؒ جب سفر پر جاتے تو گاڑی چلانا بھی ان کی ذمہ داری تھی۔ اب گاڑی چلانے کی ذمہ داری ان کے بیٹوں جنید اور عمیر کی ہوگئی ہے۔ ایک دن میں جنید کے ساتھ حضرت باباجیؒ کی نئی

گاڑی میں اسلام آباد کے کچے راستے پر گیا تو جنید کہنے لگا، یہ گاڑی مجھے جان سے پیاری ہے۔ ان کچے رستوں پر گاڑی چلا کر تو میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔ میرے خیال میں برادرم بشیر احمد بالوں کی سفیدی کو خضاب سے چھپاتے ہیں، مبادہ سفید بال دیکھ کر حضرت باباجیؒ مجھے خدمت سے نہ ہٹادیں۔ اگرچہ ان کی چال بڑھاپے کی غمازی کرتی ہے۔

میری نظر میں اس وقت برادرم بشیر احمد سے بھی زیادہ اہم فریضہ ان کی اہلیہ محترمہ ادا کرتی ہیں۔ لنگر کی روٹی تو تندورچی پکاتا ہے مگر لنگر کے سالن چائے کا انتظام بھابھی کے ذمے ہے۔ تین وقت چائے روٹی پکانا تو اتنا مشکل نہیں، جب بے وقت مہمان آتے ہیں تو اندرفون پر اطلاع جاتی ہے کہ چار مہمانوں کے لیے چائے بھیجو، اور اللہ کی شان! چائے بھی ایسی عمدہ کہ ہوٹلوں میں بھی دستیاب نہ ہو۔ دم پخت چائے آتی ہے۔ شوگر کے مریضوں کی رعایت سے چینی علیحدہ آتی ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ برادرم بشیر احمد اور ان کی اہلیہ اگر چھٹی چلے جائیں تو خانقاہ پاک میں لنگر کی تقسیم کی چھٹی ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک میں حضرت باباجیؒ باورچی خانہ میں تشریف لے گئے اور کام کرنے والی مستورات کو فرمایا کہ یہ نہ سمجھنا میری توجہ صرف مردوں پر ہے، آپ تمام خواتین پر بھی میری پوری توجہ ہے۔

اسی طرح ایک اور جوڑا بھی لنگر کی خدمت میں دن رات مگن رہتا ہے وہ پپو اور اس کی بیوی ہیں جو دوسو سے لے کر دو ہزار تک مہمانوں کے لنگر کی خدمت سرانجام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی دستگیری فرمائے اور خوش وخرم رکھے، آمین۔

باباجیؒ کا مال خانے میں معمول

برادرم بشیر نے بتایا کہ باباجیؒ صبح ناشتے کے بعد جب اپنے حجرے میں جانے کے لیے نکلتے تو پہلے مال خانے میں آتے، جانوروں کے چارے اور بھوسے وغیرہ کی بابت معلوم کرتے۔ آپؒ کو اپنے گھوڑے سے بھی بہت پیار تھا۔ اس کی پیٹھ تھپکتے اور اکثر اپنے رومال سے اسے جھاڑتے بھی تھے۔

بابا جیؒ کی بھینس پر توجہ

بات مال خانے کی ہو رہی تھی۔ ایک بار سردیوں کی فجر میں مال خانے تشریف لائے، وجہ یہ بنی کہ بھینس نے دودھ نہ دیا اور گھر دودھ نہ پہنچنے کی وجہ سے پریشانی تھی۔ فرمایا کہ بھئی! درویشوں کی چائے نہیں بنی، دودھ نہیں پہنچا؟ خادم نے کہا کہ حضرتؒ! بھینس کھڑی نہیں ہو رہی، ٹانگ مار دیتی ہے۔ بابا جیؒ نے فرمایا کہ تم بھینس کے نیچے بیٹھو۔ خادم نے کہا کہ حضرتؒ! ابھی دو منٹ پہلے بھی کوشش کی ہے۔ بابا جیؒ نے پھر اِرشاد فرمایا کہ اب بیٹھ کے دیکھو۔ خادم نے جیسے ہی بھینس کو ڈھنگہ (ٹانگوں میں باندھنے والی رسّی) مارا، وہ چپ چاپ کھڑی رہی اور دیکھتے ہی دیکھتے بالٹی دودھ سے لبالب بھر گئی۔

بابا جیؒ کی سواری

یہ وہ دن تھے جب خانقاہ سے کندیاں ریلوے اسٹیشن تک کی سواری گھوڑا اور ایک اونٹ تھا۔ جب حضرت بابا جیؒ نے سفر پر نکلنا ہوتا، گھوڑا تیار کر کے مغربی جانب ایک ٹیلے کے پاس کھڑا کیا جاتا۔ آپ تشریف لاتے اور گھوڑے پر سوار ہو کر کندیاں روانہ ہوتے۔ خدام ساتھ پیدل چلتے۔ آپ کا اصرار ہوتا کہ سب باری باری سواری کریں لیکن عشاق کو جو لطف پا پیادہ چلنے میں تھا وہ اس سے محروم نہیں ہونا چاہتے تھے۔ کندیاں پہنچنے پر حضرت بابا جیؒ ہمیں اپنی واپسی کی تاریخ بتاتے چنانچہ مقررہ دن گھوڑا لے کر ہم کندیاں پہنچ جاتے۔

ٹریکٹر پر سفر

گھوڑے اور اونٹ ریڑھے پر سفر کی بات ہو رہی تھی۔ خانقاہ پر سب سے پہلے ٹریکٹر میرے ابو نے لیا، ''میسی فرگوسن ٹریکٹر۔'' برادرم بشیر بولے، ایک بار بابا جیؒ نے کندیاں سے سوار ہونا تھا اور کوئی سواری میسر نہ تھی۔ مجھے کہا کہ بشیر احمد کوئی سواری کا بندوبست ہو سکتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ برادرم عارف صاحب سے ٹریکٹر مانگ لیتے ہیں۔ فرمایا، مانگ دیکھو۔ چنانچہ میں بھائی جی سے ٹریکٹر مانگ لایا اور بابا جیؒ ٹریکٹر کے ''مڈگارڈ'' پر بیٹھ گئے اور میں بابا جیؒ کو کندیاں ریلوے اسٹیشن چھوڑ آیا۔ کیا سادگی تھی کہ جو سواری میسر آئی اسی پر

قناعت کر لی ــــ نہ کوئی کروفر نہ دکھاوا۔

یہ رقم بشیر احمد کی ہے

برادرم بشیر کے ساتھ میں باتیں کرتا رہا اوران کی اہلیہ ہماری بہن منظوراں بی بی نے اس دوران چائے بنا دی۔ چائے کے ساتھ ساتھ باتیں بھی چلتی رہیں۔ بابا جیؒ کی شفقت کا ذکر کرتے ہوئے لالہ بشیر کی اہلیہ نے بتایا کہ ایک بار بابا جیؒ ناشتے کے بعد تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے اوران کے سامنے کچھ رقم رکھی تھی۔ آپا جیؒ نے کہا کہ لنگر کے ادھار چکانے کے لیے رقم کی ضرورت ہے۔ بابا جیؒ نے فرمایا کہ گنجائش نہیں ہے۔ آپا جیؒ نے کہا کہ یہ جو رقم آپ کے سامنے رکھی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، یہ تو بشیر احمد کے لیے ہے۔

برادرم بشیر نے کہا کہ جب بھی سفر کے لیے نکلتے، مجھے یاد سے گھر کے اخراجات کے لیے رقم دے کر جاتے۔ اور جب کبھی آپ کو یاد نہ رہتا تو سفر کے دوران ہی کسی بیٹے کے ہاتھ اہتمام سے بھیج دیتے۔

چاچا محمد (اچھرال)

بابا جی قبلہؒ کے مال مویشیوں کی خدمت ایک طویل عرصہ چاچا محمد اچھرال اور ماسی آشاں نے بھی کی۔ بچپن میں جن دنوں ہم مدرسے میں پڑھتے تھے، بابا جیؒ کے مکان کے مشرقی سمت جو زمین ہے اُس میں مالٹوں کا باغ اور شیشم کے درخت تھے۔ مال خانے کے سامنے جو نہری نالا تھا اُس پر بھی شیشم کی قطار تھی۔ چاچا محمد اچھرال کا بیٹا احمد شیر ہمارے ساتھ مدرسے میں پڑھتا تھا۔ بابا جیؒ اکثر اوقات مال خانے میں تشریف لے آتے اور کچھ دیر بیٹھنے کے بعد واپس تشریف لے جاتے۔

بابا رجب علی شاہ

لنگر کے خدام کے ذکر کے ساتھ مجھے بابا رجب علی شاہ صاحب یاد آ رہے ہیں۔

میری یادداشت کے مطابق باباجیؒ کے دور میں پہلے وہ خانقاہ سراجیہ میں مدرّس تھے۔ وہ مسجد کے حاشیے پر کھڑے ہو کر اذان دیا کرتے تھے۔ ضعیف العمر تھے۔ ان کے پاس دس ہزار دانوں کی ایک تسبیح تھی جس پر وہ مسجد میں بیٹھ کر بڑی کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ تب مسجد کے چہار اطراف جنگلا نہیں تھا۔ ایک بار بابا رجب علی شاہ کمزور بینائی کی وجہ سے اندازہ نہ کر سکے اور یہ سمجھے کہ سیڑھیاں قریب ہیں۔ اور مسجد کی مغربی سمت حاشیے سے نیچے گر کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔

یوسف دیوانہ

ہم نے بچپن میں یوسف دیوانے کی باباجیؒ کے ساتھ عشق کی دیوانگی دیکھی۔ وہ باباجیؒ کے عشق میں دیوانہ تھا۔ اور نعت اتنی سریلی آواز میں پڑھتا تھا کہ سماں بندھ جاتا۔ اللہ کریم نے اسے کمال سُر عطا کیا تھا۔ نعت سن کر آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ خاص طور پر میاں محمد بخشؒ کی یہ کافی:

مالی دا کم پانی دینا تے بھر بھر مشکاں پاوے
مالک دا کم پھل پھل لانڑاں، لاوے یا نہ لاوے

یوسف دیوانے کا سُرمہ

یوسف دیوانہ سرمہ بیچنے کا کاروبار کرتے تھے۔ وہ سرمہ خود کھرل کرتے۔ شیشیوں میں بھر کر ٹرین میں آواز لگاتے، رزقِ حلال کماتے۔ شام کو یوسف دیوانہ لوٹ آتے۔ اذان کے وقت اگر وہ خانقاہ میں ہوتے تو اذان خود دیتے۔ ان کی آواز بلند اور دل کش تھی۔

ٹیپ ریکاڈر

ایک واقعہ مجھے یاد آ رہا ہے۔ ایک بار میں مدرسے سے لوٹ کر آیا تو باباجیؒ کے حجرے کے سامنے ہجوم تھا۔ بہت سے ساتھی موجود تھے۔ خبر ملی کہ ایک ساتھی ایک ایسی مشین لایا ہے جو آواز پکڑ لیتی ہے اور وہی آواز دوبارہ سنا دیتی ہے۔ باباجی قبلہؒ دوزانو بیٹھے تھے۔

ایک ساتھی سامنے ٹیپ ریکارڈر رکھ کر اُس کی خوبیاں بیان کر رہا تھا۔ اچانک ایک ساتھی بولا کہ حضرت بابا جیؒ! یوسف دیوانہ کی آواز کو اِس میں قید کرتے ہیں۔

اس وقت مسجد کے صحن کی مشرقی سمت پانی کی ٹینکی کے ساتھ بہت گھنا چھتنا ور شیشم کا درخت تھا۔ یوسف دیوانہ اس کے نیچے بیٹھا تھا۔ ایک ساتھی بھاگ کر اُسے بلا لایا۔ بابا جیؒ کے کمرے میں رونق کا سماں تھا۔ ٹیپ ریکارڈر کی دو چرخیاں گھوم رہی تھیں جن پر کلیجی رنگ کا فیتہ تھا۔ یوسف دیوانہ نے نعت شروع کی۔ بابا جیؒ کی آنکھوں سے مسلسل آنسوؤں کی جھڑی لگ رہی تھی۔ نعت مکمل ہوئی تو اُس ساتھی نے، جس کا ٹیپ ریکارڈر تھا، دوبارہ لگا کر سنائی تو یوسف دیوانہ کی خوشی دیدنی تھی۔ اور ساتھی حیران تھے کہ یہ کیسی ایجاد ہے جو آواز قید کر لیتی ہے۔

چاچا مہر محمد لانگری

لنگر کی خدمت کے لیے اللہ کسی نیک دل آدمی کو مقرر کر دیتے ہیں کہ وہ لنگر کی بے لوث خدمت کرے۔ میرے سامنے چاچا مہر محمد لانگری کا سراپا اُبھر رہا ہے — دراز قد، سفید ریش، چال میں توازن، مزاج میں ذمہ داری رچی ہوئی — درویشوں کا جی جان سے خیال رکھتا۔ کندیاں سے سائیکل پر لنگر کا سودا سلف لاتا اور اِردگرد جو اِکا دُکا گھر آباد تھے ان کے سودا سلف کا بھی خیال رکھتا۔ میں جمعہ کے روز لنگر خانے کے سامنے بچھے لکڑی کے تخت پر بیٹھ جاتا اور چاچا مہر محمد سے باتیں کر کے بہت خوش ہوتا۔ ملنساری اس کی شخصیت کا ایسا جزو تھی جو ہر آنے والے کو اس کا گرویدہ بناتی تھی۔ بابا جیؒ کی اس پر خصوصی توجہ اور شفقت تھی۔ اس وقت ''لانگری'' گھر کی شمال مشرقی سمت جو دریچہ تھا، وہاں سے درویشوں کا کھانا خود اُٹھا کر لاتے تھے۔ مقررہ وقت پر ''لانگری'' آ کر دریچہ کی کنڈی کھٹکھٹاتا اور لکڑی کے خوان میں درویشوں کا کھانا اُس کے سپرد کر دیا جاتا۔

چوّنی کی واپسی

چاچا مہر محمد کمال انسان تھا۔ میرا تو آئیڈیل تھا۔ وہ اس لیے کہ ایک تو اُس کی شفقت، دوسرا وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور کے واقعات سناتا تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ چاچا کندیاں سے سودا سلف لے کر آیا۔ عین دوپہر کے وقت مَیں مسجد کے سامنے پانی والی ٹینکی کے ساتھ جو شیشم کا درخت ہے اُس کے نیچے بیٹھا تھا۔ میرا خیال تھا چاچا تھکا ہوا آیا ہے آرام کرے گا۔ لیکن وہ سودا سلف رکھ کے چلنے لگا تو میں نے پوچھا کہ چاچا! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ترکھانوں کے گھر جا رہا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ خیریت، اس شدید گرمی میں؟ چاچا نے کہا کہ بیٹا! کل ان کا جو سودا لایا تھا، ان کی چونی بقایا ہے، دینی یاد نہیں رہی وہ دے آؤں۔ میں نے کہا کہ چاچا! چار آنے ہی تو ہیں، کیا فرق پڑتا ہے؟ چاچا نے کہا کہ بیٹا! کل قیامت کے دن دینا پڑیں گے، پھر کس سے مانگوں گا؟

یہ ہیں بابا جی قبلہؒ کے فیض یافتہ وہ خوش نصیب جو ایک چونی کا بھی خیال رکھتے تھے کہ کل قیامت کے دن اللہ کو کیا منہ دکھائیں گے۔

مسجد کی صف میں لپٹ کر سونا

بابا جیؒ کی صحبت میں رہ کر اُن کے قلوب ایسے مصفا ہو گئے تھے کہ ان میں اللہ کا نور اُتر آیا تھا۔ ان کے معاملات آئینہ اور ان کی زندگی سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ بن گئی تھی۔ ایک بار سردیوں میں ایک درویش گاڑی سے آیا۔ گاڑی دیر سے آئی تھی۔ وہ خانقاہ پہنچا تو سب سو چکے تھے۔ اس نے چاچا مہر محمد کو جگایا۔ چاچا مہر محمد نے اسے کھانا کھلایا اور پھر اپنا بستر اُسے دے دیا اور خود مسجد کی ایک صف میں لپٹ کر سو گیا۔

صوفی محمد صادق اور خالہ عمری

خالہ عمری کا تعلق لاہور سے تھا اور وہ صوفی صادق کی اہلیہ تھیں۔ دونوں نے ایک طویل عمر بابا جیؒ کے سایہ عاطفت میں گزاری۔ خالہ عمری بابا جی قبلہؒ کے کپڑے باوضو دھویا

کرتی تھی اور باوضو استری کیا کرتی تھی۔ لنگر کے برآمدے میں پیتل کی استری میز پر دھری رہتی تھی جس میں کوئلے دہکا کر خالہ عمری اسے گرم کرتی اور بابا جی قبلہؒ کے کپڑے استری کرتی۔ خالہ عمری کے بھانجے عزیز احمد (اجی)، جمیل، سعید اور پارہ، خانقاہ کے مدرسے میں پڑھتے تھے۔ پارہ ۱۹۷۴ء کی تحریکِ ختمِ نبوۃ ﷺ میں پولیس کی گولی لگنے سے لاہور میں شہید ہو گیا۔ سب بچپن کے ساتھی تھے۔ خالہ عمری خانقاہ سراجیہ کے قبرستان میں مدفون ہے۔ اس کا خاندان لاہور گلبرگ میں آباد ہے اور سب بابا جیؒ سے ساری عمر جڑے رہے۔ خالہ عمری کا ایک بھانجا یا بھتیجا محمد شفیع ہندستان سے نقل مکانی کر کے پاکستان آ گیا اور وہ بھی بہت سال بابا جی قبلہؒ کی خدمت میں رہا۔ اور آپ کے کپڑے دھونے کے علاوہ سب صاحبزادگان اور خانقاہ کے درویشوں کے کپڑے بھی دھو دیا کرتا تھا۔ مزاج کا ہنس مکھ اور طبیعت کا ملنسار تھا۔ خالہ عمری خانقاہ میں گھر کے فرد کی طرح تھی۔

بابا رکن دین

کتنی یادیں ہیں، کتنے چہرے ہیں۔ خانقاہ کے ماحول کو رونق بخشنے والے وہ سب لوگ کہاں چلے گئے۔ آنکھیں ان کے دیکھنے کو ترستی ہیں۔ یہاں سامنے ٹونٹی پر ابھی بابا رکن دین بیٹھے تھے۔ چہرے پر بچھا جھریوں کا جال، سفید ریش، سر کے بال برف کی مانند سفید، سارا دن اللہ کی یاد میں مصروف رہنے والا بابا رکن دین ہماری خانقاہ سے کہاں چلا گیا۔ اس کے دم سے تو بہت رونق تھی۔ وہ لوہے کے تسلے میں صابن ایسے تیار کرتا تھا کہ تسلا لبالب بھر جاتا۔ پھر بابا رکن دین کپڑا اس صابن پر رَگڑ کر مَل لیتا اور صاف شفاف کپڑا مسجد کے جنگلے پر سوکھنے کو ڈال دیتا۔ بابا رکن دین ایک طویل عرصہ بابا جی قبلہؒ کی صحبت سے مستفیض ہوتا رہا۔ مجھے اپنی خانقاہ میں بسنے، رہنے والے ہر درویش، ہر طالب علم، ہر استاد سے محبت ہے کہ ان کے دم سے ہماری خانقاہ کی رونق ہے، اور محبت کا یہ قرینہ میں نے بابا جیؒ سے سیکھا ہے۔

جمیل لانگری

ہمارے بچپن میں جمیل صاحب بھی لانگری رہے۔ بڑی تن دہی اور جاں فشانی سے درویشوں کی خدمت کرتے۔ سارے کام اپنے وقت پر نبھاتے۔ ان کی صحت بہت اچھی تھی۔ ایک بار مہمان خانے میں بیٹھے تھے، میں نے پوچھا کہ جمیل صاحب! آپ کی صحت کا کیا راز ہے؟ لمبا سانس لے کر کہا، جوانی میں ایک حکیم نے مجھے باجرے کے سائز کی گولیاں بنا کر دی تھیں۔ ایک گولی کے بعد پانچ سیر دودھ پینا پڑتا تھا۔ جوانی کا زمانہ تھا، میں دو چار سانسوں میں دودھ کھینچ جایا کرتا تھا۔

جمیل صاحب خوش خوراک تھے۔ ایک دن ایک درویش نے مجھے کہا کہ برادرم حامد! مہمان خانے میں جمیل صاحب کے تکیے کے نیچے دس پندرہ روٹیاں رکھی رہتی ہیں۔ وہ رات کو اُٹھ اُٹھ کر کھاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ لوگوں کو بدگمانی نہیں کرنا چاہیے، وہ مہمانوں کے لیے سنبھال کر رکھتے ہوں گے۔ اس نے کہا کہ لالہ جی! ابھی چل کے دیکھ لیں۔ میں مہمان خانے کے سامنے ہی کھڑا تھا، لیکن میں نے کہا کہ چھوڑیں، رہنے دیں۔ پھر اُس کے بہت زیادہ اصرار پر میں نے دیکھا تو بستر کی چادر کے نیچے آٹھ دس روٹیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اللہ کی شان کہ اسی وقت جمیل صاحب اندر آ گئے۔ مجھے بڑی شرمساری ہوئی۔ جمیل صاحب نے بڑے پرسکون انداز میں کہا کہ ایک تو مجھے رات کو کبھی کبھی بھوک لگ جاتی ہے اور دوسرا بے وقت آنے والے مہمان کا بھی تو خیال رکھنا ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ جمیل صاحب ٹھیک کرتے ہیں۔ اور اکیلے میں دوسرے ساتھی سے عرض کیا کہ اس طرح کی باتوں کی ٹوہ میں نہ رہا کریں۔

جمیل صاحب کا مکمل نام جمیل حیات تھا۔ انہوں نے ایک طویل عرصہ ہماری خانقاہ پر درویشوں کی بے لوث خدمت کی۔ ایک رات مہمان خانے میں سوئے ہوئے تھے کہ اپنے اللہ سے جا ملے۔ بابا جی قبلہؒ نے اپنی ڈائری میں ان کی تاریخِ وفات کا اندراج کرتے

ہوئے لکھا ہے کہ ''آج رات بعد نماز عشاء قریباً ساڑھے نو بجے اچانک جمیل حیات کا انتقال ہوا۔ اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ. اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ اپنی قبر میں جنت کی راحتیں عطا فرماوے اور جملہ پسماندگان کو اِس صدمے کا اجرِ عظیم عطا کرے۔ آمین۔ (۱۰/اپریل ۱۹۹۳ء)''

محمد سلیم

ہماری خانقاہ میں لاہور کا ایک نوجوان محمد سلیم کئی سال سے مقیم ہے۔ لاہور میں وہ پرندوں کا کاروبار کرتا ہے لیکن جب خانقاہ پاک آتا ہے تو ایک لمبا عرصہ قیام کرتا ہے۔ اس کا لباس سنت کے مطابق ہو بہ ہو باباجیؒ کے لباس جیسا ہے۔ تہبند، کُرتا، عمامہ بالکل باباجیؒ کے انداز پر، اور وضو کتب خانے کے سامنے بیٹھ کر برآمدے میں اُسی انداز میں کرتا ہے جیسے باباجیؒ فرمایا کرتے تھے۔ نماز میں قیام، رکوع اور سجود میں بھی اپنے شیخ کی پیروی اس کے مزاج کا حصہ ہے۔ ایک دن مجھے کہنے لگا کہ بھائی! آپ کو ایک واقعہ سنانا ہے۔ میں نے کہا کہ ضرور۔ اس نے کہا کہ جس سال باباجیؒ کا آخری حج تھا، لاہور میں آپؒ کا قیام مرکز سراجیہ میں تھا۔ ملک ظفر صاحب ٹیکسلا والے موجود تھے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ میری ٹانگوں میں درد رہتا ہے اور میری خواہش ہے کہ میں باباجیؒ سے دعا کے لیے کہوں اور کلام باہو بھی سناؤں۔ ملک ظفر صاحب کے کہنے پر باباجیؒ نے فرمایا کہ بھئی ضرور سناؤ۔ کلام باہو سننے کے بعد باباجیؒ نے بلند آواز میں ''ماشاءاللہ'' فرمایا۔ یہ وہ لمحہ تھا کہ حضرت باباجیؒ کی توجہ سے میری تکلیف مکمل دور ہوگئی اور پھر وہ درد مجھے کبھی نہ ہوا۔

محمد کاشف

سب اپنے اپنے حصے کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ گزشتہ دو سال سے ایک نحیف لیکن مستعد نوجوان کاشف ہماری خانقاہ کے لنگر کے انتظام میں جو محنت کرتا ہے وہ

قابلِ ستائش ہے۔ انتہائی سادہ اور دھیمے لہجے میں بات کرنے کا عادی ہے۔ برادرم خلیل احمد نے مہمان خانے کے ساتھ برآمدے میں اسے کتابوں کا گوشہ بنا دیا ہے، تاکہ ساتھیوں کو کتاب کے حصول میں دشواری نہ ہو۔ وہ دن بھر کتابوں کی فروخت کے ساتھ ساتھ درویشوں کو کھانا کھلاتا ہے۔ مسجد کے انتظام اور صفائی کا پورا اہتمام رکھتا ہے۔ میری یادداشت میں وہ صرف ایک بار بھکرا اپنے گھر والوں سے ملنے گیا ہے۔ عید بھی ہمارے ساتھ مناتا ہے۔ کاشف، چچا مہر محمد لانگری کا تسلسل ہے۔ یہ بھی اسی راستے کی تلاش میں شب و روز محنت کرتا ہے جو اللہ تک پہنچتا ہے۔

خانقاہ سراجیہ کے جتنے خدام ہیں وہ میرے مخدوم ہیں۔ میری خانقاہ کی عزت، رونق اور وقار اُن کے دم سے ہے۔ اللہ اُن کو ہمیشہ آباد اور شاد رکھے۔ میں نے زندگی بھر بابا جیؒ کو کسی خادم، کسی درویش، کسی طالب علم کو ڈانٹتے نہیں دیکھا۔ کسی کے لیے آپؒ کی پیشانی پر تیوری بھی نہیں دیکھی۔ مجھے اپنے مرشد کی طرح ان سب سے بے لوث محبت ہے۔

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں تو اس کا بندہ بنوں گا جسے خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

عزیز

حضرت قبلہ بابا جیؒ کے حجرے کے سامنے عزیز نامی ایک مجذوب میلے کچیلے کپڑوں میں بیٹھا رہتا تھا۔ سر اور ڈاڑھی کے بال پراگندہ، سر جھکائے اپنے حال میں مگن نظر آتا۔ ایک دن حضرت قبلہ بابا جیؒ جب گھر سے باہر حجرے میں تشریف لائے تو وہ سردیوں کی دھوپ میں سر جھکائے بیٹھا تھا۔ آپؒ نے اس پر نظر ڈالی اور فرمایا، ''بھئی تصوف اور صوفی ہونے کی یہ علامت نہیں کہ انسان میلے کچیلے کپڑوں میں رہے، بلکہ کپڑے پرانے بھی ہوں تو صاف ستھرے اور دُھلے ہوئے ہونے چاہئیں۔''

محمود خان

ہماری خانقاہ میں محمود خان نامی درویش (جس کا تعلق لورالائی سے تھا) طویل عرصہ رہا۔اس کی ایک ٹانگ میں لنگ تھا۔ وہ قرآن شریف سے نابلد تھا۔اس نے قرآن خانقاہ سراجیہ کے مدرسین سے سبقاً سبقاً پڑھا اور پھر اُس سفید ریش درویش کا معمول صرف تلاوتِ قرآن ٹھہرا۔مسجد کے صحن اور برآمدے میں، درویشوں کی رہائش گاہ کے سامنے چارپائی پر، الغرض ہر جگہ وہ تلاوت میں مصروف نظر آتا۔ایک بار نمازِ فجر کے بعد اپنے کمرے میں آیا، تلاوت شروع کی۔ایک دوُرکوع پڑھنے کے بعد سامنے درختوں کے نیچے بچھی چارپائی پر آ بیٹھا اور تلاوت میں مشغول ہو گیا۔ پانچ منٹ گزرے ہوں گے کہ زوردار آواز سنائی دی یوں لگا جیسے دیوار گر گئی ہے۔درویش بھاگے، دیکھا تو محمود خان کے کمرے کی چھت مکمل گر چکی تھی۔سب کو اُس کی فکر دامن گیر ہوئی۔دیکھا تو وہ درختوں کے درمیان تلاوت میں محو تھا۔محمود خان کہا کرتا تھا کہ یہ سب قرآن کا اعجاز اور حضرت قبلہ بابا جیؒ کی توجہ کے اثرات اور کرامت ہے کہ اللہ رب العزت نے مجھے بچا لیا اور نئی زندگی دی۔خانقاہ شریف پر آنے والے متعلقین بھی اس سے محبت کرتے تھے۔ایک بار علیل ہونے پر ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن ہاشمی صاحب اسے ساتھ ملتان لے گئے۔اپنے ہاں ایک عرصے ٹھہرایا اور تسلی سے اس کا علاج کیا۔

بابا نواز خان (مرحوم)

تسبیح خانے کے سامنے مغلئی طرز کا جو برآمدہ ہے، اس کے ستون کے ساتھ ٹیک لگائے ایک سفید ریش موٹے عدسے والی عینک لگائے نظر پڑے۔یہ قریباً ۱۹۹۵ء کی بات ہے۔معلوم ہوا کہ بابا نواز خان ہیں اور آپ کا تعلق لکی مروت سے ہے۔ان کا شمار اُن درویشوں میں ہوتا تھا جو خانقاہوں پر سالہا سال رہ کر سلوک کی منازل طے کرتے ہیں۔وہ

حضرت قبلہ بابا جیؒ کی محفل میں اپنی بذلہ سنج طبیعت کی وجہ سے ماحول کو اکثر کشتِ زعفران بنا دیتے۔ بابا نواز خان کو پشتو کے مشہور صوفی شاعر رحمان باباؒ کے اشعار اَز بر تھے۔ محفل میں حضرت قبلہ بابا جیؒ سے پوچھتے کہ حضرت! مجھے بولنے کی اجازت ہے؟ حضرت قبلہ بابا جیؒ مسکرا کر فرماتے: ''خان صاحب! بول تو آپ رہے ہیں۔'' پھر وہ پشتو کا شعر ترنم اور بلند آواز سے سناتے اور اس کا ترجمہ بھی کرتے۔ ساری محفل محظوظ ہوتی۔ بابا نواز خان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ آنے والے متعلقین اور ساتھیوں کے مسائل سلیقے سے حضرت قبلہ بابا جیؒ کی خدمت میں نہ صرف پیش کرتے بلکہ دعا کے لیے اصرار کرتے۔ اور وہ اپنی ذمہ داری احسن طریقے سے نبھاتے کہ اکثر ساتھی اپنے مسائل انہیں زبانی بتا دیتے یا لکھ کر پکڑا دیتے اور بابا جیؒ کی تشریف آوری پر خان بابا اپنا فرض باحسن وخوبی نبھاتے۔ ان کا مستقل قیام مہمان خانے میں رہتا۔ حضرت بابا جیؒ کی اجازت سے وہ ان کی خاموشی کو توڑتے کہ حضرت! آپ کچھ فرماتے نہیں ہیں، بس خاموش رہتے ہیں، کچھ تو بولا کریں ہمیں فائدہ ہوگا، زیادہ سے زیادہ آپ یوں فرماتے ہیں، ''اللہ رحم کرے۔'' حضرت بابا جیؒ مسکرا کر فرماتے کہ خان صاحب! اللہ رحم فرمادے تو پھر رہ کیا جاتا ہے۔

سردیوں میں سامنے برآمدے میں بیٹھے تسبیح پڑھتے نظر آتے یا پھر حضرت قبلہ بابا جیؒ کے لیے بادام، پستہ، اور خشک میوہ جات سے ایک مرکب تیار کرتے جسے زکام اور رعشہ کے لیے مفید بتاتے۔

مدرسے کے طالب علم اپنی شرارتوں سے کہاں باز آتے ہیں؟ شدید گرمیوں میں لنگر خانے سے متصل ٹھنڈے پانی کے کولر سے بالٹی بھرتے اور بابا نواز خان پر اُنڈیل دیتے اور کہتے، اب اللہ ضرور بارش برسائے گا۔ بابا نواز خان کا بستر بھیگ جاتا، وہ کپڑے خشک کرتے، بستر دھوپ میں ڈال دیتے، پھر حضرت قبلہؒ سے جا کر عرض کرتے، ''حضرت جی! بارش کی دعا کریں تاکہ مخلوقِ خدا کو فائدہ ہو اور میری بھی عزت رہ جائے۔''

طلبہ اور درویش بتاتے ہیں کہ حضرت قبلہ بابا جیؒ کی دعا سے اکثر بارانِ رحمت برستی

اور شدید گرمی کا زور ٹوٹ جاتا۔ بابا نواز خان کا انتقال مہمان خانے میں ہی ہوا۔ حضرت قبلہ بابا جیؒ موجود تھے۔ آپ نے بابا نواز خان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ سب کی خواہش تھی کہ تدفین خانقاہ سراجیہ کے قبرستان میں ہو لیکن ان کے بیٹے اصرار کر کے تدفین کے لیے لکی مروت لے گئے۔ اللہ مغفرت فرما کر اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

چاچا محمد علی (ماچھی) اور ان کا نواسہ محمد یوسف

خدام میں ایک صاحب چاچا محمد علی بھی تھے جو جانوروں کی عمر بھر خدمت کرتے رہے۔ وہ خود تو چلے گئے، اپنی ایک نشانی ہمارے پاس چھوڑ گئے جس کا نام محمد یوسف شاہد باگڑی ہے۔ محمد یوسف کو حضرت بابا جیؒ کی خدمت کرتے دیکھا تو سیّدنا حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ یاد آ گئے جو پردیسی بچے تھے۔ خانوادۂ نبوت کے اندر خدمت سرانجام دیتے تھے۔ آپ کا رنگ دلکش تھا، نہ نقش ونگار جاذبِ نظر تھے۔ لیکن ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ان کا ناک صاف کیا اور ان کا چہرہ بھی دھویا۔ ہوا یوں کہ ایک مرتبہ ان کے چوٹ لگی، ناک سے خون نکلا۔ حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نبی کریم ﷺ نے صاف کرنے کا فرمایا۔ آپ کو کچھ گھن آئی۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے منہ سے اس خون کو صاف کیا، پھر اُس کو دھویا۔ یہ دیکھ کر سیّدہ عائشہؓ کے دل میں بھی اُسامہ کی محبت گھر کر گئی۔ شاید اِسی قسم کا مسئلہ محمد یوسف کے ساتھ ہوا ہے۔ اس کا رنگ اور شکل تو اتنی جاذب نظر نہیں مگر اُس کی خدمت اور فداکاری نے قبلہ حضرت بابا جیؒ کو اُس کی طرف مائل کر دیا۔ حضرت بابا جیؒ کے بیماری کے تین چار سالوں میں رات کی ڈیوٹی محمد یوسف کی ہوتی تھی —— حضرت کو دوا پیش کرنا، پانی پلانا، دودھ چائے پیش کرنا، پیشاب والا برتن دینا، ہاتھ دھلانا، تیمّم کرانا، بستر پر لیٹے ہوئے ہوتے تو کروٹ تبدیل کرانا، تھک جاتے تو اُٹھا کر بٹھا دینا، آنے جانے والوں کی ملاقات کا اہتمام کرنا —— ساری رات کی ڈیوٹی محمد یوسف کی ہوتی تھی۔

جنت کا دروازہ

صاحبزادہ عزیز احمد صاحب مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ ہم بھائیوں میں سے ایک بھائی بھی رات کے وقت حضرت باباجیؒ کے کمرے میں سوتے تھے۔ مگر رات کے وقت جب حضرت باباجیؒ کو خدمت کی ضرورت پڑتی تو یوسف ہی کو آواز دیتے۔ صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ اور کوئی جنت میں جائے نہ جائے یوسف ضرور جنت میں جائے گا کیونکہ رات کے اندھیرے میں بااعتماد خادم حضرت باباجیؒ کو یوسف ہی معلوم ہوتا تھا۔ خود میرے ساتھ بھی محمد یوسف صاحب کی کبھی ٹیلیفون پر بات ہوتی اور میں پوچھتا کہ کہاں بیٹھے ہو تو جواب دیتے کہ جنت کے دروازے پر بیٹھا ہوں۔

لنگر کا انتظام

تمام رات جاگ اور بیٹھ کر یا کچھ لیٹ کر ہوشیاری سے حضرت باباجیؒ کی خدمت کرتے کرتے گذار دیتے اور صبح کی نماز باجماعت پڑھ کر لیٹ جاتے۔ ایسا محسوس ہوتا کہ اب محمد یوسف صاحب پورا دن سوئیں گے لیکن نہیں، گیارہ بجے دستر خوان بچھواتے، مہمانوں میں لنگر اپنی نگرانی میں تقسیم کرواتے اور ایک ایک مہمان کی ضرورت پوری کرتے۔ قبلہ حضرت باباجیؒ سے ملاقات کا بندوبست کرتے۔ جس طرح بس کی سواریاں کثیر المزاج ہوتی ہیں اِسی طرح لنگر خانہ کے مہمان بھی مختلف المزاج ہوتے ہیں۔ ہر ایک کو تسلی بخش جواب دینا محمد یوسف ہی کو زیب دیتا ہے۔ **فجزاہ اللّٰہ احسن الجزاء.** بڑے آدمیوں کے ساتھ رہتے رہتے بعض لوگوں میں بڑائی آجاتی ہے، مگر کیا مجال ہے جو محمد یوسف عاجزی کا دامن چھوڑ دے۔ ہر وقت مسکراتے مسکراتے قبلہ باباجیؒ کی یاد اُس کا معمول ہے۔

حکیم سلطان محمود صاحب

جب صبح کے وقت محمد یوسف اپنی ذمہ داری ادا کر کے چارپائی پر پہنچ جاتا تو محترم حکیم سلطان محمود صاحب ختم شریف سے فارغ ہو کر حضرت باباجیؒ کے کمرے میں پہنچ جاتے

تھے۔ حکیم صاحب ۱۹۷۸ء میں خانقاہ شریف حاضر ہوئے۔ مستند حکیم ہیں اور بجلی میں ڈپلومہ بھی کیا ہوا ہے۔ دونوں فنوں میں شُد بُد رکھتے ہیں لیکن بجلی کی نسبت طبابت میں وافر دسترس ہے۔ خانقاہ شریف میں دُکھی اور بیمار لوگوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ ہر ایک کو نہایت منجھا ہوا مشورہ دیتے ہیں اور دوا موجود ہو تو وہ بھی دیتے ہیں۔

دن کے وقت قبلہ حضرت بابا جیؒ کے آرام کا وقت کم ہوتا تھا۔ کبھی مستورات کی ملاقات ہوتی تو حکیم صاحب باہر آ جاتے اور باہر موجود لوگوں کو تعویذ یا نسخہ دینے میں مصروف ہو جاتے یا کتابوں کی الماری کھول کر بیٹھ جاتے۔ جس ساتھی کو سلسلہ پاک کی کتاب خریدنی ہوتی، خرید لیتا۔ یہاں سے فارغ ہو کر لائبریری کھول کر کتابوں کی صفائی ستھرائی میں مصروف ہو جاتے۔ پھر اندر سے آواز آ جاتی تو دوڑ کر حضرت بابا جیؒ کی خدمت میں پہنچ جاتے۔

حکیم صاحب کی ذمہ داریاں

صبح کی اذان سے قبل پانی کی ٹنکی بھرنے کے لیے موٹر چلانا، اگر بجلی نہ ہو تو جنریٹر چلا کر موٹر چلائی جاتی ہے۔ پھر اذان دینا اور اذان دیتے ہی تیزی سے حضرت بابا جیؒ کے کمرے میں پہنچ کر حضرت بابا جیؒ کی طہارت کی خدمت کرنا، تیمّم کرانا، کپڑے تبدیل کرانا اور قبلہ رُخ بٹھانا تاکہ فجر کی سنتیں پڑھ لیں۔ اس کے بعد فرض نماز باجماعت ادا کرنا۔ نماز کے بعد حضرت بابا جیؒ کو لٹانا، یا ساتھیوں سے ملاقات کرانا، صبح کی دوا یا پانی وغیرہ پیش کرنا اور پھر ناشتے تک مطلوبہ خدمات ادا کرنا حکیم صاحب کے ذمے تھا۔ جب حضرت بابا جیؒ کے ناشتے کا وقت ہوتا تو گھر والے ناشتا لاتے اور حکیم صاحب باہر لنگر خانہ سے ناشتا کرتے، پھر واپس حضرت بابا جیؒ کے کمرے میں ظہر تک خدمات سرانجام دیتے۔ کبھی دوا دینا، کبھی خوراک پیش کرنا، کبھی کروٹ بدلنا، کبھی بٹھانا، کبھی لٹانا، کبھی زائرین سے ملاقات کرانا۔ جب حضرت بابا جیؒ کو طہارت وغیرہ کی ضرورت ہوتی تو کمرہ خالی کرا کر طہارت کرانا، کپڑے تبدیل کرانا، نماز کے لیے تیار کر کے بٹھانا۔ یہی صورت حال عشاء

تک جاری رہتی۔ حکیم صاحب عشاء کی نماز کے بعد تقریباً گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک حضرت باباجیؒ کی خدمت میں رہتے۔ اس کے بعد محمد یوسف صاحب پہنچ جاتے اور اپنی ذمہ داری سنبھال لیتے۔

قاری ریحان اللہ

اُن دونوں حضرات کی خدمت کے ساتھ ساتھ نماز باجماعت پڑھانے کی ذمہ داری محترم قاری ریحان اللہ خان صاحب کی تھی۔ ۲۰۰۶ء تک قاری انیس الرحمٰنؒ رحیم یار خان والے (مدرس مدرسہ عربیہ سعدیہ) حضرت باباجیؒ کو نماز باجماعت پڑھانے کے ذمہ دار تھے۔ ان کی جواں مرگی کے بعد قاری ریحان اللہ خان نے یہ ذمہ داری نہایت مستعدی سے ادا کی۔ جونہی اذان ختم ہوتی، پانچوں وقت قاری صاحب حضرت باباجیؒ کے کمرے میں داخل ہو جاتے اور حکیم صاحب یا محمد یوسف صاحب کے معاون بن جاتے۔ صفیں بچھاتے اور نماز پڑھاتے۔ اس کے بعد مدرسہ میں پڑھانے کے لیے تشریف لے جاتے۔

حضرت باباجیؒ کی رحلت کا صدمہ تمام متعلقین کی طرح قاری ریحان اللہ صاحب کو بھی ہوا۔ مگر قاری صاحب حضرت باباجیؒ کی امامت کی خدمت اور پنج وقتہ زیارت کے شرف سے محرومی کی تاب نہ لا سکے اور یوں کئی ماہ سے گھر میں محزون وملول بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحتِ کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے اور پھر صفاتِ مقبولہ ومرضیہ عنداللہ کے ساتھ مدرسہ اور خانقاہ کی خدمت میں مشغول ہوں، آمین۔

خدا بخش

جب سے میں خانقاہ شریف میں حاضر ہوا ہوں ایک درجن سے زیادہ خدام خدمت کرتے کرتے اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ ایک خادم ایسے ہیں جن کا نام خدا بخش ہے۔ وہ کھرپا جھاڑو ہاتھ میں لیے ہر وقت لنگر کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں۔

نصیر احمد خیاط

سرگودھا میں ایک خیاط ہے نصیر احمد، بابا جیؒ سے اپنی محبت اور عقیدت کے دو واقعات اس نے مجھے سنائے۔

ایک بار چناب نگر ختم نبوت کانفرنس ہو رہی تھی۔ گرمی کا موسم تھا۔ یہ واقعہ ظہر اور عصر کے درمیان کا ہے۔ حضرت قبلہؒ سٹیج پر تشریف فرما تھے۔ میرے جی میں خیال آیا، بابا جیؒ کو پیاس لگی ہوگی، میں ٹھنڈی بوتل لے آؤں۔ ایک تو بابا جیؒ کے دل سے دعا نکلے گی، دوسرا اگر بوتل کچھ بچ رہی تو حضرت کا تبرک میرا مقدر ہو جائے گا۔ میں ایک گلاس میں کولڈ ڈرنک لے آیا۔ بابا جیؒ کے ساتھ مولانا حضرت سیّد نفیس شاہ صاحبؒ رونق افروز تھے۔ آپ نے چند گھونٹ لینے کے بعد گلاس سیّد نفیس شاہ صاحبؒ کو تھما دیا۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ میں تو تبرک سے محروم رہ گیا۔ ابھی یہ خیال دل سے گزرا ہی تھا کہ بابا جیؒ نے سیّد نفیس شاہ صاحب کے ہاتھ سے گلاس لے کر مجھے دیتے ہوئے کہا: ''ایہہ توں پی جا۔'' (یہ تُو پی لے)۔ میری عجیب کیفیت تھی۔ اللہ کریم نے مجھے دو شیوخ کا تبرک نصیب فرما دیا۔

ایک بار کا ذکر ہے، مولانا طوفانی صاحب نے مجھے فرمایا کہ مولانا مصطفیٰ صاحب، جو چناب نگر مسلم کالونی کی مسجد کے خطیب ہیں، ان کے ہاں کسی کا انتقال ہو گیا ہے، لہٰذا تم نے ان کی جگہ وہاں پہنچ کر خطبہ دینا ہے۔ حضرت قبلہؒ سرگودھا موجود تھے اور آپؒ نے بھی چناب نگر کے لیے نکلنا تھا۔ مولانا طوفانی صاحب نے حضرت سے عرض کی کہ نصیر احمد کو ساتھ لیتے جائیں، اس نے مسلم کالونی کی مسجد میں جمعہ پڑھانا ہے۔ میں حضرتؒ کی ہم سفری پر سرشار تھا۔ حضرت قبلہ نے چناب نگر مجلس احرار کے پروگرام میں شامل ہونا تھا۔ جب ہم چناب نگر میں داخل ہوئے تو حضرت قبلہؒ نے مجلس احرار کے پروگرام میں شرکت سے پہلے مجھے مسلم کالونی چھوڑا اور پھر واپسی پر مجلس احرار کے پروگرام میں شامل ہونے کے لیے تشریف لے گئے۔ یہ حضرتؒ کی مجھ جیسے غریب، مسکین، بے مایہ، عام سے شخص پر کمال شفقت تھی۔

معالجین

اس عالم میں کسی شے کو دوام نہیں۔ خوشی کے تعاقب میں غم، صحت کے تعاقب میں بیماری، جوانی کے تعاقب میں بڑھاپا، غنا کے تعاقب میں فقر، اور زندگی کے تعاقب میں موت لگی ہوئی ہے۔ چنانچہ بابا جیؒ کی زندگی میں مختلف عوارض پیش آئے اور اللہ نے اپنے کرم سے شفا بھی عطا کی لیکن آپ کو پیش آنے والی ہر تکلیف، ہر بیماری میں آپ کا رویہ عام انسانوں سے مختلف تھا۔ آپؒ کے صبر نے ہمیں حیران کیے رکھا۔ ہم نے اپنی زندگی میں بابا جیؒ جیسا صابر نہیں دیکھا۔

اولیاء وصلحاء کے علاج کو معالجین اپنے لیے سعادت سمجھتے ہیں۔ ہماری خانقاہ کے ایک باوقار درویش تھے جن کا نام صوفی محمد عبداللہ تھا۔ آپ نے طویل عمر پائی اور خانقاہ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ ان کے پاس شیشے کا ایک مرتبان تھا، جس میں ''کرنجوے کی گولیاں'' رکھتے تھے۔ یہ بخار کا تیر بہدف علاج تھا۔ ایک گولی صبح اور شام کھانی پڑتی تھی۔ جس کے بعد کھل کے پسینہ آتا اور بخار اُتر جاتا۔ گھر اور درویشوں کے درمیان یہ بات مشہور تھی کہ صوفی صاحب کے پاس کرنجوے کی گولیاں ہیں۔ بابا جی کو کبھی بخار ہوتا تو کرنجوے کی گولیاں منگوا لیتے۔

حکیم عبدالرحیم خان

ہمارے بچپن میں اگر بابا جیؒ کو کوئی تکلیف ہوتی تو میانوالی سے حکیم عبدالرحیم خان صاحب تشریف لاتے۔ حکیم عبدالرحیم خان کا شمار حاذق اطباء میں ہوتا تھا۔ ملک بھر سے

لوگ علاج کے لیے میانوالی کا رُخ کرتے تھے۔ برادرم عزیز احمد صاحب جن دنوں دارالعلوم کبیر والا میں زیر تعلیم تھے اس دور کا ایک مکتوب، جو باباجیؒ نے لالہ جی کے نام لکھا، اس میں حکیم صاحب سے علاج کا ذکر ملتا ہے:

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِرْسَالِ التَّسْلِیْمَاتِ وَالتَّحِیَّاتِ۔ فقیرابوالخلیل خان محمد عفی عنہ کی طرف سے عزیزم عزیز احمد سلمہ اللہ تعالیٰ مطالعہ کریں کہ آپ کا خط ملا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ فقیر ۲۳ رفروری جمعہ کو واپس گھر آ گیا تھا۔ واپسی پر طبیعت سخت خراب ہو گئی۔ خصوصاً پچھلی رات کو تکلیف زیادہ ہو جاتی ہے۔ کئی روز سے صبح کی نماز کے لیے مسجد نہیں جا سکتا۔ رات کی اس تکلیف کی وجہ سے باہر جانا کسی طرح بھی موزوں نہیں۔ دو چار روز سے حکیم عبدالرحیم خاں صاحب کا علاج شروع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مفید کرے۔ آمین۔

حکیم صاحب نے سخت پابندی عائد کی ہے کہ مکمل آرام کریں۔ علاج اور احتیاط مسلسل اور پابندی کے ساتھ جاری رکھیں۔ حکیم صاحب کے علاج سے کچھ فائدہ محسوس ہو رہا ہے۔ گھر میں ہر طرح عافیت ہے۔ سب چھوٹے بڑے راضی خوشی اور صحت کے ساتھ ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ... والسّلام

۲۶ رمحرم ۱۳۹۳ھ/۲ رمارچ ۱۹۷۳ء ازخانقاہ سراجیہ

حکیم حنیف اللہ صاحبؒ

ملتان کے زبدۃ الحکماء حکیم حنیف اللہ صاحب جب تک حیات رہے آپ کا خانقاہ سراجیہ کے ساتھ تعلق انتہائی مربوط اور مضبوط رہا۔ آپؒ باباجی کے ان معالجین میں شمار ہوتے ہیں جو پوری عقیدت، محبت اور انہماک سے اپنے شیخ کا درد محسوس کر کے علاج کرتے ہیں۔ پرانی بات ہے مجھے سن (سال) یاد نہیں۔ باگڑ سرگانہ سے ملتان جاتے ہوئے باباجیؒ کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ اتنا یاد ہے کہ گردن کے مہرے میں تکلیف کی وجہ سے باباجیؒ نے کچھ عرصہ Cervical Collar استعمال فرمایا تھا۔ حکیم حنیف اللہ صاحب بیمار پرسی

کے لیے خانقاہ پاک آئے تو آپ نے صاحبزادہ محمد عابد صاحبؒ سے کہا کہ حضرت قبلہ کا علاج ممکن ہے۔ یہ Collar بھی اتر جائے گا لیکن ایک شرط ہے۔

صاحبزادہ محمد عابدؒ نے کہا، آپ شرط کو چھوڑیں، علاج اگر کرنا ہے تو بسم اللہ پڑھ کر شروع کریں۔

حکیم صاحب نے کہا، ''علاج میں انشاء اللہ ضرور کروں گا لیکن شرط یہ ہے کہ علاج کے دوران کوئی مداخلت نہیں کرے گا۔ کیونکہ میرے علاج کے دوران ایسی کیفیت بھی آسکتی ہے کہ دیکھنے میں یہ محسوس ہوگا کہ اس نقاہت سے بہتر تھا کہ علاج ہی نہ کرایا ہوتا۔''

صاحبزادہ محمد عابدؒ نے فرمایا کہ ہمیں منظور ہے، آپ علاج شروع کریں۔

بابا جیؒ کو ملتان لے جایا گیا۔ وہاں آپؒ نے قریباً مہینہ بھر قیام کیا اور حکیم صاحب نے علاج کیا۔ اللہ نے مکمل شفا عطا کی۔ اور واقعی علاج کے دوران ایسے مرحلے آئے کہ بابا جیؒ کو دیکھ کر دل کانپنے لگا تھا کہ اللہ خیر کرے۔ حکیم حنیف اللہ صاحبؒ اپنی زندگی میں متعدد بار خانقاہ سراجیہ تشریف لائے۔ آپ کا قیام ہمیشہ تسبیح خانے میں ہوتا۔ بابا جیؒ خصوصی توجہ فرماتے اور آپؒ کے کھانے اور آرام کی تاکید کرتے۔

بابا جیؒ کے گھرانے سے حکیم حنیف اللہ کی محبت

بابا جیؒ کے معالجین ہمارے ساتھ بھی محبت کا وہی برتاؤ کرتے جو وہ بابا جیؒ سے فرماتے۔ ملتان جانے پر ہمیشہ حکیم حنیف اللہ صاحب مجھے دو ڈبیاں جوارش جالینوس کی دیتے ہوئے فرماتے۔ ایک آپ نے حضرت قبلہ کی خدمت میں پیش کرنی ہے اور دوسری آپ کے لیے ہے۔ آپؒ کے وصال کے بعد آپ کے بیٹے حکیم خلیل بھی نسبت کی لاج رکھنے والے انسان ہیں۔ ایک بار ملتان گیا۔ جب حکیم خلیل صاحب کے مطب سے چائے پی کر چلنے لگا تو انہوں نے کہا کہ لالہ! جوارش جالینوس کی یہ ڈبیا آپ نے بابا جیؒ کی خدمت میں پیش کرنی ہے اور دوسری آپ کے لیے۔

بابا جیؒ کے وصال کے بعد حکیم خلیل صاحب ماشاء اللہ نسبت نبھا رہے ہیں۔ اسی

طرح خانقاہ پاک تشریف لاتے ہیں۔ زندہ دل یعقوب خان خاکوانی حکیم صاحب کے ساتھ تشریف لاتے ہیں۔ تسبیح خانے میں ٹھہرتے ہیں اور مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ پہنچنے سے پہلے رابطہ کرتے ہیں۔ اور بڑی بے تکلفی سے چائے کی فرمائش کرتے ہیں کہ لالہ! چائے آپ کے گھر سے پینی ہے۔ مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔

ڈاکٹر خالد خاکوانی صاحب

بقول برادرم عزیز احمد، ایک بار باباجیؒ کی ٹانگ پر پھوڑا نکلا، جس سے آپؒ کو بہت تکلیف تھی۔ ڈاکٹر خالد خاکوانی صاحب نے معائنہ کے بعد آپریشن تجویز کیا۔ لیکن باباجیؒ آپریشن پر راضی نہ ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا تھا کہ صرف ادویہ سے علاج ممکن نہیں ہے۔ مشورہ ہوا تو برادرم عزیز احمد نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ کوئی تدبیر کرنی پڑے گی۔ ڈاکٹر صاحب نے پوچھا، وہ کیسے؟ بھائی جی نے کہا کہ باباجیؒ سے کہا جائے کہ میانوالی پی اے ایف ہسپتال سے ایکسرے کرانا ہے، امید ہے باباجیؒ راضی ہو جائیں گے، اور پی اے ایف ہسپتال پہنچ کر آپؒ کو سیدھا آپریشن روم لے جایا جائے۔ باباجیؒ سے ڈاکٹر صاحب نے عرض کی تو باباجیؒ نے ایکسرے پر رضامندی کا اظہار کیا۔ آپؒ کو سیدھا آپریشن روم لے جایا گیا اور آپریشن کے بعد اللہ نے کرم کیا اور بہت جلد وہ تکلیف دور ہو گئی۔

ڈاکٹر خالد خاکوانی صاحب کے والدِ گرامی فضل محمود خان خاکوانی صاحب کا مشہور واقعہ ہے۔ آپ محکمہ پولیس میں ایس پی کے عہدے پر فائز تھے۔ ایک بار آپ کا ٹرانسفر کوئٹہ ہو گیا۔ آپ ملتان سے بذریعہ ریل کوئٹہ جا رہے تھے۔ آپ کا حلیہ متشرع اور سر پر جالی والی ٹوپی تھی۔ ریل کے درجہ اوّل میں ایک فوجی کیپٹن آپ کا ہم سفر تھا۔ سفر کے دوران کسی اسٹیشن پر ٹرین رکی۔ آپ اترنے لگے تو کیپٹن نے کہا کہ مولوی صاحب! میرے لیے پانی لیتے آئیں اور مجھے چائے بھی لا دیں۔ آپ نے بلا چون و چرا اُس کی بات مان لی۔ کوئٹہ تک کے سفر میں وہ آپ کا مخدوم اور آپ اس کے خادم بن کر اُس کی خدمت کرتے رہے۔

جب کوئٹہ قریب آیا تو اُس نے کہا کہ مولوی صاحب! آپ تو بہت اچھے انسان ہیں۔ میرا سامان دروازے تک لے جائیں اور اتارنے میں میری مدد کریں۔ آپ نے کہا کہ بہت اچھا۔ جب ٹرین کوئٹہ پلیٹ فارم پر رکی تو وہاں کا ایس پی، عملے سمیت آپ کو لینے آیا ہوا تھا۔ آپ جیسے ہی ٹرین سے اترے، ٹھک ٹھک سیلوٹ۔ کیپٹن صاحب پریشان ہوئے کہ میں نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ ایس پی کوئٹہ نے آپ کا تعارف کرایا۔ کیپٹن نے کہا کہ آپ مجھے معاف کر دیں مجھ سے بھول ہوگئی۔ آپ نے مسکرا کر کہا کہ بیٹا! کوئی بات نہیں۔ جس ادارے میں تمہاری تربیت ہوئی ہے اس کا انداز یہی ہے اور جہاں سے ہمیں تربیت ملی ہے وہاں کا قرینہ یہی تھا۔

اولیاء کے قدموں کے بیٹھنے کے یہ ثمرات ہیں کہ انسان کے نفس میں سے ''میں'' کا کانٹا نکل جاتا ہے۔ انسان اپنا کرّ وفر، شان وشوکت بھول کر اللہ سے جڑ جاتا ہے اور یہ تعلق اسے انسان بنا دیتا ہے۔ اس کا ہر عمل، ہر قدم، ہر سوچ اور ہر زاویہ حضور اکرم ﷺ کی سنت کی پیروی قرار پاتا ہے۔

اس طرح ایک بار ڈاکٹر خالد خاکوانی خانقاہ پاک تشریف لائے۔ مجھے میرے والد صاحب نے کہا کہ میانوالی سول ہسپتال کے ایم ایس کو ایک مریض کا معائنہ کرانا ہے۔ وہ ڈاکٹر خالد صاحب کا سٹوڈنٹ ہے، تم ڈاکٹر صاحب کو ساتھ لے کر چلے جاؤ، آسانی ہو جائے گی۔ جب ہم میانوالی پہنچے تو ہسپتال میں کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔ ہم گیلری میں کھڑے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے ململ کے کرتے کی بغلی جیب سے مسواک جھانک رہی تھی۔ سر پر جالی کی ٹوپی تھی۔ آپ نے ایم ایس کے اٹینڈنٹ سے کہا کہ یہ چٹ اندر لیتے جاؤ۔ اٹینڈنٹ نے کہا کہ بابا جی! آپ ایک طرف کھڑے ہوں۔ ایم ایس صاحب آپ کے لیے فارغ نہیں بیٹھے۔ میٹنگ ہو رہی ہے۔ جی بہت اچھا کہہ کر ڈاکٹر صاحب دیوار کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ کافی دیر گزر گئی۔ میں نے عرض کیا کہ کیا میں اندر جا کر ایم ایس کو آپ کی آمد کی اطلاع کروں؟ فرمایا کہ نہیں وہ مصروف ہوں گے، ان کو تکلیف ہوگی، ہم انتظار کر

لیتے ہیں۔ جب میری برداشت جواب دے گئی تو میں نے اٹینڈنٹ سے کہا کہ بھائی صاحب! یہ پکڑو چٹ، اندر جا کر ایم ایس صاحب سے کہو کہ ملتان نشتر میڈیکل کالج سے ان کے پروفیسر ڈاکٹر خالد خان گھنٹے سے انتظار کر رہے ہیں۔ اس نے جیسے ہی چٹ اندر پکڑائی، ایم ایس ایک سیکنڈ میں نمودار ہوا۔ آپ کی بے حد تکریم کی۔ انتظار کی معذرت کی۔ اٹینڈنٹ کو ڈانٹ پلائی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ بیٹا! اس بیچارے کا کوئی قصور نہیں۔ اس نے اپنی ڈیوٹی نبھائی ہے۔

ڈاکٹر مطیع الرحمٰن شہیدؒ

معالجین میں ڈاکٹر مطیع الرحمٰن شہیدؒ کا تعلق لاہور سے تھا۔ آپ بہت نفیس الطبع اور نرم خو طبیعت کے مالک تھے۔ پھوپھیؒ (والدہ سعید احمد) کو قریباً ۲۵، ۲۶ رسال جوڑوں کی تکلیف رہی۔ آپ نے کمال صبر اور حوصلے سے وقت گزارا۔ میں نے اپنی زندگی میں علالت کے دوران پھوپھو کے منہ سے کبھی کوئی شکایت کا کلمہ نہیں سنا۔ ڈاکٹر مطیع الرحمان لاہور سے مہینے میں ایک دو بار لازمی تشریف لاتے۔ پھپھو کی جو بھی دوا تجویز فرماتے پاکستانی دواؤں پر اِنحصار کے بجائے ہمیشہ انگلینڈ اور امریکہ سے دوا منگواتے۔ جن دنوں Gold Injections کا کورس کرایا، انگلینڈ کے سفر کے دوران وہ خود وہاں سے لے کر آئے کیونکہ پاکستان میں یہ میسر نہیں تھے۔ بابا جیؒ کی صحت کا مکمل خیال رکھتے۔ آپ بابا جیؒ کے نسخے میں کم سے کم دوا تجویز کرتے۔

میں بابا جیؒ کے ساتھ عمرہ کے لیے گیا ہوا تھا۔ ایک روز ظہر کی نماز کے بعد اقامت گاہ لوٹ رہا تھا۔ بابا جیؒ میرے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے قیام گاہ تک تشریف لائے۔ کمرے میں پہنچ کر میں نے عرض کیا کہ بابا جیؒ! کہیں درد تو نہیں؟ آپ نے اپنا عمامہ اتار کر تکیے کے ساتھ رکھتے ہوئے کہا کہ نہیں بھئی۔ لیکن ایک عجیب سی تھکاوٹ ہے، چلنا دشوار ہو گیا ہے۔ عصر کی نماز کے بعد، حرم پاک میں ڈاکٹر مطیع الرحمٰن صاحب سے میں نے بابا جیؒ کی کیفیت

عرض کی اور کوئی دوائی تجویز کرنے کی درخواست کی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ دوائی تو ذہن میں ہے، دعا کریں مکے میں مل جائے۔ عشاء کی نماز کے بعد ڈاکٹر صاحب اور میں مختلف میڈیکل سٹورز پر گئے۔ ایک سٹور سے مطلوبہ انجکشن مل گیا۔ عشاء کے کھانے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! انجکشن لگانا ہے۔ آپؒ نے مسکرا کر کہا کہ وہ کس لیے بھئی؟ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ لالہ حامد کا اصرار ہے کہ بابا جیؒ کو تھکاوٹ ہو جاتی ہے۔ آپؒ نے بازو سے قمیض اٹھائی اور فرمایا، بہت اچھا بھئی۔ پھر بابا جیؒ نے پوچھا کہ کتنے انجکشن لگیں گے؟ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ حضرت! صرف ایک۔

ڈاکٹر مطیع الرحمٰن صاحب جب بھی خانقاہ پاک آتے برادرم خلیل احمد کے ڈرائنگ روم میں لوگوں کا تانتا بندھ جاتا۔ ڈاکٹر صاحب خوش دلی سے سب کے لیے نسخہ تجویز کرتے۔ ایک بار لاہور اپنے کلینک سے گھر تشریف لا رہے تھے کہ کسی سفاک نے گھر کے قریب آپ پر فائرنگ کر دی۔ بابا جیؒ کو اُن کی موت کا بہت قلق تھا۔

حکیم عبدالرحمٰن صاحب (خوشاب والے)

خوشاب کے حکیم چن پیر صاحب حضرتِ اعلیٰ مولانا ابوالسعد احمد خانؒ کے معالجین میں سے تھے۔ وہ اپنی پوری عمر خانقاہ پاک سے وابستہ رہے۔ آپ کے بیٹے حکیم عبدالرحمٰن بھی اپنی زندگی میں خانقاہ سراجیہ سے وابستہ رہے۔ بابا جیؒ کی خدمت میں تشریف لاتے تو ''سفوفِ راحت'' اور ''حبِ عنبر'' بڑی محبت سے پیش کرتے۔ وہ میرے والد صاحب کے بہت گہرے دوست تھے۔ میرے والد جب بھی خوشاب جاتے حکیم عبدالرحمٰن صاحب کے ہاں ٹھہرتے۔ آخری عمر میں حکیم صاحب خاندانی ناچاقیوں سے دل برداشتہ ہو کر اپنی کروڑوں کی جائیداد اور حویلی چھوڑ کر خانقاہ پاک آ گئے۔ صبح گیارہ بجے کا وقت ہوگا۔ بابا جیؒ اپنے حجرے میں تشریف فرما تھے۔ حکیم صاحب نے چشمِ نم کے ساتھ اپنا دکھ سنایا اور مستقل خانقاہ شریف میں رہنے کی اجازت طلب کی۔ بابا جیؒ نے فرمایا کہ حکیم صاحب! یہ آپ کا اپنا

گھر ہے، اجازت کی ضرورت نہیں۔ آپ کو یہاں انشاء اللہ کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

دوسرے روز میرے والد صاحب سے حکیم صاحب نے کہا کہ اگر مجھے موت آ جائے تو میری درخواست ہے کہ مجھے اپنے قبرستان میں دو گز زمین دے دیں، اللہ آپ کو اِس کا اجر دے گا۔ ان کے چہرے پر وقت کی راکھ کے سوا کچھ نہ تھا۔ حکیم عبدالرحمٰن کچھ دن بعد باباجیؒ کی محفل میں بیٹھے تھے۔ اچانک بولے کہ ایک بات کہنے کی جسارت کر سکتا ہوں؟

باباجی نے سر اُٹھا کر فرمایا کہ حکیم صاحب! آپ حکم کیا کریں۔ انہوں نے کہا کہ جی حکم کی گستاخی تو ممکن ہی نہیں۔ حضرت! میری زندگی کی جمع پونجی جو میرے پاس بچی ہے وہ نوے ہزار روپے ہے۔ آپ یہ رقم رکھ لیں اور اس میں اپنی طرف سے رقم ملا کر کتب خانے سے مشرقی سمت درویشوں کے کمروں کی جو قطار ہے اس کے سامنے برآمدہ بنوا دیں۔ درویش اس برآمدے کے نیچے بیٹھیں گے۔ میرا اور تو کوئی عمل نہیں، ممکن ہے اللہ اسی کے صدقے مجھے بخش دے۔ باباجیؒ نے فرمایا کہ ضرور، انشاء اللہ برآمدہ بن جائے گا۔ اور اگلے چند روز میں کام شروع کرا دیا۔ برآمدہ مکمل ہوگیا۔ حکیم صاحب کی بینائی بہت کمزور ہو چلی تھی۔ آپ برآمدے میں چارپائی ڈال کر تلاوت کرتے رہتے۔ مؤذن بابا عزیز کبھی کبھی لکڑیاں چن کر آپ کو مزاج کے مطابق دلیہ یا جو حکیم صاحب کی خواہش ہوتی بنا دیا کرتا تھا۔ ایک دن موت نے آواز دی اور حکیم صاحب نے لبیک کہا اور خانقاہ پاک کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

ڈاکٹر محمد انور کنور، ڈاکٹر رانا اختر اور ڈاکٹر طارق مسعود

اٹامک انرجی ہسپتال کے ہمارے محترم ڈاکٹر محمد انوار کنور اور ڈاکٹر اختر کے ساتھ گھریلو مراسم ہیں۔ باباجیؒ کی کسی بھی تکلیف میں ہم نے بلایا تو وہ اپنی ساری مصروفیات ترک کر کے تشریف لاتے اور علاج میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے۔ ہماری خانقاہ سے ملحقہ آبادی میں ڈاکٹر طارق مسعود کی موجودگی اور ان کا ذاتی کلینک ہمارے پسماندہ اور غربت کی چکّی

میں پسے ہوئے لوگوں کے لیے اللہ کریم کی بہت بڑی نعمت ہے۔ہم نے اس صحرا میں وقت کے ساتھ بہت دکھ کاٹے ہیں۔ایک وہ وقت تھا جبکہ میانوالی کوئی ڈاکٹر میسر ہوتا تھا اور ذرائع آمدورفت نہ ہونے کے برابر تھے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد عنایت اللہ صاحب

کئی سال پہلے کی بات ہے، ایک دن میں مغرب کی نماز کے لیے گھر سے نکلا تو تسبیح خانے کے سامنے ایک صاحب چارپائی پر بیٹھے تھے۔ سر پر قراقلی ٹوپی اور لباس اُجلا تھا۔ میں سلام کر کے گزر گیا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ آپ ڈاکٹر عنایت اللہ ہیں۔ آپ کا تعلق ملتان سے ہے اور باباجیؒ کے مرید اور معالج ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے ایک دوبار معانقہ اور علیک سلیک ہوئی لیکن آپ کے چہرے پر سنجیدگی اور رُعب کی وجہ سے میری تو بے تکلّفانہ گفتگو کی ہمت نہ پڑی۔ جی یہ چاہتا تھا کہ میں آپ سے بہت سی باتیں کروں۔ جی کیوں چاہتا تھا؟......اس کیوں کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔بس روح کی Frequency کھینچ رہی ہوتی ہے۔ ایک بار ڈاکٹر صاحب تشریف لائے تو میرے دوست سیّد ذوالکفل بخاری بھی ساتھ تھے۔اس روز ڈاکٹر صاحب سے مکمل تعارف ہوا۔ جامع مسجد نشتر میڈیکل کالج کے خطیب مولانا حبیب الرحمٰن ہاشمی اور سیٹھ جابر علی صاحب بھی ساتھ تھے۔پھر وقت کے ساتھ بے تکلفی کے دریچے کھل گئے۔ایک روز سب نے میرے غریب خانے پر چائے پی۔ پھر محبتوں کا سلسلہ زلفِ یار کی طرح دراز ہوتا گیا۔ایک بار سردیوں میں ناچیز کے گھر سب کھانا کھا رہے تھے۔ دعوت شیراز میں کوفتے بھی تھے۔مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے کہا کہ بھئی! کھانا سب اچھا ہے لیکن نمکین لڈو سب سے زیادہ لذیذ ہیں۔

آخری برسوں میں جب باباجیؒ علیل تھے، ہر تکلیف میں ڈاکٹر عنایت صاحب نے مکمل انہماک سے آپ کا علاج کیا۔ نہ صرف علاج کیا بلکہ مرض کے متعلقہ دوسرے ڈاکٹروں سے رابطے میں رہ کر باباجیؒ کے علاج اور آرام کا مکمل خیال رکھا۔ٹیلیفونک رابطہ

اپنی جگہ، ڈاکٹر صاحب مہینے میں ایک بار صرف بابا جیؒ کی زیارت، بیمار پرسی اور کیفیت دیکھنے کے لیے تشریف لاتے۔ عشاق کے مزاج اور سلسلے عجیب ہوتے ہیں۔ ملتان سے خانقاہ سراجیہ کی مسافت ۳۵۰ رکلومیٹر ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا معمول رہا کہ وہ نمازِ فجر پڑھ کے ملتان سے نکلتے۔ دوپہر کا کھانا، ظہر اور نمازِ عصر تک بابا جیؒ کی خدمت میں اور نمازِ عصر پڑھ کر واپسی کی اجازت لے لیتے۔ کبھی ہفتہ کے روز تشریف لاتے اور اتوار کو آپ کی واپسی ہوتی۔ وقت گزرتا رہا، میں نے کبھی ان کے چہرے پر سفر کی تکان نہیں دیکھی۔ تر و تازہ، ہشاش بشاش چہرہ، جیسے یہیں کہیں قریب دس پندرہ کلومیٹر کی مسافت سے تشریف لا رہے ہیں۔

ڈاکٹر محمد عنایت اللہ صاحب کی بیعت

خانقاہ پاک آج سے قریباً دس بارہ برس قبل ماہِ رمضان میں آپ ایک دوست کی وساطت سے آئے۔ شام تک آپ بھکر مولانا عبداللہ صاحب کے پاس پہنچے۔ وہاں سے ان کی رفاقت میں عشاء بھکر میں ادا کی اور جب رات خانقاہ پاک پہنچے تو کسی ساتھی نے بتایا کہ ابھی آٹھ تراویح ہوئی ہیں۔ یہ ایک سرد رات تھی۔ ڈاکٹر صاحب حیران تھے کہ رات بھیگ چلی ہے اور ابھی آٹھ تراویح ہوئی ہیں۔ وضو کر کے وہ بھی تراویح میں شامل ہو گئے۔ بعد میں متعدد بار مولانا حبیب الرحمٰن اور حاجی جابر علی صاحب کے ساتھ وہ خانقاہ حاضر ہوئے۔ لیکن بابا جیؒ کی بیعت ایک سال بعد کی۔ قریباً سال گزرنے کے بعد جب ایک روز ظہر کے بعد بیعت کے لیے عرض کیا تو بابا جیؒ انہیں دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا، ''اچھا آپ نے بیعت ہونا ہے!'' حاجی جابر علی صاحب اور ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب بیعت ہو گئے اور مولانا حبیب الرحمٰن عصر کے بعد بیعت ہوئے۔

ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ حضرت قبلہؒ کی دو کرامتیں ایسی ہیں کہ جنہوں نے مجھے خانقاہ سراجیہ سے باندھ دیا۔ ایک تو میں نے یہ دیکھا کہ آپؒ کا کوئی قول اور فعل سنتِ نبوی ﷺ سے ہٹ کر نہیں۔ مجھے ''تحفہ سعدیہ'' کا ایک واقعہ یاد آیا کہ ایک بار ایک مولوی صاحب

نے اعلیٰ حضرت مولانا ابوالسعد احمد خانؒ کے ہاں کچھ روز قیام کیا اور جب واپسی کا ارادہ کیا تو وقتِ رخصت اجازت لیتے ہوئے عرض کی کہ حضرت! آپ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی۔ آپؒ نے فرمایا کہ بھئی کوئی فعل غیر شرعی بھی دیکھا؟ ڈاکٹر صاحب نے دوسری کرامت کے بارے کہا کہ میں نے برسوں کے معمول میں حضرت قبلہؒ کی شانِ استغناء کو دیکھا کہ اگر کسی نے لنگر کے لیے دس روپے ہدیہ دیا اور کسی نے ایک لاکھ روپیہ پکڑا دیا تو ایسا کبھی نہیں ہوا کہ جس صاحبِ ثروت نے زیادہ رقم پیش کی آپ کا التفات اس کی طرف زیادہ ہو۔ آپ کے نزدیک امیر اور غریب میں کوئی تفریق نہیں تھی۔ تیسری بات خانقاہ کی خاموش اور پرسکون فضا نے اپنے ساتھ باندھے رکھا۔ یہاں نہ میلہ ٹھیلہ، نہ ڈھول اور نہ کوئی بدعت، یہاں کے مزارات پر نہ گنبد اور نہ لٹکتی جھالریں، کھلے آسمان تلے نفوسِ قدسیہ کچی قبروں میں آرام فرما ہیں۔ نور اللہ مراقدھم واعلی اللہ مراتبھم.

صحافی سے مکالمہ

بقول ڈاکٹر محمد عنایت اللہ صاحب، ایک بار حضرت قبلہؒ کے ساتھ ملتان سے ڈیرہ غازی خان کا سفر تھا۔ ہم ملتان سے نکلے۔ راستے میں ایک بستی میں حضرت قبلہؒ کا تھوڑی دیر قیام تھا۔ میں نے سوچا، چلو اچھا ہے ڈیرہ غازی خان کے جلسے سے پہلے آپؒ کو تھوڑا آرام مل جائے گا۔ ہمیں ایک بیٹھک میں بٹھایا گیا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک شخص اندر آیا۔ گفتگو سے معلوم ہوا کہ صحافی ہے۔ میری خواہش تھی کہ حضرت قبلہؒ کے آرام میں خلل نہ آئے لیکن آپؒ نے خندہ پیشانی سے اس کے استفسار پر سوالوں کے جواب دیے۔ مجھے اس گفتگو کے دو سوالوں کے جواب ہمیشہ کے لیے یاد رہ گئے۔ اور مجھے ان جوابات سے جو خوشی اور سرشاری ہوئی اس سے ایمان کو بہت تقویت ملی۔ صحافی نے پوچھا کہ حضرت! آپ یہ فرمائیں کہ اس وقت دنیا میں میڈیا کی یلغار ہے — اخبار، ریڈیو، ٹیلی ویژن چینلز اور کمپیوٹر انٹرنیٹ — مرزائی اپنی تبلیغ کے لیے تمام ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں، لیکن ختم نبوت کے پلیٹ فارم سے میڈیا پر، یا اپنے چینل کے حصول کی کوشش نظر نہیں آتی۔ آپ اس بارے

کیا فرمائیں گے؟

بابا جیؒ نے فرمایا کہ دیکھو بھئی ہم اپنی کوشش اور محنت میں لگے ہوئے ہیں لیکن ایک شرعی کام کے لیے ہم کوئی غیر شرعی کام نہیں کریں گے۔

اس نے پوچھا کہ حضرت! اس وقت بے نظیر وزیر اعظم ہے۔ عورت کی حکمرانی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت قبلہ بابا جیؒ نے فرمایا کہ چودہ سو سال پہلے ایران میں جب ایک عورت کی حکومت تھی اُس وقت ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہ قوم فلاح نہیں پا سکتی جس کی حکمران عورت ہو، آج بھی وہی جواب ہے۔ صحافی نے کہا کہ لیکن حضرت! وہ کہتے ہیں پیپلز پارٹی کو مینڈیٹ ملا ہے۔ بابا جیؒ نے فرمایا کہ مینڈیٹ پارٹی کو ملا ہے، ایک فرد کو تو نہیں ملا۔ پارٹی کسی مرد کو وزیر اعظم کے لیے نامزد کر دے۔

علالت اور علاج

اسفار کی کثرت اور موسمی اثرات کی وجہ سے نزلہ زکام اور کھانسی اکثر رہتی تھی۔ گاہے فرماتے، یہ تو میرا رفیق ہے۔ بحمدہٖ تعالیٰ معمولاتِ یومیہ پورے اہتمام والتزام سے چلتے رہتے۔ رخصت کی بجائے عزیمت پر عمل فرماتے۔

ریڑھ کی ہڈی میں تکلیف

ایک بار بابا جیؒ اٹک تشریف لے جا رہے تھے۔ سعید احمد گاڑی خود چلا رہے تھے۔ ایک پہاڑی کا موڑ کاٹتے ہوئے کار بے قابو ہو گئی اور چٹان سے جا ٹکرائی۔ بہ ظاہر بابا جیؒ کو معمولی چوٹیں آئیں لیکن کچھ عرصہ بعد جب آپ کو اُٹھنے بیٹھنے میں شدید دشواری پیش آئی تو ابتدائی معائنے سے پتا چلا کہ ریڑھ کی ہڈی کے مہروں میں تکلیف ہے مگر جب ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب نے آرتھوپیڈک سرجن سے چیک اپ کرایا تو ڈاکٹروں کے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ آپ کی ریڑھ کی ہڈی کے دو مہرے تحلیل ہو کر ختم ہو چکے تھے۔ میڈیکل سائنس کے مطابق ایسے مریض کو بستر پر ہونا چاہیے تھا لیکن آپ نماز کا قیام ترک کرنے پر راضی نہ تھے۔ نماز کے بعد دو آدمی پوری قوت کے ساتھ آپؒ کو سہارا دے کر اُٹھاتے۔ لیکن درد کی

شدت کے باوجود کبھی آپ نے اُف نہ کی۔ ڈاکٹرز کے اصرار پر آپ کے لیے وہیل چیئر منگوائی گئی۔ اگلے چیک اَپ میں ڈاکٹروں نے کہا کہ آپؒ کے لیے سیڑھیاں چڑھنا مناسب نہیں، کسی بھی وقت کوئی اور بڑا نقصان ہوسکتا ہے۔ مشاورت کے بعد آپؒ کے لیے مسجد کی شمالی سمت Hydraulic Lift لگائی گئی۔ لفٹ میں آپ دوسرے آدمی کے سہارے کے بغیر کھڑے ہوتے۔ ان برسوں میں ہم نے ایک بار بھی آپؒ کے منہ سے حرفِ شکایت نہیں سنا۔

پاؤں کی تکلیف

ایک بار دورانِ سفر پاؤں میں اچانک سوزش ہوئی جو بڑھتی چلی گئی۔ خانقاہ شریف واپسی ہوئی، ایک آدھ دن مقامی طور پر علاج ہوا مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ ملتان تشریف لائے اور سیال ہسپتال میں داخل ہوگئے۔ ڈاکٹر محمد عنایت اللہ صاحب کے توسط سے نشتر میڈیکل کالج کے ماہر سرجن پروفیسر اختر علی طاہر صاحب کا علاج شروع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے ادویات کے علاوہ تجویز کیا کہ پاؤں اونچا رکھا جائے اور چلنے پھرنے سے احتراز کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے پوری توجہ اور لگن سے علاج کیا اور جب تک حضرت بابا جیؒ ملتان قیام فرما رہے وہ باقاعدگی اور اہتمام سے معائنے کے لیے تشریف لاتے رہے۔ حضرت کی راحت رسانی کے خیال سے غیر ضروری ٹیسٹ اور ادویات کے استعمال سے احتراز کیا گیا۔ حضرت کی راحت اور آرام کو ہر طور ملحوظ رکھا گیا۔ **جزاھم اللہ خیر الجزاء.**

بقول ڈاکٹر محمد عنایت اللہ، اس علالت کے دوران چند چیزیں حیران کن تھیں:

۱۔ پاؤں میں حد درجہ سوزش تھی لیکن بخار نہیں ہوا۔

۲۔ حضرتؒ کے چہرے پر تکلیف کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ صرف پوچھنے پر درد کا اظہار فرماتے۔ صحت کی رفتار بہت آہستہ تھی۔

۳۔ ہیموگلوبن کم ہونے کی وجہ سے آپ کے لیے خون کا بندوبست کیا گیا۔ خون لگنے کے بعد ہمارے حساب میں ہیموگلوبن میں ایک گرام کا اضافہ ہونا چاہیے تھا، مگر لیبارٹری

ٹیسٹ سے پتا چلا کہ وہ اُسی گراف پر ٹھہرا ہوا ہے جو خون لگنے سے قبل تھا۔ چنانچہ میں لیبارٹری گیا اور ان سے باز پرس کی کہ آپ نے ٹیسٹ ٹھیک نہیں لیے۔ لیبارٹری والوں نے کہا، جی ہمیں اہمیت کا اندازہ ہے، آپ کہتے ہیں تو دوبارہ ٹیسٹ لے لیتے ہیں۔ میں نے دو تین لیبارٹریوں سے چیک کرایا۔ رزلٹ ایک سا تھا۔ پھر خیال آیا، کہیں اندر خون ضائع نہ ہو رہا ہو۔ مگر زخم سے خون بھی نہیں رِس رہا تھا۔ ممکنہ ٹیسٹ کرنے کے بعد تسلی ہوگئی کہ جسم میں کہیں خون ضائع نہیں ہو رہا۔ ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب کا کہنا ہے کہ ہم آج تک اس بات کو نہیں سمجھ سکے کہ جو خون حضرت قبلہؒ کو لگایا گیا، وہ کہاں گیا؟ کیا فرشتے اٹھا لے گئے۔ واللہ اعلم بالصواب!

سوزش کی وجہ جاننے کے لیے ایک چھوٹا سا آپریشن بھی کرنا پڑا۔ اللہ کی شان! تمام تر کوششوں کے باوجود سوزش کی وجہ اور نوعیت معلوم نہ ہوسکی۔ سیال کلینک سے فارغ ہوکر میاں خان محمد صاحب سرگانہ کے گھر تشریف لے گئے۔ کئی ہفتے ملتان قیام رہا، پھر خانقاہ واپسی ہوئی۔

تقریباً ایک سال یا اس سے زائد عرصے میں اسی پاؤں پر وہی سوزش لوٹ آئی، پاؤں متورم ہوگیا۔ اس بار حضرت بابا جیؒ کو لاہور لے جایا گیا جہاں ڈھیروں (بلامبالغہ) تفصیلی ٹیسٹ، ایکسرے اور ڈاکٹرز کے معائنے ہوئے، لیکن نتیجہ وہی نکلا کہ وجۂ تکلیف معلوم نہ ہوسکی۔

ادب کا اعلیٰ مقام

پاؤں کے زخم بھرنے میں بہت وقت لگا۔ جب آپ گھر تشریف لائے تو ڈاکٹرز کی ہدایت تھی کہ آپ پاؤں پسار کر تکیے پر رکھیں، اس طرح سوجن اترنے میں مدد ملے گی۔ لیکن بابا جیؒ جب اپنے حجرے میں تشریف لائے تو آپ نے پاؤں پسارنے سے انکار کر دیا کہ یہ ادب کے خلاف ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے اور امامِ اعظم ابوحنیفہؒ تنہائی میں بھی ٹانگیں نہیں پسارتے تھے۔ آپ کا کہنا تھا

کہ اللہ رب العزت ہر جگہ موجود ہے اور پاؤں پسارنا بے ادبی کے زمرے میں آتا ہے۔ باباجیؒ کو چار پائی پر بہ مشکل لیٹنے پر مجبور کیا کہ آپ گاؤ تکیے سے ٹیک لگا لیں۔ لیکن آپؒ چار پائی پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ جاتے۔ آپؒ کے آرام کے لیے آپؒ کی چار پائی کی پائینتی کے نیچے اینٹیں رکھ کر اونچا کیا گیا۔

خدمت

آپ کی تکلیف کے دوران آپ کے بیٹوں نے اور گھر کی خواتین نے بھر پور خدمت کی۔ لاریب! برادران عزیز احمد، خلیل احمد، سعید احمد، نجیب احمد، سعد سلمہٗ، حکیم صاحب اور محمد یوسف، سب نے اپنا آرام تج کر ایک لمحہ بھی آنکھ نہیں جھپکی۔ ہمہ وقت خدمت میں اپنی ذات کو بھول کر مگن رہے۔ آپؒ کی ہر بہو نے ایک ذمہ داری لے رکھی تھی — کھانا، چائے، آرام کا خیال، جوس کے اوقات، یخنی، کوئی ایسا کھانا جس سے باباجیؒ کی صحت کو سہارا ملے۔ سب اپنے اپنے مقررہ وقت پر اپنی ذمہ داری نبھاتی تھیں۔ رات کو برادرم خلیل احمد باباجیؒ کے پاس سوتے۔ ان کے ہمراہ نجیب احمد، خادم محمد یوسف یا حکیم صاحب بھی ہوتے۔ لیکن ایسی بیدار نیند سوتے کہ باباجیؒ کی ذراسی جنبش پر لپک کر آتے، آواز دیتے کہ مبادا غفلت نہ ہو جائے۔

آخری ایام

ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب کی بے چینی

آخری دنوں میں جب ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب خانقاہ تشریف لائے تو آپ کا اصرار تھا کہ زائرین کا ہجوم کنٹرول کیا جائے، اس ہجوم سے کمرے کی آکسیجن کم ہو جاتی ہے جو بابا جیؒ کی صحت کے لیے مضر ہے۔ایک تجویز یہ بھی سامنے آئی کہ بابا جیؒ کا بیڈ تبدیل کر دیا جائے۔ وہیل بیڈ منگوا لیا جائے تا کہ آپ کو دِن میں برآمدے میں تازہ ہوا ملے اور زائرین کے لیے بھی آسانی ہو۔ نجیب احمد اِس کے حق میں نہیں تھے۔ان کا کہنا تھا کہ بابا جیؒ کو ہم جو بیڈ سے باتھ روم تک سہارا دے کر لے جاتے ہیں اس سے بہتری کی صورت پیدا ہوتی ہے جبکہ انہیں وہیل بیڈ پر محدود کرنے سے صورت حال مزید خراب ہوگی۔ آپؒ بالکل بستر سے لگ کر رہ جائیں گے۔

تجاویز کے دوران بیڈ آ گیا اور بابا جیؒ کو اُس بیڈ پر منتقل کر دیا گیا۔اس سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ بابا جی کو ہم کھلی ہوا میں لے آتے تھے جس سے بہتری کی صورت پیدا ہوئی۔ لیکن آپؒ کی نقاہت دن بہ دن بڑھتی جا رہی تھی۔غنودگی کی کیفیت زیادہ دیر رہنے لگی۔ بیمار پرسی کے لیے اک دنیا اُمڈی چلی آ رہی تھی۔ انہی دنوں شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کے خلیفہ مولانا یحییٰ مدنی مدظلہٗ آپ کی عیادت کو تشریف لائے۔مولانا مفتی سلیم اللہ خان صاحب، مولانا فضل الرحمٰن اور بہت سے علماء تشریف لائے۔

مرض الوفات

حضرت بابا جیؒ کو بخار کے ساتھ غنودگی شروع ہوئی۔ مقامی علاج سے افاقہ نہ ہوا تو

ملتان بذریعہ جہاز لے جانے کا فیصلہ ہوا۔

جس سہ پہر آپ کو ملتان لے جایا جارہا تھا، ڈاکٹر کو ہمراہ لے جانا ضروری سمجھا گیا۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد منیر الدین میڈیکل سپیشلسٹ سے درخواست کی کہ براہِ کرم آپ بابا جیؒ کے ہمراہ ملتان چلے جائیے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس فرمائش کو سعادت اور اعزاز سمجھا اور ایمرجنسی کے ضروری سامان کا انتظام کر کے ساتھ ہو لیے۔ اس سے ہمیں بہت تسلی ہوئی۔

ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب کا کہنا ہے کہ ملتان سیال میڈیکل سنٹر پر اِک ہجوم تھا۔ جانے عشاق کے قافلے کہاں کہاں سے چلے آرہے تھے۔ چوں کہ آپ کے لیے آرام بہت ضروری تھا، مشورہ سے طے ہوا کہ کھڑکی میں شیشہ لگا کر اندر کمرے کی طرف پردہ لٹکا دیا جائے اور جب زیارت کے لیے ایک تعداد جمع ہو جائے تو پردہ ہٹا کر زیارت کرادی جائے۔ یہ انتظام مؤثر ثابت ہوا۔ زائرین کی تعداد اِس قدر زیادہ تھی کہ ابھی زیارت کروا کر پردہ شیشے کے سامنے کیا، تھوڑی دیر بعد پچاسوں لوگ پھر آجاتے۔ ایسا صرف دن کو ہی نہیں بلکہ رات کے کسی بھی پہر میں ایک تعداد سر جھکائے خاموشی سے پردہ اٹھنے اور زیارت کی منتظر ہوتی۔ علاج اہتمام اور جانفشانی سے جاری تھا۔ امید تھی کہ طبیعت سنبھل چلی ہے۔ لیکن اللہ کا فیصلہ غالب آیا۔

سیال میڈیکل سنٹر داخلے کے دوران مختلف تشخیصی ٹیسٹ ہوئے تو پتا چلا کہ ضعفِ جگر کے ساتھ نمونیا ہوا ہے۔ علاج سے قدرے بہتری ہونا شروع ہوئی، اگرچہ رفتار سست تھی مگر صورتِ حال پُر امید تھی۔ اللہ کی شان! کچھ دنوں کے بعد گردے کام کرنا چھوڑ گئے۔ مختلف سپیشلسٹ ڈاکٹروں کے مشورے سے علاج میں ضروری تبدیلی ہوتی رہی۔ ڈاکٹر عبدالقادر صاحب نے پوری جانفشانی سے نگہداشت اور خدمت کی۔ ڈاکٹروں کی ہدایات پر عمل درآمد یقینی بنانا اُن کی ذمہ داری تھی جس کو اُنھوں نے خوب نبھایا۔ آخری وقت میں صاحبزادہ نجیب احمد صاحب کا ڈاکٹر عنایت اللہ کو فون آیا کہ ڈیوٹی ڈاکٹر کے مطابق بلڈ پریشر کافی کم ہو گیا ہے۔ انہوں نے فوراً ڈاکٹر عبدالقادر کو بھیجا۔ جنہوں نے پہنچ کر خود بلڈ

پریشر چیک کیا جو کہ ٹھیک تھا۔ جس کی اطلاع انہوں نے ڈاکٹر محمد عنایت اللہ کو دی جنہوں نے ضروری اقدامات کا مشورہ دیا۔ کچھ ہی منٹوں بعد اللہ کا مقبول بندہ اپنے خالقِ حقیقی سے جاملا۔ آخری وقت میں نجیب احمد صاحب اور ڈاکٹر عبدالقادر صاحب باباجیؒ کے پاس موجود تھے۔ نوراللہ مرقدۂ واعلی اللہ مراتبہ اللّٰھم لاتحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ.

سفرِ آخرت

۵رمئی ۲۰۱۰ء کی گرم شام تھی۔ میں قُدامہ سلمہٗ کے ہمراہ موٹرسائیکل پر کسی کام سے ''چشمہ'' کی طرف نکلا۔ ہم دوفرلانگ کے فاصلے پر ہوں گے کہ قُدامہ نے غم میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا کہ ابو! رکیے، موٹرسائیکل مجھے دیجیے۔ میں نے حیرت وتعجب سے پوچھا کہ کیوں کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ ابو! ہمارے باباجیؒ انتقال کر گئے۔ اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ. میں سناٹے میں آ گیا۔ موٹرسائیکل کا رُخ گھر کی جانب موڑا۔ تسبیح خانے کے سامنے پہنچا تو برادرم بشیر، بشارت احمد، ریاض تندورچی، ماموں نعیم اور چند دیگر ساتھی موجود تھے۔ اسی دوران استاد عبدالرحیم صاحب بھی آ گئے۔ سب چپ چاپ تصویرِ غم بنے کھڑے تھے۔

سپیکر سے مولانا عبدالرحیم کی لرزتی ہوئی آواز گونجی کہ قطب الارشاد شیخ المشائخ حضرت خواجہ خان محمدؒ اس دارِفانی سے کوچ فرما گئے۔ اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ. نمازِ جنازہ کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔ یہ وحشت ناک خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ جس سے جس طرح بن پڑا، وہ عازمِ سفر ہو گیا۔

خانقاہ سراجیہ شریف کا ماحول سوگوار اور ہر آنکھ اشکبار تھی۔ فیض کے اس لافانی شعر کا مفہوم مجھ پر اُس دن منکشف ہوا:

ویراں ہے میکدہ، خُم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

جنازے کے وقت کا اعلان فی الحال ممکن نہیں تھا۔ فون پر مسلسل رابطہ تھا۔ بشارت

احمد نے میانوالی فیصل ٹینٹ کے مالک سے فوری ممکنہ انتظامات کا کہا۔ رات کے آخری پہر باباجیؒ کا جسدِ خاکی ملتان سے یہاں پہنچا۔ اسی دوران میانوالی سے ڈی ایس پی پہنچ گئے۔ وہ بہت فکرمند تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ پپلاں میں حضرت مظہر قیوم صاحبؒ کا جنازہ بہت بڑا تھا۔ اُسے سنبھالنا مشکل ہوگیا تھا۔ ہمارا اندازہ ہے کہ یہ جنازہ کئی گنا زیادہ ہوگا کہ حضرت باباجیؒ کے چاہنے والے چاروں صوبوں سے پہنچیں گے۔

میں نمازِ فجر پڑھ کر مسجد کی سیڑھیاں اُتر رہا تھا۔ دیکھا چاروں طرف سے عشاق کے کارواں ہیں جو کھنچے چلے آرہے ہیں۔ پوری رات قافلے اترتے رہے۔ میں بوجھل قدموں کے ساتھ اُس راستے سے گزرا جس راستے سے گھر جاتے ہوئے باباجیؒ مکوڑوں اور حشرات الارض کو بچاتے ہوئے پاؤں دھرتے تھے۔ لنگر کے صحن سے ہوتا ہوا برادرم عزیز احمد کے گھر اور وہاں سے گزر کر برادرم خلیل احمد کے مہمان خانے میں پہنچا۔ برادرم عزیز احمد، برادرم خلیل احمد، برادرم سعید احمد، برادرم نجیب احمد، برادرم رشید احمد، میاں خان محمد سرگانہ صاحب اور برادرم بشیر موجود تھے۔

سب خاموش، غم کی تصویر بنے بیٹھے تھے۔ جن کے سروں سے شفقتوں اور محبتوں کا سائبان اُٹھ جائے وہ یونہی مضطرب اور غمگین ہوتے ہیں۔ میں نے برادرم عزیز احمد صاحب سے عرض کیا کہ بھائی جان! نمازِ جنازہ خلیل احمد کو پڑھانی چاہیے اور خلیل احمد کا نام میں نے اس لیے تجویز کیا ہے کہ وہ باباجیؒ کی عدم موجودگی میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ختمِ خواجگان اور رمضان المبارک میں تراویح کا معمول وہ نبھاتے رہے۔ مدرسہ کے جملہ اُمور اِن کے ذمے رہے۔ یہ میری ذاتی رائے ہے، جو آپ فیصلہ کریں گے وہ ہمیں قبول ہوگا۔ ان شاءاللہ۔

باباجیؒ کا جسدِ خاکی اُن کی اقامت گاہ میں رکھا گیا۔ میں اندر داخل ہوا۔ کمرے میں خوشبو تھی۔ آپؒ ابدی نیند سو رہے تھے۔ چہرے پر نور کی کرنیں، سکون اور زیرِلب مسکراہٹ چھپی تھی۔ ہزاروں مستورات زیارت پر مُصر تھیں۔ سب سوگوار اور اَشک بار تھیں لیکن کوئی

بھی نوحہ گر نہیں تھی اور کسی کی زبان سے ہائے وائے کے جملے نہیں نکل رہے تھے جو کہ میرے اللہ اور اُس کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہیں۔

نہر کے کنارے پر ملحقہ ڈیرے، گھر، حویلی حتیٰ کہ کھیتوں کھلیانوں میں انسانوں بسوں، گاڑیوں اور ٹریفک کا ہجوم ہی ہجوم تھا۔ مریدین اور عقیدت مند، مشائخ، علماء، طلبہ، عوام، خواص نجانے کہاں کہاں سے اور کس کس صعوبت سے جنازے میں شرکت کے لیے یہاں پہنچے۔ بعض حضرات بیرون ممالک سے بذریعہ جہاز پاکستان پہنچے اور جنازے میں شریک ہوئے۔ ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ کسی طرح حضرت بابا جیؒ کا آخری دیدار نصیب ہو جائے لیکن ہجوم کی بے پناہ کثرت کی وجہ سے علمائے کرام و صاحبزادگان نے یہ فیصلہ کیا کہ آخری دیدار نہ کرایا جائے، لیکن لوگ تھے کہ بس یہ شرف حاصل کرنے کے لیے تڑپ رہے تھے۔ ۳۰/۱ ایکڑ سے زائد جگہ جنازہ گاہ کے لیے مختص کی گئی مگر مجمع کی کثرت کو دیکھ کر اس کی وسعت تنگیٔ داماں کی شکایت کر رہی تھی۔

نمازِ جنازہ کا وقت دو بجے مقرر تھا۔ صفوں کی درستی کا عمل جاری تھا۔ صفوں کی درستی کا اعلان بار بار ہو رہا تھا اور لوگوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا، حتیٰ کہ اعلان ہوا حضرت صاحبزادہ عزیز احمد صاحب کے حکم سے مخدوم زادہ خلیل احمد صاحب نمازِ جنازہ پڑھائیں گے۔ پھر لاکھوں اہلِ ایمان نے فضیلت مآب عالی مرتبت مخدوم زادہ خلیل احمد صاحب کی اقتداء میں بابا جیؒ کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

بعد ازاں خانقاہ شریف کی مسجد کے شمال مغربی کونے سے ملحقہ ''احاطہ مزارات'' میں اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا محمد عبداللہ لدھیانویؒ، جن کی آغوشِ محبت میں پروان چڑھے، ان کی محبتیں، نوازشیں، الطاف و عنایات سمیٹیں، انہی کے پہلو میں جا سوئے۔ جہاں قریب ہی بانی خانقاہ سراجیہ حضرتِ اعلیٰؒ محو استراحت ہیں۔ ''**الحقنی بالصالحین**''، ''**وتوفنا مع الابرار**'' کی عملی تفسیر زمانے نے دیکھ لی۔ **فرحمۃ اللّٰہ علیہم اجمعین ونور اللّٰہ مراقدھم. اللّٰھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ.**

عصر سے قبل تک تدفین کا عمل جاری رہا۔ اذانِ عصر سے قبل حضرت صاحبزادہ عزیز احمد صاحب نے تدفین کے بعد کی دعا کرائی۔

مئی کی گرمی میں رحمتِ خداوندی کا نزول یوں ہوا کہ حضرت بابا جیؒ کی تدفین کے دوران آسمان پر دِن بھر بادل چھائے رہے اور پھر بادل کی گرج چمک اور ٹھنڈی ہوا کا سلسلہ شروع ہو گیا اور تدفین کی دعا کے ساتھ ہی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی۔ شام تک موسم نہایت خوشگوار رہا۔

سب متوسلین مغموم وافسردہ تھے مگر صاحبزادگان رنج وغم کی تصویر بنے بیٹھے تھے۔ ان کا غم سِوا تھا۔ ان کے لیے حضرت مربی وشیخ ہی نہیں تھے بلکہ ایک شفیق ومہربان باپ بھی تھے۔ جن کے سروں سے شفقتوں اور محبتوں کا سائبان اُٹھ جائے وہ یونہی مضطرب وغمگین ہوا کرتے ہیں۔ حضرت بابا جیؒ کی مانگی ہوئی دعائیں زندگی کے تپتے صحرا میں ان کے لیے سائبان بنی رہیں گی۔ ان شاء اللہ!

تمت بالخیر